تفصیلاتِ مقالہ

برائے دفتری امور

موضوع: پاکستان میں متفرق فقہی مذاہب کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی مشکلات اور ان کا حل

مقالہ نگار: عبدالرحمٰن خان

ڈگری: پی ایچ ڈی

شعبہ: شعبہ اسلامک لرننگ،فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز،جامعہ کراچی-کراچی

نگران مقالہ : ڈاکٹر عبید احمد خان،ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اصولِ دین،جامعہ کراچی
تاریخ داخلہ : 18-07-2011
ریفرنس نمبر : BASR/No./01969/I.Stu.
رجسٹریشن نمبر : ISD/ISL/KU-33232/2011
سنِ تکمیل : 2016ء

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

تیسرا باب: دستور پاکستان میں شامل ہونے والی متفقہ مذہبی دفعات میں مسالک و مکاتب فقہ کا کردار ٦۹

امتنان و تشکر

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر و احسان ہے جس کی توفیق و تائید سے آج میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کر رہا ہوں۔یقیناً اس خالقِ کون و مکاں کی توفیق و تائید کے بغیر یہ امر گراں بارتکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔اس کام میں ہر نوع کی عافیت،آسانی،صبر و استقامت محض اسی ربِ کائنات کی عطا اور اس کا فیضانِ رحمت ہے۔

والدین انسان کے دنیا میں آنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔اور والدہ کو بچے کی پہلی درسگاہ کہا جاتا ہے۔مجھے اس درسگاہ سے استفادہ لگ بھگ دو سال ہی مل سکا،چوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ إِنَّالِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ!اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنۃ الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔آمین !والدہ محترمہ نے اپنی ڈوبتی نبضوں اور ٹوٹتی سانسوں کے دوران میرے والد محترم کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ رکھیں۔والد محترم معمولی تنخواہ کے عوض ہوٹل میں ملازمت کرتے تھے انہوں نے والدہ محترمہ کی وصیت کی تکمیل میں اپنا خون پسینہ ایک کیا مگر ہمارے تعلیمی اخراجات میں کسی طرح کی کمی نہیں آنے دی۔اور ان کی حد درجہ خواہش رہی کہ ہم اعلیٰ تعلیم حاصل کر یں۔یقیناً یہ ان کی حلال کمائی کی برکت ہے کہ آج پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کر رہا ہوں۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَاكَمَارَبَّيَانِي صَغِيرًا!

آج جب میں یہ مقالہ مکمل کر رہا ہوں تو اس کے پیچھے چوبیس سالہ تعلیمی دورانیہ ہے۔جن میں اُن سارے اساتذہ کرام کا بےپایاں لطف و کرم شامل ہے جنہوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر آج یونیورسٹی کی تعلیم مکمل ہونے تک میری رہنمائی فرمائی،تعلیم دی اور علم و آگہی کا شعور عطا کیا میں ان سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ ان کی بدولت ہی آج اس

مقام تک پہنچ سکا۔ اس دوران ابتدائی تعلیم میں راقم کی بہنوں کا نمایاں کردار رہا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں اور سب اساتذہ کرام کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائیں !

میں خاص طور پر اپنے استاذ محترم ڈاکٹر عبید احمد خان صاحب جو میرے مقالہ کی نگران بھی ہیں، کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے جس طرح خطۃ البحث سے لے کر مقالہ کی تکمیل تک شفقت و رہنمائی فرمائی وہ قابل صد امتنان ہے۔ موصوف نے واقعتاً ایک روحانی باپ کی ذمہ داری احسن طریق سے نبھائی۔اللہ پاک انہیں اس کی جزاء عطا فرمائے۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالے کے بنیادی اصول و مبادی کے حوالے سے بھرپور رہنمائی فرمائی۔مولانا اپنی گوناں گوں مصرفیات کے باوجود اس خاکسار کو تین دن شریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ کے قیام کے دوران اپنے قیمتی اوقات میں سے بیشتر وقت عنایت فرمایا۔اور ان ہی کے توسط سے اسلامی نظریاتی کونسل کا پورا ڈیٹا حاصل ہو سکا۔ اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد میں جناب غلام ماجد صاحب جو ریسرچ ایسوسی ایٹ ہیں ان کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مطلوبہ مواد کی فراہمی میں بہت مد د کی۔ ڈاکٹر سید عزیز الرحمان صاحب جو شریعہ اکیڈمی اسلامی آباد کے کراچی کیمپس کے ڈائریکٹر ہیں ،ان کا بھی بے حد احسان مند ہوں جنہوں نے مقالہ کے ہر باب کے حوالے سے رہنمائی فرمائی۔اور اپنے قیمتی اوقات سے کچھ وقت فارغ کر کے میرے ہر باب کو پڑھا اور مفید تجاویز عنایت فرمائیں !

گریجویشن تک کی عصری تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعۃ الرشید کراچی سے کلیۃ الشریعہ (چارسالہ عالم کورس) کا موقع مل جانا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ جہاں پر رئیس ِ جامعہ مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کی کثیر الجہت شخصیت نے جس طرح پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے ہمہ جہت پہلؤوں پر کام کرنے کی اہمیت دلائی،دراصل اسی کے نتیجے میں میرے اندر اس موضوع پر کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔اس دوران دیگر اساتذہ کرام مفتی محمد صاحب، مفتی سید عدنان کاکاخیل صاحب اور جملہ اساتذہ کی محنت سے جو عربی کتابوں سے استفادہ کی اہلیت بنی،اس سلسلے میں ان تمام اساتذہ کا ممنون ہوں۔اللہ تعالیٰ انہیں دین دنیا میں مزید ترقیاں عطا فرمائے۔

کلیۃ الشریعہ کورس کی تکمیل کے بعد قرآن اکیڈمی یٰسین آباد کراچی میں انتہائی محسن و مشفق جناب اویس پاشا قرنی صاحب کی سرپرستی میں تدریس خدمات کا موقع ملا۔موصوف نے جس طرح مقالے کی تکمیل میں اوقات و دیگر مالی امور سے متعلق جو سرپرستی فرمائی اس پر ان کا تہہ دل سے سِپاس گزار ہوں۔جزاہ اللہ فی الدارین!مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں قرآن اکیڈمی یٰسین آباد کے لائبریرین جناب توحید خان صاحب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہو ں نے مطلوبہ کتابوں کی فراہمی میں بہت مدد کی۔ہمارے ایک انتہائی حبیب دوست عبدالرزاق بھائی کا بھی احسان مند

ہوں جنہوں کی مقالہ کی سمری کے انگریزی ترجمہ میں بہت معاونت کی،اللہ پاک انہیں بھی اجرِ عظیم سے نوازے۔
یہ چند افراد کے نام جو اس دوران ذہن میں آئے ان کا تذکرہ کر دیا۔بہر حال اس مقالہ کی تیاری میں جن افراد نے کسی طور پر بھی معاونت ، استعانت اور رہنمائی فراہم کی اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔میں اپنے اس مقالے کو ان تمام افراد کے نام کرتا ہوں جن کا تذکرہ کیا گیا اور جو کسی بھی طور پر میرے معاون رہے۔
اللہ پاک میری اس سعی وجہد کو قبول فرمائے اور اسے اولاً پاکستان میں اور ثانیاً ساری دنیا میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ بنائے۔اس مقالے میں میں جو حسن و خوبی ہے وہ من جانب اللہ اور اساتذہ کی محنت کے طفیل ہے اور جو کوئی کمی و نقص ہے وہ میری اپنی کوتائی و تساہل ہے۔

17/محرم الحرام۱۴۳۸ھ
عبدالرحمن خان
بمطابق ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۶ء ریسرچ سکالر شعبہ علومِ اسلامیہ،جامعہ کراچی

مقدمہ

موضوع تحقیق کا پس ِ منظر

متحدہ ہندوستان پر برطانوی سامراج کے قبضہ سے مسلمانوں کے تقریباً آٹھ سو سالہ دور ِ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔اس اثناء میں متحدہ ہندوستان کو برطانوی سامراج سے آزاد کرانے کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کی جانب سے مشترکہ کوششیں ہوتی رہیں۔ ہندوستان پر برطانوی تسلط ہندوؤں سے زیادہ مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ تھا ،اس لیے کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا۔جب کہ ہندو پہلے مسلمانوں کے ماتحت تھے اور اب انگریزوں کے ماتحت ہو گئے جس سے انہیں کوئی خاص فرق نہیں پڑا بلکہ انگریزوں کی طرف سے ہندوؤں کو نوازنے اور سرکاری نوکریاں دلوانے سے ہندو کسی درجہ مطمئن ہو گئے اور انگریزوں کے ساتھ مل

کر مسلمانوں کی کردار کشی میں بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔ جب کہ ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنا محض دکھلاوا تھا۔ جیسا کہ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام دراصل انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں ہوا۔

اس دوران کچھ مخلص مسلم قائدین کی جانب سے علاحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ سب سے پہلے سر سید احمد خان نے ہندوؤں کا مشکوک کردار پہچانا اور مسلمانوں کے لیے علاحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔بعد ازاں 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام بھی اسی علاحدہ وطن کے حصول کے لیے جدو جہد کرنا تھا۔ علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں پاکستان کا تصور پیش کیا۔اور قائد اعظم کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ ہندوستان آکر مسلمانوں کی قیادت کریں اور علاحدہ وطن کے لیے جدو جہد کریں۔چناں چہ قائد اعظم نے جب مسلم لیگ کی باگ ڈور سنبھالی تو وہ منظم تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے قیام کا مطالبہ متحدہ ہندوستان میں زور پکڑنے لگا۔

اس تحریک میں جو سب سے زیادہ جان پڑی وہ ان متفرق مکاتبِ فکر کے علما کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت سے پڑی جو متحدہ ہندوستان میں علاحدہ مسلم ریاست کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ چناں چہ ان مکاتبِ فکر نے مشترکہ جدوجہد کے ذریعے ان سازشوں کو ناکام بنایا جو ہندوستان میں مسلم ریاست کی حامی نہیں تھیں۔ بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔ یقیناً اس کا قیام کسی معجزہ سے کم نہیں تھا۔پاکستان کے قیام کے بعد بھی سازشوں کا سلسلہ جاری رہا۔اور پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے حوالے سے متفرق نوعیت کے اشکالات پیدا کیے جاتے رہے۔ ان میں وہ طبقات بھی شامل تھے جو پاکستان میں سیکولر نظامِ حکومت رائج کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ پاکستان اس مقصد کے لیے نہیں بنا کہ اس میں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔انہی کی طرف سے یہ مفروضات سامنے آتے رہے کہ پاکستان کے متفرق فقہی مذاہب میں سے کس مذہب کے مطابق قانون سازی کی جائے گی ؟ انہی سوالات کے تحقیقی جوابات پیش کرنا اس مقالہ کا موضوع ہے۔

موضوعِ تحقیق کا تعارف و اہمیت

موضوعِ تحقیق کا تعلق آئین و قانون سازی سے ہے۔قیام پاکستان کی تاریخ سے اب تک پاکستان سازشوں میں گھرا رہا ہے۔ روزِ اول سے پاکستان میں دو قوتیں باہم بر سرِپیکار رہی ہیں۔اول پاکستان کے قیام کی بنیاد نظریہِ اسلام قرار دیتی ہے اور آئین و قانون کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے کوشاں رہی ہے۔دوسری قوت قیامِ پاکستان کی بنیاد محض مسلمانوں کے معاشی و مادی حقوق کا تحفظ قراردیتی ہے۔اور پاکستان میں سیکولر نظامِ حکومت کے قیام کے لیے مصروفِ عمل رہی ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں غیر

جانبداری سے قیام ِ پاکستان کی تاریخ و حقائق پیش کیے گئے۔اور بانیانِ پاکستان کے اقوال و ارشادات سے قیامِ پاکستان کے مقاصد کا تعین کیا گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد آئین و قانون سازی کے عمل میں مندرجہ بالا قوتوں کے کردار کا جائزہ پیش کیا گیا۔اس کے ساتھ خصوصی طور پر پاکستان کے متفرق مکاتب ِ فکر کے کردار کا جائزہ اور ان کے مابین اختلافات کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کی ممکنہ صورتوں کا جائزہ پیش کیا گیا۔اور اسلامی دفعات میں سقم کو دور کرنے کے لیے مجوزہ دستوری سفارشات پیش کی گئیں،جن کے ذریعے دستورِ پاکستان کو مکمل اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔

مقالہِ تحقیق سے قیام پاکستا ن کے حوالے سے اٹھنے والے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔اور بہت سے عملی پہلووؤں پر کام کرنے کے دروازے کھلیں گے۔ پاکستان اور پوری دنیا میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے متفرق سوالات کے جوابات مل سکیں گے۔اوراس حوالے سے مذکورہ مقالہ ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہے جس میں اب تک کی کاوشوں کا مربوط و منظم کام واضح کیا گیا،جس سے مستقبل میں کام کرنے کے مواقع او ر اہم گوشوں کا اندازہ ہو سکے گا۔ اور اسی نہج پر مستقبل کے لیے نئے کام کی جہتوں کا تعین ہو گا۔

موضوع تحقیق کا فرضیہ

مقالہ کا موضوع ''پاکستان میں متفرق فقہی مذاہب کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی مشکلات اور ان کا حل''ہے۔اس فرضیہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کر کے اس کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی۔ پہلا باب تمہیدی نوعیت کا ہے جس میں قیامِ پاکستان کی سیاسی و مذہبی تاریخ بیان کی گئی کہ برصغیر میں اسلام کا آغاز کب سے ہو ا اور قائد اعظم کے بقول وہیں سے پاکستان کی بنیاد پڑی، جب برصغیر میں پہلا آدمی مسلمان ہوا۔اس کے بعد ہند میں مسلمانوں کی حکمرانی کے بارے میں مختصراً تجزیہ پیش کیا گیا کہ کس طرح ہند میں مسلمانوں کا زوال ہوااور اس کے اسباب کیا تھے۔اس میں ظاہر ہے مسلمانوں کا طرز ِ حکمرانی تھا جس کی وجہ سے مسلمان روبہ زوال ہوئے۔یہاں تک کہ ہند پرانگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔اس دوران احیاء کے لیے کیا کیا کوششیں کی گئی۔اور انہیں کس حد تک کامیابی ملی ان کا جائز ہ پیش کیا۔اور بالآخر قائد اعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔بانی پاکستان کے افکار اور نظریات کے بارے میں ان کی مختلف تقاریر و بیانات کے اقتباسات پیش کیے گئے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواہاں تھے جس میں اللہ کے احکامات کی عملداری ہو اور ایک ماڈل اسلامی ریاست بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کی جائے۔تا کہ وہ احکامِ خداوندی پر عمل کو دورِ

حاضر میں قابل عمل ہونے اور دورِ حاضر کے مصائب و مشکلات سے نجات کا ذریعہ سمجھیں۔

اس تمہید کے بعد فقہ اسلامی کا آغاز و ارتقاء بیان کیا گیا۔مختلف ادوار میں فقہ اسلامی کی تدوین کیسے ہوئی،فقہا کے مابین اختلاف کن وجوہات کی بنا پر تھے،ان کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد اس بات کا جائزہ پیش کیا گیا کہ باقاعدہ فقہی مذاہب کا ظہور کب سے ہوا،اور اس دوران فقہا کرام نے کن اسالیب پر فقہ کی تدوین کی۔مختلف مذاہب کی ترویج کا عمل کیسے ہوا۔اس کے بعد یہ بات بیان کی گئی کی طریق تخریج اور طریق تتبع حدیث کی کیا اہمیت ہے اور ان کے مابین مطابقت کیوں کر پیدا کی جا سکتی ہے۔بعد ازاں پاکستان میں رائج فقہی مذاہب کا مختصر جائزہ پیش کیا ،جس میں فقہ حنفی ،اہل حدیث اور شیعہ شامل ہیں۔

فقہا کے مابین مختلف مسائل میں اختلاف کے ضمن میں یہ بات سامنے آئی کہ ان کے درمیان اختلاف ان مضبوط اصولوں کی بنا پر ہے جو صدر اول سے چلے آ رہے ہیں۔اور یہ اختلافات دینِ اسلام کا حسن ہیں اور علم ِفقہ کی وسعتوں اور زمانے کے ساتھ اس کے امتزاج کا ذریعہ ہیں۔ان اختلافات میں سے بیشتر کا تعلق فروعی نوعیت کا ہے۔ جس میں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔اور بنیادی مسائل اکثر متفق علیہ ہیں۔ دور حاضر میں ہمارا طرز ِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم متفق علیہ مسائل پر زیادہ توجہ دیں اور دعوت و تبلیغ میں انہی کو موضوع بحث بنائیں۔اور جہاں اختلافی آراء ہوں ان میں ہمیں ایک دوسرے کا احترام اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

جہاں تک پاکستان کے فقہی مذاہب کا تعلق ہے،تو فقہ حنفی اور اہل حدیث کے مابین آئین سازی کے بنیادی اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح اہل تشیع کے ساتھ کچھ بنیادی نوعیت کا اختلاف ضرور ہے لیکن یہ اختلاف اسلامی قانون سازی میں کبھی حائل نہیں ہو گا۔اس کی کئی مثالیں ہمیں اسلاف سے بھی ملتی ہیں۔اور عصر رواں میں شریعت ِ اسلامی کی تنفیذ میں ان کے متفقہ لائحہ عمل سے بھی اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے۔

اس کے بعد ۲/فروری ۱۹۷۳ء سے ۱۹/پریل ۱۹۷۳ء تک آئین ِ پاکستان کے لیے بننے والے مسودۂ دستور پر قومی اسمبلی میں ہونے والی مباحث میں متفرق مکاتب ِ فکر کے علما کرام کی جانب سے دی جانی والی تجاویز و ترامیم کا جائزہ پیش کیا ہے۔ بیشتر ترمیمات کا تعلق اسلامی دفعات کے حوالے سے ہے۔ بہر حال یہ علما کرام کی کوششوں کا سنہری باب ہے،اور اس دوران جب کہ حزبِ اقتدار پارٹی کی کو ئی اسلامی سوچ نہیں تھی ،اس کے باوجود کافی حد تک اسلامی دفعات کو دستور میں جگہ دی گئی۔ اگرچہ ان میں سقم ضرور ہے لیکن ان کا اس حالت میں بھی آئین میں موجود ہونا بلا شبہ انہی علما کرام کامرہون منت ہے۔اس سلسلے میں مباحث

آئین کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوگاکہ علما کی طرف سے کسی ترمیم کی تجویز پر تمام دینی جماعتوں سے مشاورت اور ایک متفقہ ترمیم پیش کرنے کے سلسلے میں منظم کام میں فقدان پایا گیا، اگر یہ کام منظم کیا جاتا اور مختلف دفعات میں مجوزہ ترامیم دینی جماعتوں کی جانب سے متفقہ طور پر پیش کی جاتیں تو اس سے بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی تھی۔

بعد ازاں آئینِ پاکستان کی اسلامی دفعات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔اس ضمن میں اسلامی دفعات کا موازنہ وتجزیہ ۱۹۵۱ء میں دینی مسالک کے ۳۱ علما کی طرف سے پیش کردہ ۲۲نکات،۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے دستوری مسودے پر متفقہ ترامیم و تجاویز،۱۹۵۶ءاور ۱۹۶۲ء کے دساتیر اور ۲۰۱۱ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے پیش کردہ ۱۵ متفقہ نکات کے ساتھ موازنہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد آئین پاکستان میں ہونے والی اہم اسلامی ترامیم کا جائزہ پیش کیا گیا۔ مزید یہ کہ ۱۹۷۳ء سے اب تک ملک کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا۔آخر میں بطور مثال انسدادِ ربٰو(سود) کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل ،وفاقی شرعی عدالت ، شریعت اپیلٹ بنچ اور حکومت کے کردار کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا جس سے ان اداروں کے مؤثر ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔جس کا حاصل یہی ہے کہ مختلف ادوار میں آئین ِ پاکستان میں اسلامی دفعات شامل کرنے میں مقتدر حکمرانوں نے اپنے لیے چور دروازے کھلے رکھے ہو ئے ہیں۔خاص طور پر انسدار ربٰو(سود) کے حوالے سے جس طرح کی سفارشات اور فیصلے ان اداروں کی جانب سے کیے گئے بلاشبہ وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔لیکن حکومت نے آئین کی ان دفعات کے سقم سے فائدہ اٹھاتے ہو ئے اس معاملہ کو ابھی تک لٹکا کر رکھا ہوا ہے۔بلاشبہ اگر اسلامی دفعات کے ان سقم کو دور کر لیا جائے تو اسلامائزیشن کے حوالےسے اس کے دیر پا نتائج مرتب ہوں گے۔

مقالہ کے آخر میں آئین و قانون کے مابین فرق واضح کیا گیا ہے۔ اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہم نے مقالہ میں قانون کے کس حصے کو موضوع بحث بنایا ہے۔اس کے بعد قیام پاکستان سے اب تک دستور و قانون سازی میں متفرق مکاتب فکر کا کیا کردار رہا، جس میں خاص طور پر قرارداد مقاصد کی منظوری، ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علما کی جانب سے اسلامی ریاست کے ۲۲ متفقہ رہنما اصول ، ۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے دستورساز کمیٹی کی رپورٹ میں اصلاحات و ترامیم پیش کرنا،۱۹۷۰ء میں ۱۱۸ علما کی طرف سے متفقہ ۲۲نکاتی معاشی اصلاحات کا پیش کرنا، ۱۹۸۳ ءمیں اسلامی نظریاتی کونسل میں متفرق مکاتب فکر کے علما کی جانب سے ۱۹نکاتی رہنما اصول جو اسلامی حکومت میں دستور سازی کے لیے پیش کیے۔اسی طرح ۱۹۹۵ میں ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے متفقہ ۱۷نکات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس کے بعد ۲۰۱۱ء میں متفرق

مکاتب فکر کی جانب سے ۱۹۵۱ء کے ۲۲نکات کی توثیق اور انہی کی تشریح پر مشتمل ۱۵ متفقہ نکات پیش کیے۔۲۰۱۳ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے ''دینی مسالک میں تقارب اور رواداری کا فروغ'' کے لیے ۲۳ علماکی جانب سے۱۸ نکات پر اتفاق کیا گیا۔ جس سے واضح ہوا کہ پاکستان کے مکاتب فکر کے مابین اختلافات کسی موقع پر بھی اسلامی دستورو قانون سازی میں رکاوٹ نہیں بنے۔ اس کے بعد ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا سوالنامہ اور موصول ہونے والے مقالات اور ان کے تجزیے کے نتیجے میں سات متفقہ نکات پیش کیے گئے۔ اور چند مقالہ نگاروں کی آراء کے اقتباسات بھی پیش کیے گئے ہیں۔اس کے فصل دوم میں نتائج البحث پیش کیے گئے ہیں جس میں فقہی اختلافات کے حل اور اسلامی قانون سازی کے حوالے سے متفرق اداروں کے لیے مجوزہ کردار پیش کیا گیا۔ان اداروں میں حکومت ، عوام الناس، ممبران اسمبلی علما، علمائے مدارس دینیہ شامل ہیں۔اس دوران ایک فقہ اکیڈمی کا تصور اور اس کے خدوخال پیش کیے گئے جو اس وقت اداروں کی خلا کو پر کر سکتا ہے۔بعد ازاں پاکستان میں اسلامی قوانین کے منہج پر روشنی ڈالی گئی اور اس سلسلے میں مختلف اہل علم کی آراء کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے بعد متفرق فقہی مذاہب کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کے مجوزہ حل کے لیے شخصی قوانین، ملکی قوانین اور مالیاتی و تجارتی قوانین سے متعلق فقہی مسائل کی چند مثالوں کے ذریعے فقہاء کی آراء کا تجزیہ اور عصر رواں کی قانون سازی کی عملی صورتوں کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ آخر میں دستور پاکستان کے حوالے سے چند ترمیمی سفارشات پیش کی گئی ہیں جو بنیادی طورپر پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ اور آئین ِپاکستان کی دفعات کے تجزیہ کے ضمن میں بعض سقم کے مجوزہ حل کے طور پر سامنے آ ئیں۔ اللہ تعالیٰ اس مساعی کو قبول فرمائے۔ اور پاکستان میں نفاذ ِ اسلام کی رکاوٹوں کو دور فرمائے۔آمین !

منہج تحقیق

اس مقالے میں جو اسلوب تحقیق اختیار کیا گیا ہے وہ اقسام تحقیق میں سے تطھیر فکر سے بھی تعلق رکھتا ہے، جس میں فقہی مذاہب کے اختلافات کی نوعیتوں کا جائزہ لیا پیش کیا گیا۔اور تعمیر نوسے بھی ہے جس میں مستقبل میں فقہی مذاہب کی موجودگی میں قانون سازی کے ممکنہ عملی اقدامات کے لیے تجاویز و سفارشات پیش کی گئی ہیں۔دستور کی اسلامی دفعات پر بہت سی تصانیف موجود ہیں۔لیکن قیام پاکستان کی تحریک اور بعد ازاں قیام ِ پاکستان سے اب تک آئین و دستور سازی میں علما کے کردار، متفرق مکاتب ِ فکر کی جانب سے کی جانے والی مشترکہ کاوشوں کا جائزہ اور ان کے مابین اختلافات کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کی ممکنہ صورتوں کے جائزہ پر راقم کی طرف سے پہلی مرتب کوشش ہے۔ اس مرتب کام کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے،کہ مستقبل میں جب کبھی پاکستان میں نفاذِ اسلام

کی طرف عملی پیش رفت ہو گی تو جو اعتراضات سامنے آئیں گے ،مثلاً پاکستان میں کس فقہی مذہب کے مطابق قانون سازی کی جائے و غیرہ، تو ان کے جوابات میں یہ کام ممد و معاون ثابت ہو گا انشاءاللہ۔اور شعبہ علومِ اسلامیہ کراچی یونی ورسٹی کی طرف سے اہم پیش رفت ثابت ہو گی۔

تحقیق کے مصادر و مآخذ

تحقیقی مقالہ کا تعلق آئین و قانون سازی سے ہے۔اس سلسلے میں علما کرام کے کردار کا جائزہ لینا بھی ناگزیر ہے۔اس لیے مقالہ کے مواد کے لیے ان علما و سکالرز سے رابطہ کیا گیا جو گزشتہ کئی عشروں سے اس کام میں عملی طور پر شریک رہے ہیں انہی کی بدولت سرکاری اداروں سے متعلقہ مواد کا حصول ممکن ہوا۔ مقالہ میں ہر ممکن یہ کوشش کی گئی ہے کہ اصل مآخذ سے رجوع کیا جائے۔اور بحمد اللہ مقالہ کے بنیادی موضوعات میں اصل مآخذ سے ہی رجوع کیا گیا ہے۔ مثلاً ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علما کے بائیس نکات کا حوالہ ۱۹۵۱ء میں ہی چھپنے والے ''ماہنامہ چراغ راہ کراچی''سے لیا گیا ہے۔۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے مسودہ دستور پر متفقہ ترامیم و تجاویز کا حوالہ بھی ۱۹۵۳ء میں چھپنے والے ''ماہنامہ چراغ راہ کراچی ''سے لیا گیا ہے۔ آئین پاکستان کی تدوین میں علما کے کردار کے جائزہ میں قومی اسمبلی میں ہونے والی مباحث جو سرکاری طور پر مطبوعہ ہیں اور قومی اسمبلی کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں، انہی کو محور بنایا گیا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی مطبوعہ سالانہ رپورٹس اور دیگر مطبوعہ رپورٹوں کا حوالہ بھی مقالہ میں شامل کیا گیا۔آئین پاکستان کی دفعات کے لیے ۱۹۷۳ء میں چھپنے والا اردو متن اور ۲۰۱۲ ء میں وزارت قانون و انصاف کی طرف سے چھپنے والے اردو متن کو ہی زیر بحث لایا گیا ہے۔اسی طرح قیام پاکستان کی تاریخ میں قائداعظم کے اقوال و ارشادات کو بنیادی کتب سے لیا گیا ہے۔

ثانوی مآخذ سے اسی وقت رجوع کیا گیا ہے جب بحث کا تعلق ثانوی نوعیت سے ہو اور اس سلسلے میں اصل مآخذ دستیاب نہیں ہو سکے۔

اسلوبِ حوالہ

حوالہ دینے کے لیے راقم نے جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل کی کتاب رسمیاتِ مقالہ نگاری کے اسلوب کی پیروی کی ہے۔یہ کتاب اردو میں تحقیقی مقالہ نگاری کے جدیدتر اور سائنٹیفک اصول کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔اور پاکستان میں ایچ ای سی سے منظور شدہ کئی تحقیقی رسائل میں اسی کتاب میں بیان کردہ اسلوبِ حوالہ کو تجویز کیا جاتا ہے۔ مقالہ کے آخر میں کتابیات میں متعلقہ کتب اور رسائل وغیرہ کی مکمل تفصیلات مروجہ اصولوں کے مطابق دی گئی ہیں۔

یکم محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

عبدالرحمن خان

بمطابق ۰۲/اکتوبر ۲۰۱٦ء ریسرچ سکالر شعبہ علومِ اسلامیہ،جامعہ کراچی

پہلا باب

پہلا باب

قیام پاکستان اور اس کا سیاسی و مذہبی پس منظر

پہلی فصل:برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد

برصغیر میں اسلام کی آمد نبی کریم ﷺ کی بعثت کے چند سال کےبعد ہی ہو گئی تھی جس کے بارے میں اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں :

> ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات زمانۂ ماقبل تاریخ میں بھی قائم تھے۔جب عرب نے اسلام قبول کیا تو عربوں کی نو آبادیاں اس وقت بھی ہندوستانی ساحل پر،کبھی بلا شرکت غیرے،اور کبھی ایرانیوں کے اشتراک سے ، قائم ہو چکی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کے بعد چند سال کے اندر ہی اسلام اس برعظیم میں داخل ہو گیا۔اغلب یہ ہے عربوں کے تبدیلی مذہب کے بعد ہندوستانی ساحل کی یہ عرب نو آبادیاں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مرکز بن گئی ہوں گی۔ چوں کہ اسلام نے زندگی کے متعلق ''عربوں کے ذہنی رجحانات اور عملی طور طریقوں میں ''انقلاب عظیم برپا کر دیا تھا،اس لیے ظاہر ہے کہ عرب تاجروں کا تبدیلِ مذہب ہمسایوں کی توجہ کو جذب کیے بغیر نہ رہ سکا ہو گا۔ یہ تاجر خود بھی اپنے نئے مذہب کے لیے ایسا جوش و خروش رکھتے تھے کہ اس کے بارے میں گفتگو کرنے کا ہر موقع انہوں نے تلاش کیا ہو گا۔[1]

ہندوستان میں رسول اللہ ﷺ کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے۔ بارہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں، پانچ حضرت عثمان،تین حضرت علی ، چار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ایک یزید بن معاویہ کے دور میں آیا۔اسی ہندوستان میں بیالیس تابعین کرام اور اٹھارہ تبع تابعین تشریف لائے۔ [2]

عرب مسلمان تاجر پیشہ تھے۔اور دوردراز علاقوں میں ان کے تجارتی اسفار ہوتے تھے۔ان علاقوں میں اسکندریہ،چین،بحیرہ ٔروم، بحر احمر،خلیج فارس،سومناتھ،بحر ہند،لنکا،مالدیپ وغیرہ مشہور تھے۔ہندوستان اور چین کے درمیان لنکا میں بہت سے عرب تاجر مع اہل خانہ قیام پذیر تھے۔اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت دور دراز علاقوں تک پھیل چکی تھی۔چناں چہ تما م بادشاہ خلیفہ سے اچھے تعلقات کے خواہاں رہتے تھے۔اتفاقاً لنکا میں ایک عرب تاجر کا انتقال ہو گیا۔تو لنکا کے راجہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے تاجر کو مع اہل خانہ کے پورے اعزاز و انعامات کے ساتھ بحری جہاز کے ذریعے،جس میں دیگر حجاج بھی سوار تھے، خلیفہ کی طر ف روانہ کیا۔دیبل کی بندر گاہ کے پاس سندھ کے قزاقوں نے جہاز لوٹ لیا۔اور مسافروں کو قید کر لیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک عورت نے جو قبیلہ یربوع سے تھی، حجاج کو مدد کے لیے پکارا۔جب حجاج کو اس کی خبر ملی تو اس نے اسلامی حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلیفہ سے اصرار کر کے

---

[1]۔قریشی ، اشتیاق حسین ، برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ ، (مترجم : ہلال احمد زبیری)، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی ،کراچی ،۱۹۸۹ء،ص۱

[2]۔بھٹی ،محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش ،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ،،۱۹۹۰ء،ص ۱۹۵،۸۴،۳۱

سندھ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔پہلے اس نے ایک سفارت کا ر کے ذریعے راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ وہ قیدیوں کی رہائی کا انتظام کرے۔تو راجہ داہر نے سفارت کار کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ قزاقوں پر اس کا کنڑول نہیں۔ حجاج نے لشکر تیار کر کے سندھ کی طرف دو مرتبہ مہمات روانہ کیں لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا،بالآخر تیسری مہم میں حجاج نے نوجوان محمد بن قاسم کو سپہ سالار بنا کر بھرپور تیاری کے ساتھ سندھ میں مہم جوئی کے لیے روانہ کیا۔[3]

محمد بن قاسم چھ ہزار سوار لے کر خشکی کے راستے(بمطابق) 711ء کے موسم خزاں میں دیبل پہنچا اور شہر کا محاصرہ شروع کیا۔ کئی روز تک کامیابی نہ ہوئی، لیکن بالآخر العروس نامی ایک بڑی منجنیق کی مدد سے جسے پانچ سو آدمی چلاتے تھے شہر فتح ہو گیا۔ اور محمد بن قاسم نے قلعے پر قبضہ کر کے ان قیدیوں کو رہا کیا جو لنکا کے جہازوں سے گرفتار ہوئے تھے۔ دیبل سے محمد بن قاسم (موجودہ حیدر آباد کے قریب) نیرون گیا جہاں کے حاکم نے بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر سہوان کی باری آئی۔ یہاں کا حاکم راجا داہر کا بھتیجا تھا۔ شہر کے لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے عربوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے بہمن آباد کا رخ کیا اور راد اور بہمن آباد کے مقامات پر راجا داہر اور اس کے بیٹے جے سنگھ کو شکست فاش دی۔ جواں ہمت سپہ سالار پھر ملتان کی طرف بڑھا اور(بمطابق) 713 عیسوی میں یہ تاریخی مقام بھی فتح ہوگیا۔ اس طرح دو سال کے عرصے میں سندھ اور ملتان کا سارا علاقہ عربوں کےزیرِ نگیں آگیا۔[4]

عرب فاتح سندھ محمد بن قاسم کی فیاضی اور حسن سلوک نے سندھ کے لوگوں کے دل جیت لیے اور اس کی عظمت دو چند ہو گئی۔اور یہاں کے لوگ اس سے بہت خوش تھے۔لیکن محمد بن قاسم کی موت ان کے لیے ایک دھچکا ثابت ہوئی ،جس کی وجہ سے ہندوستان میں افراتفری پھیل گئی،ہندو راجاؤں نے دوبارہ سر اٹھا لیا اور کچھ علاقوں کو دوبارہ قبضے میں لے لیا۔ ان راجاؤں میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی شامل تھا۔خلیفہ نے محمد بن قاسم کے بعد حبیب بن مہلب کو نیا والی سندھ مقرر کیا۔جب ۹۹ھ میں خلیفہ کی موت واقع ہوئی اور عمر بن عبدالعزیز بنو امیہ کے نئے خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے مہلب کو معزول کر کے عمر بن مسلم باہلی کو نیا والی سندھ مقرر کیا۔سنہ ۱۰۰ھ میں خلیفہ نے ہندوستا ن کے راجاؤں کے نام خطوط لکھے جس میں انہیں اسلام قبول کر نے کی دعوت دی۔ جس کےنتیجے میں بہت سے راجاؤں نے اسلام قبول کر لیا جس میں راجہ

---

[3]۔ندوی، سید ابو ظفر ، مولانا ، تاریخ سِندھ ،مطبع :معارف اعظم گڈھ ،۱۹۴۷ء، ص ۳۱۔۳۸

[4]۔ اکرام، شیخ محمد ، آبِ کوثر ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ، جون ۲۰۰۲ء،مطبع مکتبہ جدید پریس لاہور،ص ۲۳۔۲۴

داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا۔ مسلمان راجاؤں کو ان کی زیر قبضہ زمینیں برقرار رکھیں۔جب کہ اسلام نہ لانے والوں نے خراج و جزیہ دینا قبول کیا۔[5]

سندھ پر عربوں کی حکمرانی

سندھ تقریباً ۳۹ سال تک اموی دور خلافت کے زیر انتظام رہا۔اس کے بعد بنو عباس کے زیر حکومت آ گیا۔بنو عباس کے دور میں خلیفہ متوکل نے عمر بن عبدالعزیز ہبادی قرشی کو والی سندھ بنایا۔ان کے والی سندھ بننے کے بعد عملاً بنوعباس کی حکمرانی ہندوستان سے ختم ہو گئی۔ مجموعی طور پر عربوں نے ۲۸۳سال تک ہندوستان میں حکومت کی۔ان کا دور سنہری دور کہلاتا ہے۔اس کے بعد یہاں سومرہ خاندان کی حکومت قائم ہوگئی جواسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے باطنی مذہب کی تبلیغ و ترویج کرنا شروع کر دی۔اور مصر کے فاطمیوں کے زیر انتظام الحاد کو فروغ دیا۔[6]

ہند میں مقامی مسلم حکمران

ہندوستان میں عربوں کی قائم کردہ اسلامی حکومت سے لے کر محمود غزنوی تک کوئی بیرونی حملہ نہیں ہوا۔ اس دوران ہندوستان میں مقامی مسلم حکمران اقتدار میں رہے۔لیکن اس دوران انہوں نے حکومت کو مضبوط کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔نتیجتاً مسلمانوں کی حکومت زوال کی طرف بڑھنے لگی۔[7]

> اکبر،جہانگیر ،شاھجہاں اور عالمگیر کا زمانہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا انتہائی عروج تھا۔برصغیر کے ہر گوشے میں مغلوں کا حکم جاری تھا۔مگر ان کی تعمیر میں ایک ایسی خرابی مضمر تھی جس سے سلطنت تباہ ہو گئی۔اس مغل خاندان میں تخت کی وراثت کے لیے اس کے سوا کوئی معین ضابطہ نہیں تھا کہ شہزادوں کے درمیان جنگ ہو اور جو سب پر غالب آئے وہ بادشاہ ہو۔[8]

اورنگ زیب عالمگیر(۱۶۱۸ء۔۱۷۰۷ء) کا عہد حکمرانی نسبتاً بہتر رہا۔ان کے مشہور کارناموں میں 'فتاویٰ ہندیہ ' کا مرتب کروانا بھی تھا۔ جو نظام الدین البلخی کی سربراہی میں علما کی ایک جماعت نے تالیف کیا۔ یہ فقہ حنفی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔اور کتبِ فتاویٰ میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کا زوال

5۔ ندوی ،ص۱۲۴۔۱۲۵

6۔ریاض ،سید حسن ، پاکستان ناگزیر تھا، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ،جامعہ کراچی ،۲۰۱۰ء، ص۴۔۵

7۔ نجیب آبادی ،اکبر شاہ خان ،مولانا ،آئینہ حقیقت نما ، جلداول ،درہمدرد پریس واقع کوچہ چیلان طبع یافت ،ص۹۰

8۔ ریاض ،ص۱۵

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے مسلمان مجموعی طور پر زوال کی طرف بڑھنے لگے اور پھر جنگ پلاسی میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ سے نواب سراج الدولہ کی بنگال میں رٹ قائم نہ رہ سکی۔[9]

مجموعی طور پر مقامی مسلم حکمرانوں کا طرزِ حکمرانی بھی عربوں سے یکسر مختلف رہا۔انہوں نے اسلام کی اشاعت اور دیگر دینی امور کو پس پشت ڈال دیا تھا۔یہ طرز عمل مسلمانوں کے زوال کا باعث بن رہا تھا۔ شاہ ولی اللہ ؒ کو اس کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے اصلاح عمل کے لیے نظام الملک سے درخواست کی۔لیکن اس نے اس طرف توجہ نہ دی اور دکن میں اپنی حکومت کو مضبوط کرنے میں لگ گیا۔اس سے مایوس ہو کر شاہ ولی اللہ نے نجیب الدولہ کو اصلاحِ عمل کی کوشش کرنے کی طرف متوجہ کیا۔اس نے حامی بھر لی مگر اسے بھی مرہٹوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اور بالآخر اس نے مرہٹوں کی شرائط پر ان سے صلح کی۔ اس دوران مرہٹوں نے پنجاب کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور اٹک تک ہندوؤں کی حکومت قائم ہو گئی۔اس کے بعد شاہ ولی اللہ ؒ نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا اور مسلمانوں کی حالتِ زار سے آگاہ کیا۔ ان کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی نے ھندوستان آکر مرہٹوں کو شکست دی اور دہلی میں شاہ عالم کو تخت نشین بنایا۔ لیکن ۱۷۵۷ء میں انگریز کلایو نے سازش کے تحت نواب بنگال کے سپہ سالار میر جعفر کے ساتھ مل کر سراج الدولہ کو شکست دی اور اسے قتل کر دیا۔اس غداری کے عوض میر جعفر کو بنگال کا نواب بنایا گیا اور عملاً تمام اختیارات انگریزوں کے ہاتھوں میں آ گئے۔[10]

انگریزوں کا قبضہ

اس کے بعد آہستہ آہستہ انگریزوں نے پورے ہندوستان پر قبضہ جمانا شروع کیا اور ۱۸۵۷ء تک انگریز پورے ہندوستان پر غالب آگئے۔ اور چوں کہ مسلمان نہتے تھے۔اور شاہ ولی اللہ ؒ کی کاوشیں بھی سود مند ثابت نہ ہوئیں تو اس کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز ؒ نے ہندوستان کو دارلحرب قرار دیا۔ جس کے نتیجے میں ان کے شاگرد اور مرید سید احمد شہید ؒ نے باقاعدہ جہادی تحریک کا آغاز کیا جو 'تحریک شہیدین' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ پہلے پنجاب میں سکھوں کو شکست دے کر اپنا ایک مرکزقائم کیا جائے تا کہ دیگر سرداروں اور مسلمانوں کو ملا کر ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرا لیا جائے۔لیکن اس

---

[9]۔ المجاہد ، شریف ، پروفیسر ،تحریک پاکستان پس منظر و تجزیہ ، قائد اعظم اکادمی کراچی ،۱۹۸۷ء،ص۹

[10]۔ ریاض ،ص۱۶۔۱۸

تحریک کا اختتام بھی بالاکوٹ کے مقام پر سید احمدؒ اور شاہ اسمعیلؒ کی شہادت پر ہوا۔[11]

دوسری فصل :سر سید احمد خان اور نظریہ پاکستان

اس نازک صورت ِ حال میں سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) مسلمانانِ ہند کے لیے نجات دہندہ کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔انہوں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب کیا۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے سکول ، کالج اور پھر علی گڑھ یو نیورسٹی قائم کی تاکہ مسلمان جدید تعلیم حاصل کر سکیں۔سر سید احمد خان کے مطابق اس وقت کے حالات کی نزاکت کے پیش نظر انگریزوں کے مدِ مقابل آنے کے بجائے اپنے آپ کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کر کے خود کو مضبوط کیا جائے۔اسی مقصد کے لیے انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجو کیشنل کانفرنس کے ذریعے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم میں جمع کیا تا کہ ان کے مطالبات کو اس پلیٹ فارم کے ذریعے حکومت ِ وقت تک پہنچایا جا سکے۔ابتداء میں تو سرسید احمد خان کی یہ سوچ تھی کہ مسلمان اور ہندو مل کر انگریزوں کے خلاف جدو جہد کریں، وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مفاہمت کے حامی تھے۔لیکن ۱۸٦۷ء میں ہندوؤں کی طرف سے اردو کے بجائے ہندی کو عدالتی زبان قرار دینے کا مطالبہ پیش کیا گیا۔اس سے سرسید کو دھچکا لگا اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس مختصر دورانیے میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی سامنے آگئی ہے ،تو مستقبل میں بلا شبہ ان کی ریشہ دوانیاں مزید بڑھیں گی۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے لیے جدا گانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔اور ہندوؤں کے ساتھ مشترکہ جدو جہد کو ترک کر دیا۔[12]

اسی لیے سر سید احمد خان نے ١٦مارچ ١٨٨٨ء میں بمقام میرٹھ اپنی مشہور و معروف تقریر میں ایک بار پھر یہ بات واضح کی کہ کانگریس کو مسلمانوں کی طرف سے بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔سید شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں :

> کانگریس کے اجلاس منعقدہ مدراس کے بعد مسٹر بدرالدین طیب جی نے ایک بیان میں کہا کہ انہوں نے کانگریس سے ایک ضابطہ منظور کر ا لیا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس پر مسلمان مندوبین یا ان کی بھاری اکثریت کو اعتراض ہو گا اسے کانگریس میں زیر بحث نہیں لایا جائے گا آگے چل کر اس بیان میں انہوں نے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت کی بے حد ترغیب بھی دی تھی۔ اس مسئلہ پر طیب جی کے بیان پر اظہار خیال کرتے ہوئے سر سید احمد خان نے فرمایا تھا کہ :

---

[11]۔ ریاض ، ص١٩

[12]۔ المجاہد ،ص١٠۔١٢

سب سے پہلے تو مجھے لفظ''مندوب'' پر اعتراض ہے۔ میں اپنے محترم دوست کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ مسلمان جو ہمارے صوبہ سے اور اودھ سے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے مدراس گئے ہیں وہ ''مندوب'' کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ جو مسلمان وہاں گئے تھے انہیں دس مسلمانوں نے بھی منتخب نہیں کیا تھا۔ کانگریس میں بہ اتفاق آراء کسی قرار دار کے منظور ہو جانے سے وہ ایک قومی کانگریس (نیشنل کانگریس) نہیں بن جاتی۔ایک کانگریس صرف اسی وقت ایک نیشنل (قومی) کانگریس بنتی ہے جب قوم کے وہ تمام اغراض و مقاصد جن کی نمائندگی وہ کانگریس کر رہی ہے مشترکہ اور بغیر کسی انتشار کے ہوں۔میرے قابلِ تعظیم دوست یہ تسلیم کرتے ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بعض اغراض و مقاصد متضاد اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔کیا ہم مسلمانوں کو ایک علیحدہ کانگریس تشکیل دینی چاہیے تا کہ ہم ان مقاصد کو حاصل کر سکیں جو ہندوؤں سے مختلف ہیں۔؟ کیا ان دو کانگریسوں کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا چاہیے ؟ ہمارے دوست کو چاہیے کہ وہ خود ہی بڑی دیانتداری اور خلوص نیت سے یہ فیصلہ کریں کہ آیا ایسی قومیں جن کے اغراض و مقاصد ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوں اور متضاد ہوں بس کچھ جزوی اور بہت ہی معمولی چیزیں ایسی ہوں جو آپس میں مشترک کہی جاسکتی ہوں۔کوئی نیشنل کانگریس (قومی کانگریس) کی تشکیل کر سکتی ہیں۔؟[13]

سر سید احمد خان مزید فرماتے ہیں :

انتخابات کا خواہ کوئی سا بھی طریقہ اختیار کیا جائے ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیشہ چار گنا زیادہ رہے گی اور وہی کامیاب ہوں گے۔سارے ملک کی حکومت بنگالیوں اور بنگالی ہی جیسے ہندوؤں کے ہاتھوں میں آجائے گی اور مسلمان بنگالیوں جیسے دوسرے ہندوؤں کے ہاتھوں میں پھنس جائیں گے اور اس طرح مسلمانوں کی حالت بے حد خستہ اور اذیت ناک ہو جائے گی۔[14]

چنانچہ یہ بات واضح ہو گئی کہ سر سید احمد خان پہلے آدمی تھے جنہوں نے کانگریس کے کھیل کو سمجھ لیا تھا اور اس کے اس دعوے کو کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نیابت کرتی ہے انہوں نے مسترد کر دیا تھا۔ سب سے پہلی بار تحریک پاکستان کے سارے بنیادی تصورات انہی کی تقریر میں پائے جاتے ہیں۔مثلاً (1) ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ ایک برصغیر

---

[13]۔ پیرزادہ ، سید شریف الدین ، پاکستان منزل بمنزل،،گلڈ اشاعت گھر کراچی ،1965ء،ص ۴۰۔۴۱

[14]۔ پیرزادہ ،1965ء،ص ۴۱۔۴۲

ہے (2) ہندو اور مسلم ایک نہیں دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں (3) علیحدگی بہر حال لازمی ہے۔[15]
انگریز وں نے ہندوستان کا اقتدار چونکہ مسلمانوں سے لیا تھا۔اور غدرکا الزام بھی مسلمانوں پر تھا اور مزید یہ کہ اگر کوئی بغاوت کر کے اقتدار انگریزوں سے واپس لے سکتا ہے تو وہ مسلمان ہیں۔اور وہ مسلمانوں کو ہی اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔چناں چہ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کانگریس قائم کی تاکہ مسلمانوں کے قومی تشخص کا خاتمہ کیا جا سکے۔

کانگریس (۱۸۸۵ء) کا قیام

کانگریس کا قیام مسٹر ہیوم کی کوششوں کے نتیجے میں ہوا۔انہوں نے اس کی منظوری وائسرائے ہند سے لی اور انگلستا ن جا کر بڑے بڑے انگریزوں سے اس کے قیام کے حوالے سے مشاورت کی۔بالآخر اس کے قیام کا فیصلہ ہو گیا اور اس کا پہلا اجلاس 28دسمبر 1885ء کو بمبئی میں منعقد ہوا۔اس اجلاس میں کانگریس کے اغراض و مقاصد میں لارڈ ربن کے کردار کی مدح بیان کی۔[16]

جس سے بالکل عیاں ہو رہا ہے کہ کانگریس کا قیام انگریزوں کا منصوبہ تھا ،جس کے ذریعے وہ ہندوستان میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔
سید حسن ریاض لکھتے ہیں :

> کانگریس انگریزوں نے پیدا کی،اس کی پرورش بھی انگریزوں نے کی اور عرصہ دراز تک اس کی پرورش انگریزوں نے کی اور عرصہ دراز تک اس کی قیادت بھی انگریز ہی کرتے رہے۔مسٹر ہیوم سکیمیں بناتے تھے اور انگریزوں میں کانگریس کے لیے مقبولیت حاصل کرنا ان کا مستقل وظیفہ تھاسر ولیم ویڈربن دو مرتبہ کانگریس کے سالانہ اجلاسوں کے صدر ہوئے اور برطانوی کانگریس کمیٹی کے وہی مہتمم تھے، جس کے خرچ کے لیے کانگریس دس ہزار سے پچاس ہزار روپے تک ہر سال منظور کرتی تھی۔کانگریس کے چوتھے اجلاس کی صدارت مسٹر ڈیوڈ یول نے کی۔اس کے ساتھ ہی یہ ایک معمول تھا کہ کانگریس کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کے لیے انگلستان سے بااثر انگریز آتے تھے، جو عموماً پا رلیمنٹ کے ممبر ہوتے تھے،۔۔۔ مسٹر بریڈلو کا کا نگریس نے ایسا استقبال کیا تھا کہ کانگریس کے مورخ مسٹر سیتا رامیا نے اس کو شاہانہ استقبال لکھا ہے۔کانگریس برسوں مسٹر گلیڈاسٹون کی سالگرہ مناتی رہی ہر

---

[15]۔ پیرزادہ ،1965ء،ص۴۷
[16]۔ریاض ، ص۳۳

سال اجلاس میں ان کے لیے مبارک باد کا رزولیوشن منظور ہوتا تھا۔[17]

ہندو ؤں کے اس تمام طرز عمل کا مقصد یہ تھا کہ انگریز یہاں پر بھی برطانوی طرز حکومت قائم کریں۔ مرکزی اور صوبائی سطح پر انتخابات ہوں۔ ظاہر ہے اس کا فائدہ ہندوؤں کو ہی پہنچتا چونکہ ہندو اکثریت میں تھے۔اسی طرح ہندو ؤں نے مقابلے میں امتحانات منعقد کرا کر اپنے لیے ملازمتوں کا حصول آسان بنایا۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔اس لیے کہ انگریزوں سے پہلے یہاں پر مسلمان ہی حکمران تھے۔ ہندو انگریزوں کی ماتحتی میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ اس مقصد کے لیے انہیں ہیوم ، ویڈربرن وغیرہ جیسے انگریزوں کی حمایت حاصل تھی۔ اس میں انہوں نے کچھ مسلمانوں کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی تا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ کانگریس پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی نمایندہ ہے۔ جب کہ کانگریس کے قیام کے موقع پر کسی مسلمان سے مشورہ تک نہیں کیا گیا۔[18]

مسلم لیگ(۱۹۰۶ء) کاقیام و پسِ منظر

۱۸۵۶ء میں برصغیر کے مسلمانوں نے سیاسی جدو جہد اور اپنے حقوق کے لیے سب سے پہلے محمڈن ایسوسی ایشن کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔فضل الرحمن اس تنظیم کے صدر اور محمد مظہر سیکرٹری منتخب ہوئے۔اس کے بعد اپریل ۱۸۶۳ء میں نواب عبدالطیف نے محمڈن لٹریری سوسائٹی قائم کی۔۱۸۶۲ء میں انہیں بنگال کی قانون ساز کونسل کا پہلا مسلم رکن منتخب کیا گیا۔ نیشنل انڈین کے جریدے کے مطابق ۱۸۷۷ء میں محمڈن لٹریری سوسائٹی کے پانچ سو مسلمان دانشور رکن تھے۔اسی طرح سر سید احمد خان نے ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ میں برٹش انڈیا ایسوسی ایشن کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔۱۸۷۷ء میں سید امیر علی نے سینٹرل نیشنل ایسوسی ایشن قائم کی۔ جس نے ۱۸۸۲ء میں وائسرائے کو ایک یادداشت پیش کی جس میں ان وجوہات کی طرف توجہ دلائی جو مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی۔۱۸۸۳ء میں علی گڑھ کے مسلم رہنماؤں نے محمڈن پولیٹیکل ایسوسی ایشن قائم کی۔اس کا مقصد بھی مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور ان کی مادی ترقی تھا۔[19]

۲۰۔۲۱/اکتوبر ۱۹۰۱ء کو لکھنؤ میں حامد علی خان کے مکان پر مسلمان رہنماؤں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔جس میں ۲۶ معروف مسلم رہنماؤں نے شرکت کی۔اس اجلاس میں وقار الملک نے مسلمانوں کی حا لت زار بیان کی کہ کس طرح ان کے حقوق دبائے جارہے ہیں مثلاً سرکاری ملازمتوں

---

[17]۔ ریاض،ص۳۳۔۳۴

[18]۔ریاض،ص۳۴

[19]۔پیرزادہ ، سید شریف الدین ، مسلم لیگ کا قیام پسِ منظر اور جدو جہد ، مترجم :شمیم شاہ آبادی ، نظریہ پاکستان فاونڈیشن لاہور، اگست۲۰۰۶ء ،ص۱۶۔۲۰

میں مسلمانوں کی نمائندگی وغیرہ۔اس کے بعد انہوں نے ان مسائل کے حل کے لیے ایک سیاسی جماعت کا نقشہ پیش کیا جو مسلمانوں کو ان مشکلات و مسائل سے نکال سکے۔[20]

اس دوران مسلمانوں کے حالات مزید ابتری کی طرف جا رہے تھے۔ اور تقسیم بنگال کے فیصلے پر ہندوؤں کی مسلم دشمنی کھل کر سامنے آئی ،جس کی و جہ سے مسلمان رہنماؤں کو اپنی سیاسی جماعت کی تشکیل کی اہمیت کا شدت سے احساس ہوا۔

شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں:

> ۳۰ /دسمبر ۱۹۰۶ء کو مسلمان رہنماؤں کا ایک اجتماع وقار الملک کی صدارت میں ہوا۔نواب سلیم اللہ خان کی تحریک پر فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے ایک سیاسی تنظیم قائم کی جائے گی :
> (ا) ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت برطانیہ کے لیے وفاداری کے جذبات کو فروغ دیں اور اس کے اقدامات سے اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے تو اسے رفع کرنا۔
> (ب) ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا اور انہیں آگے بڑھانا اور ان کی ضروریات اور آرزؤوں کو مؤدبانہ انداز میں حکومت کے سامنے پیش کرنا۔
> (ج) ہندوستانی مسلمانوں میں دوسری اقوام کے لیے جارحانہ احساسات کی روک تھام اور لیگ کے دیگر مقاصد کا بلا تعصب اظہار کرنا۔[21]

قائد اعظم اور مسلم لیگ

مسلم لیگ اپنے قیام سے ۱۹۳۳ء تک کوئی منظم عوامی جماعت بن کر ابھر نہیں سکی۔ وہ اس دوران متفرق بحرانوں کا شکار رہی، اور سائمن کمیشن سے تعاون کے سلسلے میں یہ دو گروپوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس دوران علامہ اقبال کے خطوط، اور دیگر مسلم رہنماؤ ں کی درخواست پر محمد علی جناح(۱۸۷۶۔۱۹۴۸ء) نے برطانیہ سے واپس آ کر مسلم لیگ کی بھاگ ڈورسنبھالی۔پہلے پہل محمد علی جناح نے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کی رکنیت حاصل کی تھی۔اور انہی کی کوششوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین میثاق لکھنؤ (۱۹۱۶ء) میں ہوا تھا۔ وہ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔اور مسلم لیگ اور کانگریس کو باہم قریب کرنے میں بھی انہوں نے کردار ادا کیا۔انہی کی کوششوں سے دہلی مسلم تجاویز (۱۹۲۷ء) میں مرتب کی گئیں۔نہرورپورٹ (۱۹۲۸ء) سے قائد اعظم کو دھچکا لگا۔کیوں کہ اس میں مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کو تسلیم نہیں کیا گیا۔اس کے مقابلے میں انہوں نے (۱۹۲۹ء) میں چودہ نکات پیش کیےجنہیں

---

[20]۔ پیرزادہ ، اگست۲۰۰۶ء ص۳۷

[21]۔ پیرزادہ ، اگست۲۰۰۶ء ،ص۶۲۔۶۳

کانگریس نے مسترد کر دیا۔ ان حالات سے مایوس ہو کر قائد اعظم برطانیہ چلے گئے۔ تاہم اس دوران قائد اعظم کے خطوط اور دیگر مسلم زعماء کے مطالبے پر قائد اعظم واپس آگئے۔ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں :

> (قائد اعظم) ۱۹۳۴ء کے اوائل میں وطن واپس آ گئے اور انہیں مارچ ۱۹۳۴ء میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے گروپوں کے مشترکہ اجلاس میں پارٹی کا صدر چن لیا گیا۔مسلم لیگ اس وقت کوئی منظم جماعت نہ تھی۔محمد علی جناح نے ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کر کے پارٹی کی شاخیں قائم کیں اور انہوں نے مسلم لیگ کے خوابیدہ وجود میں نئی روح پھونکنے کے لیے اپنی بہترین صلاحتیں وقف کر دیں۔دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ مسلمانوں کے دل کی دھڑکن بن گئی۔[22]

محمد علی جناح کو قائد اعظم کا لقب

۱۹۳۸ء میں محمد علی جناح کو ''قائد اعظم '' کا لقب ملا۔اس حوالے سے شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں :

> ۱۹۳۸ء قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی میں اہم سال ہے۔اس سال کے آغاز میں''الامان ''دہلی کے مدیر مولانا مظہر الدین مرحوم نے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے مسٹر جناح کے لیے ''قائد اعظم'' کا لقب تجویز کیا۔ جو انتہائی قلیل مدت میں ہر مسلمان گھرانے میں ضرب المثل بن گیا۔ اس وقت کے بعد وہ ''قائد اعظم''کے نام سے یاد کیے جانے لگے، گاندھی جی نے بھی انہیں قائد اعظم کے نام سے خطاب کرنا شروع کر دیا تھا۔12 ،اگست 1947ء کی مجلس دستور ساز نے یہ قرار داد منظور کی کہ مسٹر محمد علی جناح کو تمام دستاویزات اور قانونی کاغذات میں قائد اعظم لکھے۔[23]

قائد اعظم اور علامہ اقبال کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جس میں علامہ اقبال قائد اعظم کو مختلف موضوعات پر خط لکھتے تھے جن میں مسلمانوں کی حالت زار، انگریزوں اور ہندوؤ ں کی سازشوں اور مسلمانانِ ہند کے لیے شمال مغربی حصے میں ایک مسلم ریاست کے قیام کی اہمیت و ضرورت کے عنوانات شامل ہوتے تھے۔۲۸مئی ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم کے نام ایک خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں :

> مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو صد سال سے وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔عام خیال یہ ہے کہ اس غربت کی وجہ ہندو کی ساہو کاری یا سرمایہ داری ہے۔یہ احساس کہ اس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی شریک ہے،ابھی پوری طرح نہیں ابھرا، لیکن آخر کو ایسا ہو کر رہے گا۔جواہر لال نہرو کی بے دین اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر

---

[22]۔ محمود ، صفدر ، ڈاکٹر ،پاکستان تاریخ و سیاست ، جہا نگیر بکس لاہور ، ص۲۴

[23]۔ پیرزادہ ،1965ء،ص۱۹۰

سکے گی۔لہٰذا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج کیا ہے ؟ مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ و ہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کیا کوشش کرتی ہے۔اگر اس امر میں مسلم لیگ نے کوئی وعدہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے۔خوش قسمتی سےاسلامی قانون (شریعت) کے نفاذ میں اس کا حل ہے، اور موجودہ نظریات کی روشنی میں اس میں ترقی کا امکان ہے۔
اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ اگر اس نظامِ قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کے لیے کم از کم حقِ معاش محفوظ ہو جاتا ہے۔لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقا ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔سالہا سال سے میرا یہی عقیدہ رہا ہے--- اسلام کے لیے اشتراکی جمہوریت کو مناسب تبدیلیوں اور اسلام کے اصول شریعت کےساتھ اختیار کر لیناکوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع ہو گا۔[24]

علامہ اقبال(۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) کا تصور پاکستان

علامہ اقبال کو مصورِ پاکستان کہا جاتا ہے۔انہوں نے ہی خطبہ الہٰ آباد میں پاکستان کا نقشہ پیش کیا۔ابتداءً وہ بھی ہندو مسلم اتحاد کے حامی رہے۔شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں :

دوسرے نمایاں مسلم رہنماؤں کی طرح ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی اپنی ابتداء ہندوستانی اتحاد کے نظریے کو اپنا کر کی۔ چنانچہ انہوں نے ’’ترانہ ہند‘‘ لکھا جس میں انہوں نے فکر انگیز انداز میں سر زمین ہند کی شان و شوکت کا قصیدہ پڑھا تھا اور اس الفت اور وابستگی کا اظہار کیا تھا جو ہندو ستان کے لیے پیدا ہونی ضروری ہے اس کے بعد ایک ایک کر کے حالات رونما ہونے لگےجنھوں نے ان کو اپنے نظریات تبدیل کرنے پر نہ صرف مائل کر دیا بلکہ اپنے اس موثر اور عظیم قوت محرکہ کی حامل حرکیت (عمل کی قوت)، امکانی درخشاں مستقبل، اسلام کی اعلیٰ ترین قدروں، قسمت کے پیغام کا دعویٰ اور اس ادعا کی تعبیر و تشریح پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ’’ترانہ ملی ‘‘گانے پر مجبور کر دیے گئے۔[25]

اس کے بعد علامہ اقبال نے تقسیم ہند کے حوالے سے پنجاب ،شمال مغربی صوبہ سرحد اور سندھ کے صوبوں کے ادغام کی ایک تجویز پیش کی۔ لیکن ان کی اس تجویز کو رد کر دیا گیا اور جواباً ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ سامنے آئی جس میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق کو تسلیم نہیں کیا

---

[24]۔ذولفقار،غلام حسین ، ڈاکٹر ، پروفیسر، پاکستان تصور سے حقیقت تک ،بزم قبال ۲۔کلب روڈ لاہور ،ص۔۳۳۔۳۴

[25]۔ پیرزادہ ،1965ء،ص۱۵۴

گیا تھا۔ چنانچہ قائد اعظم نے ۱۹۲۹ ء میں اپنے مشہور چودہ نکات پیش کیے۔
اس کے بعد علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ ء کو الہٰ آباد میں کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ جلسے میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے فرمایا :

مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہند میں مسلم ہند قائم کر دیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرار داد، میرے خیال میں،کلیۃًاسی ارفع خیال سے متاثر ہوئی کہ ایک ہم آہنگ کل اپنے اجزائے ترکیبی کی انفرادیتوں کا گلا گھوٹنے کے بجائے انہیں یہ موقع عطا کرتا ہے کہ ان میں جو امکانات مضمر ہیں انہیں مکمل طور پر بروئے کار لے آئیں۔اور مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ یہ ایوان اس قرارداد میں موجودہ مسلمانوں کے مطالبات کی پر زور انداز میں حمایت کرے گا۔ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے کہیں آگے جاؤں گا۔اور میں چاہوں گا کہ پنجاب،شمال مغربی سرحدی صوبہ،سندھ اور بلوچستان کو ضم کر کے ایک واحد ریاست بنا دیا جائے اور اسے خود مختاری دے دی جائے۔ برطانوی سلطنت کے اندر یا برطانوی سلطنت کے باہر شمال مغربی ہندی مسلمانوں کی ایک مستحکم ریاست کا قیام مسلمانوں کی حتمی تقدیر نظر آتی ہے۔کم ازکم شمال مغربی ہند کی یہ تجویز نہروکمیٹی کے سامنے پیش کی گئی تھی۔انہوں نے اسے اس بنا پر مسترد کر دیا کہ اگر اس تجویز کو روبہ عمل لایا گیا تو جو ریاست بنے گی وہ بڑی بے ڈھب ہوگی۔جہاں تک رقبے کا تعلق ہے یہ بات درست ہے لیکن آبادی کے اعتبار سے مجوزہ ریاست ہند کے بعض صوبوں سے چھوٹی ہوگی۔ انبالہ اور ان چند اضلاع کو نکال کر جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہیں یہ ریاست کم طویل و عریض رہ جاتی اور مسلمانوں کی آبادی بڑھ جاتی۔اس طرح اس علاقے میں یہ مستحکم ریاست غیر مسلم اقلیتوں کو زیادہ موثر تحفظ دے سکتی تھی۔اس تخیل سے ہندوؤ ں یا انگریزوں کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ہند دنیا میں عظیم ترین مسلم ملک ہے۔ملک میں ایک ثقافتی قوت کے اعتبار سے اسلام کی زندگی کا تمام تر انحصار ایک معین علاقے میں مرکزیت پر ہے۔مسلمانانِ ہند کے سب سے زیادہ زندہ حصہ میں مرکزیت جس کی فوجی اور پولیس سروس نے،اس کے باوصف کہ انگریزوں نے ان کے ساتھ برا سلوک روا رکھا،اس ملک میں برطانوی راج کو ممکن بنایا۔اس سے آخر کار نہ صرف ہند کا مسئلہ بلکہ ایشیا کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اس سے ان کے احساس ذمہ داری میں اضافہ ہو گا اور حب الوطنی کا جذبہ گہرا ہو جائے گا۔[26]

---

[26]۔صدیقی، اقبال احمد (مترجم)، علامہ اقبال تقریریں ،تحریریں اور بیانات ، ،اقبال اکیڈمی (لاہور)پاکستان ،طبع دوم ۲۰۱۵ء،ص۲۶-۲۷

علامہ اقبال نے اپنے اس خطبہ میں عمدہ انداز میں دو قومی نظریہ کی وضاحت کی۔اور ہند کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا۔اسی لیے علامہ اقبال کو مصورِ پاکستان کہتے ہیں۔

تیسری فصل :تحریک پاکستان میں علما کا کردار

ہندوستان کی آزادی کی جنگ کے دوران ایک سوال ابھر کر سامنے آیا کہ انگریزوں کے یہاں سے چلے جانے کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین اقتدار کی تقسیم کا کیا فارمولا ہو گا۔ہندو اس سوال کے جواب سے پس و پیش کر رہے تھے۔ اور یہ ظاہر کر رہے تھے کہ پہلے مشترکہ جدوجہد کے ذریعے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے ،بعد میں اقتدار کی تقسیم کے معاملات آپس میں طے کر لیے جائیں گے۔ ہندو مسلمانوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ تھے ،نتیجتاً مسلمان انگریزوں کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کی غلامی میں آ جاتے۔اس دوران کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جس میں اس سوال کا قابل عمل جواب سامنے نہ سکا۔مثلاً ترکی میں خلافت عثمانیہ کے خلاف جنگ میں انگریزوں کی کامیابی نے اس سوال کو مزید پس پشت ڈال کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جدو جہد کے حوالے سے حالات سازگار بنائے گئے۔اور یہ ہندوؤں کی ایک چال بازی تھی جس میں وہ مسلمانوں کی قومیت کو ختم کرنے اور ان سے اپنے اوپر حکمرانی کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھے جو ان کے دلوں میں کوٹ کو ٹ کر بھری ہوئی تھی۔یہ تذبذب کی صورت حال ۱۹۱۸۔۱۹ء سے ۱۹۲۴ء تک جاری رہا۔ ان دوران خلافت عثمانیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ جس کی بقا کے لیے بظاہر ہندو،مسلمانوں کے ساتھ مل کر جدو جہد کر رہے تھے۔اس دوران ہندوؤں کی سازشیں پوری طرح کھل کر سامنے آئیں اور شدھی تحریک،سنگھٹن وغیرہ کی تحریکیں مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے شروع کی گئیں۔[27]

۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک کا زمانہ مسلمانوں کے لیے کا فی مشکلات کا رہا۔اس دوران علما دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ایک گروہ کا خیال ابھی تک یہی تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو مشترکہ طور پر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنی چاہیے، اور انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندوؤں سے معاملات طے کر لیے جائیں گے۔اس لیے کہ ہم ان پر کئی سو سال تک حکومت کر چکے ہیں۔ جب کہ دوسرے گروہ کا خیال یہ تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ کوئی معاہدہ طے پائے بغیر انگریزوں کا یہاں سے چلا جانا، مسلمانوں کا انگریزوں کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کی غلامی میں آنے کے مترادف ہے۔اول الذکر گروہ میں جمعیت علمائے ہند کے سر کردہ

---

[27]۔ ماہنامہ چراغِ راہ کراچی ،نظریہ پاکستان نمبر ،جلد ۱۴،شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹۶۰ء،مرتبہ خورشید احمد ، محمود فاروقی ،پبلشر ، سید کاظم علی ، مطبوعہ : مشہور پریس کراچی ،ص۲۲۹۔۲۳۰

مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقاء تھے، جو کانگریس کے حامی تھے۔ مؤخر الذکر گروہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی شفیع عثمانیؒ سمیت دیگر مسالک کے بیشتر علما نے کانگریس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے لیے جداگانہ مملکت کے حصول کے لیے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔[28]

تحریک پاکستان کے مؤید علما میں سے چند کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے :۔

۱۔مولانا مظہر الدین مالک

تحریک پاکستان کے حامی علما میں مولانا مظہر الدین مالک نمایاں شخصیت رہی ہیں۔آپ دارلعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔شدھی تحریک کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کرنے والوں میں شامل تھے۔انہوں نے جمعیت علمائے ہند،کانپور کی تشکیل میں بھی مرکزی کردار ادا کیا،جو جمعیت علمائے ہند کے مقابلے میں بنائی گئی۔اس لیے کہ جمعیت علمائے ہند کانگریس کو سپورٹ کرتی تھی۔ جب کہ یہ حضرات اس کے مخالف تھے۔اس طرح مسلم لیگ جب عوامی سطح پر ابھرنے لگی تو انہوں نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔بالآخر ان کو ۱۹۳۸ء میں قتل کر دیا گیا۔[29]

۲۔مولانا شبیر احمد عثمانی

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تحریک پاکستان میں کلیدی کردار رہا۔آپ دارالعلوم دیو بند کے جید اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔انہوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا تھا جو مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر چلائی تھی۔ لیکن اس اتحاد کے دوران مظاہروں اور دیگر دوسرے طریقوں میں وہ دینی اقدار کی پامالی کے مخالف تھے۔ انہوں نے ہی جمعیتہ علمائے اسلام کی تشکیل کی اور اس کے پہلے صدر بنے۔مولانا حسین احمد مدنی کے اس فتویٰ کا مدلل جواب دیا، جس میں انہوں نے مسلمانوں کو لیگ میں شامل ہونا ممنوع قرار دیا تھا۔۱۹۴۵ء میں انہوں نے مسلم لیگ کے ایک اجلاس کی صدارت کی اور شرکاء کو آنے والے انتخابات کی اہمیت بتائی کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ برطانیہ کی حمایتی ہے تو وہ کسی پروپیگنڈہ کا شکار ہیں اور تحریک پاکستان کی کوششوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔قیام پاکستان کے بعد وہ دستوریہ پاکستان کے رکن بھی منتخب ہوئے۔بالآخر ۱۳دسمبر ۱۹۴۹ء کو ان کی وفات ہوئی۔[30]

قیام پاکستان کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی دستور پاکستا ن کو اسلامی بنانے کے لیے شب روز کوشاں رہے۔ ان ہی کی کوششوں سے

---

[28]۔ماہنامہ چراغ راہ،کراچی ،نظریہ پاکستان نمبر،ص۲۳۱۔۲۳۲

[29]۔ قریشی ،اشتیاق حسین، ڈاکٹر ،علماء میدان سیاست میں،مترجم :ہلال احمد زبیری ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ،کراچی یونیورسٹی ،جولائی ۱۹۹۴ء،ص۳۳۲

[30]۔ قریشی ،ص۳۳۵۔۳۳۷

۱۲مارچ ۱۹۴۹ء کو قرار دار پاکستان منظور ہوئی۔ جس میں پاکستان کے نظریاتی رخ کو متعین کیا گیا۔ ان کی وفات پر وزیراعظم لیاقت علی خان نے اسمبلی کے اجلاس کے دوران ان کی وفات کو پوری ملت کا نقصان قرار دیا۔اور انہیں زبردست خراج ِ عقیدت پیش کیا۔

۳۔مولانا شرف علی تھانوی

مولا نا اشرف علی تھانوی ؒ نے بھی تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔وہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ کی وجہ سے ایک منجھے ہوئے عالم اور صوفی تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی ؒ جیسے علما ان کے مرید تھے۔ انہوں نے تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا ،جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ اور ان کی رہنمائی میں جدوجہد کرنے کو مثبت نتیجہ خیز نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ ہندوؤں کے ساتھ ایک لمبے عرصے کی دشمنی کے بعد ان سے کسی خیر کی توقع کرنا حماقت ہے۔اور ہندو اسلام کو مٹانے اور بدنام کرنے کی کوششوں میں ہر اول دستے میں شامل ہوتے تھے۔اسی وجہ سے جب دیوبند کی انتظامیہ سے ان کے اختلافات شدید ہوئے تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ جب ان سے تحریک پاکستان میں عملی طور پر شامل ہونے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے اپنا اطمینان کر نے کے بعد پھر مسلم لیگ کی ہر طرح سے حمایت کی۔اور مسلم لیگ کے اجلاسوں کے لیے اُن کے تحریری ارشادات پڑھ کر سنائے گئے کیوں کہ وہ علالت کے باعث ان جلسوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے انتقال پر مسلم لیگ نے اپنے اجلاس ۱۴نومبر ۱۹۴۳ء کو ان کے لیے قرارداد تعزیت منظور کی۔[31]

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ ہندؤوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

> یہ قوم (ہندو) نہا یت احسان فراموش ہے مسلمانوں کو تو اس سے سبق سیکھنا چاہیے کہ انگریزوں کی خدمت کے سلسلے میں جو مسلمانوں کے ساتھ سلوک کیا وہ ظاہر ہے۔ دیکھو غدر سب کے مشورے سے شروع ہو ا جو کچھ بھی ہوا مگر اس پر مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ بڑے بڑے رئیس و نواب ان (ہندؤوں) کی بدولت تختہ دار پر لٹکائے گئے پھر تحریک کانگریس میں مسلمانوں نے حصہ لیا۔ بڑی بڑی قربانیاں دیں اس کا صلہ شدھی کی صورت میں ملا،آئے دن کے واقعات اسی کے شاہد ہیں کہ ہر جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی قلیل دیکھی پریشان کر دیا مگر ان باتوں کے ہوتے ہوئے بھی بعض بد فہم اور بے سمجھ ان کو دوست سمجھ کر ان کی بغلوں میں گھستے ہیں۔[32]

مزید فرماتے ہیں :

---

[31]۔ قریشی ، ص۳۳۳

[32]۔ سعید، احمد ، پروفیسر،مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی، ،مجلس صیانۃ المسلمین لاہور، ۱۹۸۴ء،ص۳۱

کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے۔مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت،ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنا اور ان کو ساتھ ملا کر کام کرنااسلام اور مسلمان دونوں کے لیے نہایت خطرناک ہے۔[33]

اسی طرح ۲۹/محرم الحرام ۱۳۵۷ھ کو مسلم لیگ کے ایک جلسے میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا ایک خط پڑھ کر سنایا گیا جس میں بوجوہ وہ بذات خود شریک نہیں ہو سکے :

گو میں اس وقت بظاہر جلسہ میں شریک نہیں ہوں کیوں کہ علاوہ ضعیف العمری کے اپنے خاص مشاغل ضروریہ دینیہ کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں پاتا کہ مجالس و اجتماعات میں شرکت کر سکوں۔اور یہ بھی واقعہ ہے کہ میں بوجہ ضعفِ قوائے جسمانیہ کے بھی مسلم لیگ میں عملی شرکت سے معذور ہوں۔ مگر میں دل سے آپ کے ساتھ ہوں اور مسلم لیگ کے مقاصد حسنہ سے متفق اور اس کی ترقی و بہبود کے لیے دعا گو ہوں اور تمام مسلمانوں کو عموماً مشورہ دیتا ہوں کہ ہر شخص اپنی ہمت کے موافق مسلم لیگ کی ترقی اور شرعی حیثیت سے اس میں جو کوتاہی ہے اس کی اصلاح کی کو شش کرتا رہے۔[34]

پاکستان کا تخیل (خواب) سب سے پہلے مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے دیکھا، مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مرید عبدالماجد دریا آبادی،مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ سے اپنی پہلی ملاقات کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یاد کر لیجیے کہ ۱۹۲۸ء تھا،اور ایک مخاطب روزنامہ ہمدرد کا ڈائریکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی ملا کر طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا ناگزیر سا تھا،گفتگو آئی،حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں فور ہو کر رہیں،کون کہتا ہے حضرت ''گورنمنٹی '' آدمی ہیں ،لا حول ولا قوۃ جس نے بھی ایسا کہا،جان کر یا بے جانے،بہرحال جھوٹ ہی کہا،یہ تو خالص مسلمانوں کی گفتگو تھی، مسلمان بھی ایسا جوش دینی اور غیرت ملی میں کسی ''خلافتی''سے کم نہیں،پاکستان کا تخیل،خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی بس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اتفاق نہ تھا،لیکن یہ اختلاف تو کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں۔ نفسِ مقصد یعنی حکومت کافرانہ سے گلو خلاصی اور دارالسلام کے

---

[33]۔ سعید،ص۸۹

[34]۔ علوی ،مسعود احسن (مرحوم)، پروفیسر ، ارشاداتِ حکیم الامت ، ،طبع ثانی : جنوری ۱۹۸۳ء، ادارہ اسلامیات لا ہو ر، ص۵۳۱

قیام میں تو حضرت ہم لو گوں سے کچھ پیچھے نہ تھے،عجب نہیں
جو کچھ آگے ہی ہوں۔[35]

۴۔مولانا ظفر احمد تھانوی

مولانا ظفر احمدتھانوی بھی تحریک پاکستان کے نمایاں رہنما تھے۔ انہوں نے بھی تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا، وجوہات وہی تھیں جو مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تھیں۔وہ جمعیتہ علمائے اسلام کے بانیوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی مسلم لیگ کی کھل کر حمایت کی۔وہ کانگریس میں شمولیت کو غیر اسلامی سمجھتے تھے۔اس لیے کہ وہ قیام پاکستان کی مخالف تھی۔اسی طرح سلہٹ جو کانگریس سے وابستہ علما کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔انہوں نے وہاں جا کر درگاہ شاہ جلا ل میں ایک جلسے میں جس میں تقریباً ایک لاکھ افراد شریک تھے،خطاب کیا۔اورمسلم لیگ کے لیے حالات ساز گار بنائے۔قیام پاکستان کے موقع پر خواجہ ناظم الدین کی درخواست پر انہوں نےہی مشرقی بنگال میں پاکستان کا پرچم لہرایا۔[36]

۵۔مفتی محمد شفیع

مفتی محمد شفیع ایک سکہ بند عالم دین تھے۔اور دینی حلقوں میں ان کی حیثیت مسلم تھی۔ وہ دارالعلوم کے صدر مدرس تھے۔ ان کی پوری توجہ درس و تدریس پر تھی اور عملی سیاست سے اپنے آپ کو الگ رکھتے تھے۔ مگر تحریک پاکستان میں انہوں نے حصہ لیا۔اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ ہو لیے۔ ان کے نزدیک تحریک پاکستان کی مخالفت دراصل اسلام کے ساتھ مخالفت تھی۔انہوں نے نظریہ پاکستان کی مکمل حمایت کی۔انہوں نے مغربی سرحد میں استصواب رائے کے موقع پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ عملاً حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد دستور سازی میں بھی ان کا کردار نمایاں رہا۔ان ہی کی کاوشوں سے دستور میں بہت سی اسلامی دفعات شامل ہوئیں۔[37]

٦۔مولانا اکرام خان بنگالی

مشرقی بنگال سے تعلق رکھنے والے مولانا اکرام خان نے بھی تحریک پاکستا ن اور مسلم لیگ کی حمایت کی۔آپ بنگالی اخبارآزاد کے ایڈیٹر تھے۔ اپنے علاقے میں انہوں نے لوگوں کے جذبات مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی طرف راغب کیے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مجلس دستور

35۔ دریا آبادی ،عبدالماجد ،نقوش و اثرات حکیم الامت ، ، مکتبہ مدنیہ اردو بازا ر لاہور، جون ۱۹٦۴ء،ص۲۸

36۔ قریشی ،ص۲۳۷

37۔قریشی ، ص۲۳۸

ساز کے ممبر بھی رہے۔ لیکن بنگال میں قوم پرستی کے حالات سے کافی مایوس تھے۔[38]

۷۔مولانا احمد رضا خان بریلوی

مولانا احمد رضا خانؒ ایک جید عالم تھے۔ ان کے خیال میں بھی ہندو مسلم اتحاد ممکن نہیں تھا۔تحریک خلافت کے موقع پر علی برادران جب ان کے پاس ترک موالات پر دستخط کرانے گئے۔ تو ان کا یہ جواب تھا کہ ہم سیاسی آزادی کے مخالف نہیں لیکن ہندو مسلم اتحاد کے مخالف ہیں۔[39]

۸۔مولانا نعیم الدین مراد آبادی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی مسلک بریلوی سے تعلق رکھنے والے عالم تھے۔احمد رضا خان کے بعد بریلویوں کی زمامِ کار ان کے ہاتھ میں آگئی۔ 1938ء،۱۹۳۹ء میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی کو یقین ہو گیا تھا کہ اب ہندوستا ن میں انگریزوں کا زیادہ عرصہ تک رہنا ممکن نہیں ہے۔تو ان کے جانے کے بعد اقتدار کس کے حصے میں آئے گا تو وہ بھی اس خیال کے حامی ہو گئے کہ مسلم اکثریتی صوبوں کو ملا کر ایک اسلامی ریاست قائم ہو نی چاہیے۔قراردادِ پاکستان کی منظوری کے بعد انہوں نے اپنی جماعت کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان میں عملی طور پر حصہ لینا شروع کیا۔ اور ملک کی مختلف جگہوں میں جا کر قیام پاکستان کے نظریے کی حمایت میں تقریریں کیں۔[40]

۹۔مولانا آزاد سبحانی

مولانا آزاد سبحانی قیام پاکستان کے حامی تھے۔ ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں عید کی نماز پڑھائی۔اور چوں کہ مولانا آزاد کانگریسی تھے اور وہاں ان کی سرگرمیاں بڑھ رہی تھیں تو لوگوں نے ان کی جگہ مولانا آزاد سبحانی کو نماز پڑھانے کے لیے چنا۔چوں کہ وہ نظریہ پاکستان کے حامی تھے۔[41]

۱۰۔مولانا عبدالحمید بدایونی

مولانا عبدالحمید بدایونی بھی تحریک پاکستان کے پرجوش کارکن تھے۔ لیکن جب مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین نظریاتی اختلاف نمایاں ہوا تو وہ مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان آئے اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ساتھ مل کر جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد رکھی۔[42]

---

[38]۔ قریشی ،ص۲۳۸

[39]قریشی ، ۳۳۰

[40]۔قریشی ، ۳۳۱۔۳۳۰

[41]۔ قریشی ،ص۲۳۲۔۲۳۱

[42]۔ قریشی ،ص۲۳۲

اسی طرح مولانا احمد علی، مولانا جمال میاں، مولانا ثناء اللہ، ابن حسن جارچوی اور حافظ کفایت حسین وغیرہ نے بھی تحریک پاکستان کی حمایت میں بھر پور کام کیا۔[43]

۱۱۔مولانا مودودی

مولانا مودودی تقسیمِ ہند کی تحریک میں پیش پیش رہے۔جس کے لیے :

> 1938ء اور 1939ء میں مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جس کے ذریعے کانگریس کو بے نقا ب کیا اور مسلمانوں کو خبردار۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ بیان کی،کانگریس کی لا دینیت کا تمسخر اڑایا اور۔۔۔ہندوستان کے لیے جمہوری طرز حکومت کی غیر موزونیت ثابت کی اس لیےکہ ہندوستانی جمہوریت میں چار ہندو ووٹوں کے مقابلے میں صرف ایک مسلم ووٹ ہو گا۔[44]

مولانا مودودی نے تقسیمِ ہند کے لیے تین تجاویز پیش کیں :

پہلی تجویز یہ تھی کہ ایک بین الاقوا می وفاق بنایا جائے جس کے تحت ہر قوم کو تہذیبی آزادی دی جائے۔تا کہ وہ اپنے اصولوں اور روایات کے مطابق جداگانہ طور پر اپنا نظام حکومت چلا سکیں۔ ریاست کی انتظامی ، دفاعی،تشریعی ہر شعبہ میں متعلقہ قوم کا حصہ اس کی آبادی کے مطابق ہو۔

دوسری تجویز یہ تھی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام کے لیے زمینیں مختص کر دی جائیں۔جہاں وہ آزادانہ طور پر امور حکومت چلا سکیں۔ اسی طرح تقریباً پچیس سال کا عرصہ آبادی کے تبادلے کے لیے رکھ لیا جائے۔اس دوران مقامی حکومتوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دے دی جائے۔اور وفاقی اختیارات کو کم سےکم رکھا جائے۔

تیسری تجویز یہ تھی کہ اگر مندرجہ بالا دونوں تجاویز نا قابل قبول ہوں تو مسلمانوں کی ریاستیں الگ بنائی جائیں اور ان کا وفاق بھی علیحدہ بنایا جائے۔اسی طرح ہندو ریاستیں اور ان کا وفاق الگ بنا یا جائے۔اسی طرح ان وفاقوں کے مابین امور میں تعلقات ہوں مثلاً تجارت اور باہمی تعاون وغیرہ۔[45]

مندرجہ بالا تجاویز میں سے تیسری تجویز دراصل قیام پاکستان کی تجویزتھی۔ جس میں مسلمانوں کے لیے الگ ملک کا مطالبہ،جس میں وہ اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزا رسکیں ،شامل تھا۔اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ انہوں نے قیام پاکستان کے لیے عملی جدو جہد

---

[43]۔ قریشی ،ص۲۳۲

[44]۔ ماہنامہ چراغِ راہ۔ کراچی ،نظریہ پاکستان نمبر ،ص۵۱۰

[45]۔ ماہنامہ چراغِ راہ۔ کراچی ،نظریہ پاکستان نمبر ،صفحہ ۵۱۷

کرنے والی جماعت مسلم لیگ کی حمایت نہیں کی۔تو بنیادی طور پر وہ لیگ کے قائدین کی دینداری سے مطمئن نہیں تھے۔ اس لیے کہ مولانا مودودی کے نزدیک مسلمانوں کے لیے جداگانہ ریاست کے حصول کا مقصد اس ملک میں شریعت کا نفاذ تھا۔ اور اس کی عملی تطبیق کے حوالے سے وہ مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈروں سے مطمئن نہیں تھے۔ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں :

> ان (مولانا مودوی) کو مسلمانوں کی نسبت اسلام سے زیادہ دلچسپی تھی۔کیوں کہ مسلمان اس لیے مسلمان نہیں تھے کہ وہ ایک ملی یا ایک قومی وجود سے تعلق رکھتے ہوں بلکہ اس لیے مسلمان تھے کہ ان کا عقیدہ اسلام پر تھا۔اس لیے ان کے ذہن میں اولین ترجیح اس بات کو حاصل تھی کہ اسلام کے ساتھ مسلم وفاداری کو تقویت پہنچائی جائے۔یہ کام مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہی انجام دے سکتی تھی جو خلوص قلب کے ساتھ اسلام پر ایمان رکھتی ہو او ر اس سے محض زبانی ہمدردی نہ کرتی ہو۔اور محض عقیدہ اس وقت تک غیر مؤثر تھا جب تک کہ اس کے نتیجے میں انفرادی اور معاشرتی اور اجتماعی عمل پیدا نہ ہو۔اس قسم کی کوئی جماعت موجود نہیں تھی اور اسے پیدا کر نے کی ضرورت تھی۔ وہ صرف اسی طرح وجود میں لائی جا سکتی تھی کہ اسلام کو محض ایک ادارتی نظام میں جکڑے ہوئے روایتی مذہب کے طور پر نہیں بلکہ ایک حرکی تحریک کے طور پر پیش کیا جائے۔اسی لیے انہوں نے جماعت اسلامی قائم کی۔انھوں نے مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی مگر وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس نے اپنے دائرے میں ایسے غیر متجانس عناصر کو جگہ دے رکھی ہے جس میں اشتمالی،لا دینیت پسند،مسلم قوم پرست،اسلام پر عقیدہ رکھنے والے اور نہ رکھنے والے،عامل مسلمان اور وہ لوگ جو عقیدہ تو رکھتے ہیں مگر یہ عقیدہ شاید ہی کبھی تجربہ یا عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو،سب کے سب شامل ہیں۔[46]

چوتھی فصل :آزاد ریاستیں اور پاکستان

جس وقت تقسیم ہند کی تحریکیں چل رہی تھیں اس وقت انگریزوں کی ہر جگہ حکومتیں نہیں تھیں۔اس وقت کئی آزاد ریاستیں تھیں جن کے وڈیروں کے ساتھ انگریز حکومت کا معاہدہ تھا کہ وہ ریاستیں مرکزی معاملات میں انگریز حکومت کے ساتھ ہوں گی جب کہ اندرونی معاملات میں وہ آزاد رہیں گی،گویا یہ نیم آزاد ریاستیں کہلاتی تھیں ان ریاستوں میں قلات، خیرپور سندھ،سوات،دیر اور آمبھ وغیرہ مشہور تھیں۔

---

[46]۔ قریشی ،ص۳۲۳

تقسیم ہند کے دوران یہ فارمولہ طے کیا گیا کہ ان آزاد ریاستوں کے سربراہان پاکستان یا ہندوستان میں سے جس کے ساتھ الحاق کریں گے ان کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔
ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں :

> پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں کی طرف سے تقسیم کی تجویز کی حمایت کے بعد باﺅنڈری کمیشن نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا۔تقسیم کے طے شدہ اصولوں کے مطابق پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریت والے تمام اضلاع کو پاکستان کا حصہ بننا تھا مگر پاکستان کی حدود متعین کرتے ہوئے کمیشن نے انصاف و دیانت کے تما م تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔امرتسر اور جالندھر جیسے مسلم لیگ کے اضلاع کو بھارت کے حوالے کر دیا گیا تا کہ اسے کشمیر تک راستہ میسر آسکے۔کشمیر پر بھارت نے زبر دستی قبضہ کر لیا حالانکہ یہ مسلم اکثریتی ریاست تھی۔اسی طرح حید رآباد اور جونا گڑھ کی ریاستوں کی طرف سے پاکستان کے ساتھ الحاق کے اعلان کے باوجود بھارتی فوجوں نے ان پر زبردستی قبضہ کر لیا۔سندھ اسمبلی نے پاکستان کی حمایت میں فیصلہ دیا اسی طرح سہلٹ اور سرحد کا فیصلہ بھی پاکستان کے حق میں تھا۔[47]

کشمیر کے راجہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا جب کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، پاکستان نے وہاں چڑھائی کی لیکن انڈیا کی مکاری کی وجہ سے قائد اعظم نے اقوام متحدہ کی مداخلت سے سیز فائر کر دی حالانکہ تجزیہ نگاروں کے مطابق دو دن کی جنگ کے دوران پاکستان پورے کشمیر پر قبضہ کر سکتا تھا۔قائد اعظم کی یہ بڑی غلطی شمار کی جاتی ہے۔

وہ آزاد ریاستیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور سربراہ ریاست بھی مسلمان تھا ان ریاستوں میں اندرونی طور پر شریعت کا نظام نافذ تھا ،انہوں نے حکومت ِ پاکستان کے ساتھ معاہدہ کیا کہ ہمارا عدالتی نظام ،جو کہ شریعت کے مطابق ہے، اس کو نہیں چھیڑا جائے گا ،گویا ہم اندورونی طور پر آزاد اور مرکزی معاملات میں حکومت پاکستان کے ساتھ ہوں گے۔ اس معاہد ہ کے تحت قلات، خیر پور سندھ، بہاولپور، سوات،دیر اور آمبہ ریاستوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا۔سوات کے بارے میں ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں :

> 1926ء میں ہندوستان کی سابق انگریزی حکومت نے سوات کو ریاست،میاں گل عبدالودود کو حکمران ریاست اور میاں گل جہاں زیب کو ولی عہد تسلیم کیا۔1947ء میں مملکت پاکستان قائم ہوتے ہی پاکستانی ریاستوں میں سب سے پہلے حکمران سوات نے پاکستان کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان کیا۔12دسمبر 1949 کو بادشاہ

---

[47]۔ محمود ، ص۳۷

صاحب میاں گل عبد الودود نے رضاکارانہ طور پر اپنے ولی عہد کے حق میں حکومت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔نئے میجر جنرل محمد عبد الحق جہاں زیب خان نے بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چل کر ریاست کے استحکام اور اس کی ترقی کے لیے بڑی تندہی اور مستعدی سے کام کیا اور جدید ترقیاتی منصوبوں کو بروئے کار لا کر ریاست کی تعمیر و ارتقاء میں چار چاند لگائے۔بالآخر پاکستان میں بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور نئے مقتضیات کی بنا پر حکومت پاکستان نے ۲۸جولائی ۱۹۶۹ء کو اپنے ایک اعلان کے ذریعے ریاست کا ادغام کر دیا اور مالا کنڈ ڈویژن میں چترال اور دیر کی طرح سوات کو بھی ایک ضلع قرار دے دیا گیا۔[48]

اسی طرح ریاست بہاولپور نے بھی جو کہ آزاد ریاست تھی،پاکستان کے ساتھ الحاق کیا۔'' ریاست بہاولپور کا جداگانہ سیاسی وجود ۱۹۵۵ء میں ختم ہو گیا جب کہ اسے مغربی پاکستان میں مدغم کر لیا گیا۔''[49]

ان آزاد ریاستوں مثلاً سوات، دیر وغیرہ میں جو حکومت کے خلاف شورش پائی جاتی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی شرائط کی پاسداری نہ کی گئی ہو جس کے مطابق ان کے عدالتی نظام میں مرکز کی مداخلت نہیں ہو گی۔

پانچویں فصل :بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا نظریہ ِ پاکستان

قائد اعظم پاکستان کے بانی کہلاتے ہیں۔۱۹۳۴ء میں انہوں نے مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی۔اور شب و روز محنت کے نتیجے میں ۱۴اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستا ن معرض وجود میں آیا۔اب ہم بانی پاکستان کے افکار و نظریات کا مطالعہ کریں گے کہ انہوں نے کس مقصد کے لیے مسلمانوں کو یہ ملک حاصل کر کے دیا۔ کیا اس کا مقصد صرف مسلمانوں کے لیے علاحدہ ملک کا قیام تھا،جس سے وہ اپنے سیاسی اور معاشی فوائد حاصل کرتے یا اس مملکت کے قیام کا مقصد مسلمانوں کے لیے ایسا خطہ زمین جس میں دینِ اسلام کا عملی انطباق ہو اور اللہ کے احکامات پر مبنی نظام حکومت و ریاست قائم ہو تا کہ اقوامِ عالم کو خدائی نظامِ حکومت و سیاست کی فیوض و برکات کا ادراک ہو سکے۔ذیل میں ہم قائد اعظم کے متفرق مواقع پر کی جانی والی تقاریر و بیانات کے اقتباسات پیش کریں گےجس سے ان کے افکار و نظریات کا بخونی اندازہ کیا جا سکتا ہے :

---

[48]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،جلد ۱۱، ناشر دانش گاہ پنجاب لاہور ،پنجاب یونی ورسٹی لاہور،طبع اول ۱۹۷۵ء ، ص۳۲۰

[49]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، مئی ۱۹۸۵ء، بار دوم ، جلد ۵، ص۱۱۹

٦/جنوری ١٩٣٨ء کو کلکتہ میں قائد اعظم نے مومن انصار جماعت کے سپاسنامے کے جواب میں خطاب کیاجس کو اس طرح رپورٹ کیا گیا :

کہ انہوں نے لندن اس لیے چھوڑا اور زندگی کا موجودہ سخت دشوار اور جانکاہ راستہ اس لیے اختیار کیا کہ ان کے ذہن میں اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ہند کے مسلم فرقے اور اسلام جس کا ایک رکن ہونے میں انہیں فخر حاصل ہے کے سیاسی مستقبل کو انتشار کا خطرہ لاحق ہے کیوں کہ ہندوستان میں اس کی ایک جرأت مند اور صحیح قیادت اور تنظیم کا کلیۃً فقدان ہے۔کافی غور و خوض اور تجربے کے بعد وہ اس سوچے سمجھے نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر مسلمانانِ ہند اور ان کے جملہ طبقے اور گروہ ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوئے تو ہند میں غلامی اور محکومی ان کا مقدر ہوگی۔مسلمانوں کی آواز کے پیچھے تنظیم کی قوت و طاقت ہونی چاہیے۔ورنہ ان کی آواز صحرا کی صدا کے علاوہ کچھ نہ ہو گی... جب رسول مقبولﷺ نے اپنے دین کی تبلیغ شروع کی تو دنیا بھر میں ایک اقلیت میں تھے لیکن قرآن مجید کی اعانت سے انہوں نے ساری کائنات کو چیلنج کیا اور مختصر ترین مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر دیا۔ اگر مسلمان یقین کی وہ قوت ،تنظیم،نظم و ضبط اور ایثار کی وہ طاقت حاصل کر لیں تو انہیں ساری دنیا کی معاندانہ قوتوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔انہیں چاہیے کہ وہ اپنی سہل نگاری کو جھٹک دیں،شکست خوردہ ذہنیت اور مایوسی سے نجات حاصل کر لیں۔ وہ اپنا یقین دوبارہ حاصل کر لیں ، اپنی روحوں کو دوبارہ تسخیر کر لیں۔اور ہند میں اپنی تاریخ پھر رقم کریں۔[50]

١٢/اپریل ١٩٣٨ء کو کلکتہ میں قائد اعظم نے علامہ اقبال کی وفات پر تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے انتقال پر ملال کی خبر نے عالم ِ اسلام کو رنج و الم میں مبتلا کر دیا ہے۔ بلا شبہ وہ عظیم ترین شعراء، فلسفیوں اور بنی نوع انسان کے صاحبا ن ِ بصیرت میں سے ایک تھے۔انہوں نے ملک کی سیاست اور عالم ِ اسلام کی دانش و بینش اور ثقافتی تعمیر نو میں ایک ممتاز کردار ادا کیا۔ میرے لیے تو وہ ایک ذاتی دوست فلسفی اور رہنما تھے اسی طرح میرے لیے وجدانی اور روحانی تائید کا ایک بڑا منبع تھے۔ وہ صاحبِ فراش تھے لیکن یہ وہی تھے جو پنجاب مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے پنجاب کے

---

[50]۔ صدیقی ،اقبال احمد(مترجم) ، قائد اعظم :تقاریر و بیانات ،جلد دوم،بزمِ اقبال ، لاہور ، نومبر ١٩٩٨ء،ص١٩٩۔٢٠٠

تاریک ترین ایام میں تن تنہا ایک چٹان کی طرح مسلم لیگ کے پرچم کے ساتھ ڈٹ گئے اور ساری دنیا کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائے۔[51]

۱۳/نومبر ۱۹۳۹ء کو بمبئی میں قائد اعظم نے عید کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو میں نشری تقریر میں فرمایا :

قرآن مجید میں انسان کو درحقیقت خلیفۃ اللہ کا نام دیا گیا اگر انسان کی اس تعریف کی کوئی اہمیت ہے تو یہ ہم پر اتباع قرآن کا فریضہ عائد کرتی ہے، کہ ہم دوسروں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھیں جو اللہ اپنی مخلوق بنی نوع انسان کے ساتھ رکھتا ہے۔[52]

۲۵/مارچ ۱۹۴۰ءکو قائد اعظم نے یومِ اقبال کی صدارتی تقریر میں فرمایا:

اگر میں اس وقت تک زندہ رہا کہ ہند میں مسلم ریاست کا حصول دیکھ سکوں اور اس وقت مجھے کلامِ اقبال اور مسلم ریاست کی فرماں روائی پیش کی گئی کہ دونوں میں سے ایک چن لوں تو میں بلا تامل اول الذکر کا انتخاب کروں گا۔[53]

۲۷/دسمبر ۱۹۴۰ء کو احمد آباد میں قائد اعظم نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

پاکستان دونوں اکثریتی قوموں کے لیے حصول آزادی کا جلد ترین راستہ ہے۔ مسلمانوں کو یہ خوف دامن گیر نہیں ہونا چاہیے کہ ہندو اکثریت کے صوبے انہیں کچل دیں گےہمیں اقلیتی میں اپنی تقدیر کا سامنا کرنا چاہیے لیکن مسلم اکثریتی صوبوں کو آزاد کرا دینا چاہیے تا کہ وہ اپنی زندگی بسر کر سکیں آزاد ریاستوں میں اسلامی قوانین کے مطابق اپنی حکومت بنا سکیں۔[54]

۱۰/مارچ ۱۹۴۱ء کو قائد اعظم نے مسلم یونیورسٹی یو نین علی گڑھ میں خطاب کے دوران فرمایا :

پاکستان نہ صرف ایک قابل حصول منزل ہے بلکہ واحد منزل ہے اگر آپ اس ملک میں اسلام کو مکمل تباہی سے بچانا چاہتے ہیں۔ ابھی ہماری منزل بہت دور ہے لیکن ہمیں اسے لینا ہے۔[55]

۱۴/اپریل ۱۹۴۳ءکو قائد اعظم نے صوبہ سرحد مسلم اسٹو ڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں فرمایا :

ہماری رہنمائی اور بصیرت کے لیے عظیم ترین پیغام تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود کو

---

[51]۔ صدیقی ، نومبر ۱۹۹۸ء، ص۲۲۹

[52]۔ صدیقی ، نومبر ۱۹۹۸ء،ص۳۲۳

[53]۔ صدیقی ، نومبر ۱۹۹۸ء،ص۳۷۵

[54]۔ صدیقی ، نومبر ۱۹۹۸ء،ص۴۳۵

[55]۔ صدیقی ، نومبر ۱۹۹۸ء، ۴۶۰

پہچانیں اور ان عظیم صفات ، خوبیوں اور قوتوں کو بھی جن کے ہم حامل ہیں۔[56]

۲۶/دسمبر ۱۹۴۳ء کو کراچی میں قائد اعظم نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کر تے ہوئے فرمایا :

وہ چیز جس نے مسلمانوں کو متحد رکھا ہے اور جو اس قوم کی اساس ہے وہ اسلام ہے۔عظیم صحیفہ قرآن ہمارے عقیدے کی بنیاد ہے۔مجھے امید ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ یکجہتی ہوتی جائے گی کیوں کہ ہم ایک خدا، ایک رسول ﷺ ، ایک کتاب ، ایک قبلہ ،اور ایک ملت پر یقین رکھتے ہیں۔[57]

۸/مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ میں قائد اعظم نے ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کے ظہرانے میں اپنی تقریر میں نظریہ پاکستان کی تاریخ بیان کرتے ہو ئے فرمایا :

مسلمانوں کے ہند میں اپنی حکومت قائم کرنے سے بہت پہلے جس دن ہند میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا اسی لمحے پاکستان کا آغاز ہو گیا۔ جونہی ایک ہندو نے اسلام قبول کیا اسے نہ صرف مذہبی اعتبار سے بلکہ معاشرتی،ثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی مردود قرار دے دیا گیا۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا اسلام نے اس پر فرض عائد کر دیا کہ وہ اپنی شناخت اور انفرادیت کو کسی اجنبی معاشرے میں ضم نہ کرے۔ زمانہ قدیم سے عہد بہ عہد ہندو،ہندو رہے اور مسلمان، مسلمان۔ اور انہوں نے اپنی شخصیتوں کو ایک دوسرے میں ضم نہیں کیا، یہ ہے بنیاد پاکستان کی۔[58]

(اسی طرح)یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ فوجی افسروں کے اجتماع میں ان سے دریافت کیا گیا کہ پاکستان کا مصنف کون تھا۔مسٹر جناح کا جواب تھا ہر مسلمان۔[59]

۵/نومبر۱۹۴۴ء کو نئی دہلی میں قائد اعظم نے مسلم لیگ کی منصوبہ بندی کمیٹی سے خطاب کر تے ہوئے فرمایا :

یہ ہمارا مقصد نہیں کہ امیر اور زیادہ امیر ہو جائے اور چند افراد کے ہاتھوں میں ارتکازِ دولت کا عمل تیز سے تیز تر ہو جائے۔ عوام کا معیا ر زندگی عام طور پر بلند ہو اور میں توقع کرتا ہوں کہ آپ کی کمیٹی اس ضروری سوال پر پوری توجہ دے گی۔ ہمارا مطمح نظر سرمایہ دارا نہ نہیں، بلکہ

---

[56]۔ صدیقی ،اقبال احمد(مترجم) ، قائد اعظم :تقاریر و بیانات ،جلد سوم ،بزمِ اقبال ، لاہور ، اپریل ۱۹۹۸ء،ص۱۴۴

[57]۔فرمودات ِ قائد ،قائد اعظم اکیڈمی ،۲۰۰۶ء،ص۷

[58]۔ صدیقی ، اپریل ۱۹۹۸ء ،ص۲۶۵

[59]۔ صدیقی ، اپریل ۱۹۹۸ء ،ص۲۶۵

اسلامی ہونا چاہیے من حیث المجموع عوام کے مفادات اور ان کی فلاح و بہبود ہمہ وقت ذہن میں رہنی چاہیے۔[60]

۸/ستمبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے مسلمانانِ ہند کے نام عید کے موقع پر پیغام دیتے ہوئے کہا :

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام صرف مذہبی اور اخلاقی امور تک محدود نہیں ہیں۔ گبن کے بقول ''اطلانتک سے گنگا'' تک قرآن کو ایک بنیادی ضابطے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے،نہ صرف دینیات کے اعتبار سے بلکہ سول اور فوجداری ضابطوں اور ایسے قوانین کے لحاظ سے جو بنی نو ع انسان کے افعال اور املاک پر اللہ تعالیٰ کے غیر مبدل قوانین کے طور پر محیط ہے۔جہلا کے سوا ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کا عام ضابطہ حیات ہے۔ایک دینی ،معاشرتی،سول، تجارتی،فوجی، عدالتی، فوجداری ضابطہ ہے۔رسوم مذہب ہی سے متعلق نہیں بلکہ روزانہ کی زندگی سے متعلق بھی، روح کی نجات سے لے کر جسمانی صحت تک، حقوق العباد سے لے کر فردِ واحد کے حقوق تک، اخلاقیا ت سے لے کر جرائم تک ہمارے رسول اللہ ﷺ نے لازمی قرار دیا کہ ہر مسلمان کے پاس قرآن ِ کریم کا ایک نسخہ ہونا چاہیے تا کہ وہ اپنی رہنمائی خود کر سکے۔لہٰذا اسلام محض روحانی عقائد، نظریات اور رسم و رواج کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور پورے مسلم معاشرے پر محیط ہے، زندگی کے ہر شعبے میں من حیث المجموع اور انفرادی طور پر جاری و ساری ہے۔[61]

۱۷/جنوری ۱۹۴۶ء کو لاہور میں قائد اعظم نے خواتین کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

ہم چاہتے ہیں کہ بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ، بنگال اور آسام پر جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مسلمانوں کی حکومت ہو۔انہوں نے کہا :اگر ہم [قیام] پاکستا ن کی جدو جہد میں کامیاب نہیں ہوتے تو ہند سے مسلمانوں اور اسلام کا نام و نشان حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔[62]

۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے مجلس دستور ساز پاکستان کے پہلے صدر منتخب ہونے پر تقریر کے دوران اقلیتی برادری سے مخاطب ہو کر فرمایا :

---

[60]۔ صدیقی ، اپریل ۱۹۹۸ء ،ص۲۹۶۔۲۹۷

[61]۔ صدیقی ، اپریل ۱۹۹۸ء ،ص۳۷۴

[62]۔ صدیقی ،اقبال احمد(مترجم) ، قائد اعظم :تقاریر و بیانات ،جلد چہارم ،بزمِ اقبال ، لاہور ،۱۹۹۸ء،ص۲۶۔۲۷

> اس مملکت پاکستان میں آپ آزاد ہیں : اپنے مندروں میں جائیں،اپنی مساجد میں جائیں یا کسی اور عبادت گاہ میں۔آپ کا کسی مذہب،ذات پات یا عقیدے سے تعلق ہو کاروبار مملکت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ جیسا کہ آپ کو تاریخ کے حوالے سے یہ علم ہو گا کہ انگلستان میں کچھ عرصہ قبل حالات اس سے بھی ابتر تھے جیسے کہ آج ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے ایک دوسرے پر ظلم ڈھائے۔آج بھی ایسے ممالک موجود ہیں جہاں ایک مخصوص فرقے سے امتیاز برتا جاتا ہے اور ان پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ ہم نے ایسے حالات میں سفر کا آغاز نہیں کیا ہے۔ہم اس زمانے میں ابتداء کر رہے ہیں جب اس طرح کی تفریق روا نہیں رکھی جاتی۔ دو فرقوں کے مابین کوئی امتیاز نہیں۔ مختلف ذاتوں اور عقائد میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ ابتداء کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور ایک مملکت کے یکساں شہری ہیں۔[63]

مزید فرمایا :

> اب ہمیں اس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو، ہندو رہے گا۔نہ مسلمان، مسلمان، مسلمان مذہبی اعتبار سے نہیں، کیوں کہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے،بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔[64]

اس تقریر کے دوران قائد اعظم نے خاص طور پر اقلیتوں کے احساس محرومی ختم کرنے اور انہیں اس ملک کے یکساں شہری ہونے،اور ان کے حقوق کے مکمل تحفظ کا یقین دلایا۔ اس لیے کہ دینِ اسلام میں مملکت کے بنیادی فرائض میں سے ہے کہ وہ اقلیتوں کی جان، مال ،عزت و آبرو اور ان کی عبادت گاہوں کی مکمل حفاظت کرے اور انہیں اپنے عقائد و مذہب کے مطابق آزادانہ طور پر اپنے مراسم عبودیت ادا کرنے کے آزادانہ مواقع فراہم کیے جائیں۔

قائد اعظم کی تقریر کے اس حصے '' اس مملکت پاکستان میں آپ آزاد ہیں : اپنے مندروں میں جائیں،اپنی مساجد میں جائیں یا کسی اور عبادت گاہ میں۔آپ کا کسی مذہب،ذات پات یا عقیدے سے تعلق ہو کاروبار مملکت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔''اور '' جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو، ہندو رہے گا۔نہ مسلمان، مسلمان، مسلمان مذہبی اعتبار سے نہیں ،کیوں کہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے،بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت ہے،''سے بعض سیکولر عناصر یہ غلط فہمی پیدا

---

[63]۔ صدیقی،۱۹۹۸ء،ص۳۵۹

[64]۔ صدیقی،۱۹۹۸ء،ص۳۶۰

کرنے کی کوششوں میں مصروفِ عمل ہیں کہ کہ بانی پاکستان اس ملک کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ جس میں ریاست و حکومت میں تو اسلام کی کوئی عمل داری نہیں ہو گی۔ ہاں انفرادی اعتبار سے جو کوئی اپنے مذہب کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرے ،ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ حالانکہ تقریر کے اس حصے سے اس کا دوردور تک یہ مفہوم نہیں بنتا۔ اگر سیاق و سباق کے اعتبار سے دیکھا جائے۔ تو یہ پاکستان بننے سے تین روز قبل کی فی البدیہ تقریر تھی، جو انہوں نے دستوریہ کے سامنے اقلیتی برادری کے خدشات و خطرات کے پیش نظر کی۔اس تقریر کا مقصد اقلیتی برادری کے اس زعم کا ازالہ تھا کہ جب یہ مسلمانوں کا ملک بن گیا تو ہمارے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا۔ قائداعظم نےاس موقع پر انہیں ان کے وہی حقوق گنوائے جو کہ دینِ اسلام نے اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو دیے ہیں۔ اور اس تقریر کے سیاق و سباق سے بھی اس پہلو کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو قائد اعظم نے دستوریہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے انہیں دستوریہ کا صدر منتخب کیا۔ بعدازاں انہوں نے دستوریہ کے فرائض کی طرف نشاندہی کی کہ دستوریہ کا کام مملکت خداداِ پاکستان کے لیے نیا دستور مرتب کر نا ہے۔ اور وفاقی قانون ساز ادارے کو آزاد اور خود مختار بنانا ہے۔[65]

اگر قائد اعظم پاکستان کو سیکولر بنا نا چاہتے تو دستوریہ کو نئے دستور کے بنانے کی ذمہ داری کیوں سونپی جاتی۔اس لیے کہ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ بھی تو ریاست اور حکومت کو لوگوں کے مذہبی عبادات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کے بعد قائد اعظم نے دستوریہ سے خطاب میں فرمایا کہ آپ کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ آپ لوگوں کے جان، مال و عزت کے محافظ بنیں۔اور ان کے مذہبی عقائدکو تحفظ دیں۔[66]

قائد اعظم کا یہ فرمان عین اسلامی حکومت کے فرائض کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ حکومت اپنے شہریوں کی جان و مال و عزت کی محافظ ہوتی ہے۔

اس کے بعد قائد اعظم نے دستوریہ سے خطاب میں ملک سے رشوت، بد عنوانی ،چور بازاری،جیسی برائیوں کو ختم کرنے پر زور دیا۔ اور فرمایا کہ میں اس معاملے میں کسی امیر ،غریب ،یا اعلیٰ سطح کی کسی قسم کی سفارش برداشت نہیں کروں گااور ان برائیوں کو سختی سے کچل دیا جائے۔[67]

---

[65]۔ صدیقی،۱۹۹۸ء،ص۳۵۷

[66]۔ صدیقی،۱۹۹۸ء،ص۳۵۷

[67]۔ صدیقی،۱۹۹۸ء،ص۳۵۸

یہ بھی اسلامی حکومت کے بنیادی فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت سے برائیوں کے خاتمہ کے لیے سخت ترین اقدامات کرے۔اور اسی چیز کی طرف قائد اعظم نے زور دیا۔

اس کے بعد قائد اعظم نے فرمایا کہ برصغیر میں مسلمانوں اور ہندو ؤں کا مل جل کر رہنا نا ممکن تھا اور اس کی تقسیم ناگزیر تھی۔تو اب اس کے بعد ہمیں مل جل کر یہاں کے رہنے والے یکساں شہری کی حیثیت سے ملک کی ترقی میں کردار ادا کریں۔[68]

یہاں پر بھی قائد اعظم نے دو قومی نظریے کا اعادہ کیا کہ مسلمان اور ہندو کسی طور پر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ ظاہر ہے صرف مذہبی عبادات میں تو ہندوؤں کو بھی مسلمانوں پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اعتراض تو اسی صورت میں ہوتا کہ جب مسلمان اپنے لیے اللہ کا عطا کردہ سیاسی، معاشی ، معاشرتی نظام چلاتے۔

اس کے بعد قائد اعظم نے اقلیتوں کے حقوق پر خاص طور پر زور دیا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے مذہبی عبادت گاہوں میں عبادت کریں۔ ان کو مکمل تحفظ حاصل ہو گا۔ اور یہ کہ وہ ملک کی ترقی میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنا کردار ادا کریں۔

جہاں تک معاملہ ہے کہ'' جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو، ہندو رہے گا۔نہ مسلمان، مسلمان، مسلمان مذہبی اعتبار سے نہیں ،کیوں کہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے،بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔'' تو اس کا مقصد یہ ہے کہ قانون کی نظر میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو یکساں شہری کے حقوق ملیں گے۔

اس کے علاوہ قائد اعظم کے اس سے ماقبل بیا نات اور اس کےما بعد بیانات کو سامنے رکھ کر اس کا وہی نتیجہ اخذ کیا جائے گا جو اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ پھر قائد اعظم کے ان اقوال کا کیا مطلب سمجھا جائے گا جس میں انہوں نے فرمایا : '' آزاد ریاستوں میں اسلامی قوانین کے مطابق اپنی حکومت بنا سکیں ''،'' پاکستان نہ صرف ایک قابل حصول منزل ہے بلکہ واحد منزل ہے اگر آپ اس ملک میں اسلام کو مکمل تباہی سے بچانا چاہتے ہیں ''،'' ہماری رہنمائی اور بصیرت کے لیے عظیم ترین پیغام تو قرآن مجید میں موجود ہے''،'' وہ چیز جس نے مسلمانوں کو متحد رکھا ہے اور جو اس قوم کی اساس ہے وہ اسلام ہے ''،ہمارا مطمح نظر سرمایہ دارا نہ نہیں، بلکہ اسلامی ہونا چاہیے ''،''اسلام محض روحانی عقائد، نظریات اور رسم و رواج کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور پورے مسلم معاشرے پر محیط ہے، زندگی کے ہر شعبے میں من حیث المجموع اور انفرادی طور پر جاری و ساری ہے ''،'' آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پیشتر ہوتا

---

[68]۔ صدیقی،۱۹۹۸ء،ص۳۵۸

تھا‘‘،’’اسلام نہ صرف رسم و رواج ، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے۔جو اس کی حیات اور اس کے رویہ بلکہ اس کی سیاست و اقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے‘‘،’’ہمیں چاہیے کہ اپنی جمہوریت کی عمارت صحیح اسلامی نظریات پر قائم کریں ‘‘،’’ مجلس دستور ساز پاکستان کو ابھی پاکستا ن کے لیے دستور مرتب کرنا ہے۔مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہو گی۔لیکن مجھے اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہو گا جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔آج بھی ان کا اطلاق ایسے ہی ہو سکتا ہے ،جیسے تیرہ سو برس قبل ہو سکتا تھا ‘‘،’’ آپ کا تحقیقی شعبہ،بنکاری کے طور طریقوں کو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں جو کام کرے گا میں ان کا دلچسپی کے ساتھ انتظار کروں گا ‘‘،’’دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی اساس انسانی مساوات اور معاشرتی عدل کے سچے اسلامی تصو ر پر استوار ہو ‘‘،زمانہ قدیم سے عہد بہ عہد ہندو،ہندو رہے اور مسلمان، مسلمان اور انہوں نے اپنی شخصیتوں کو ایک دوسرے میں ضم نہیں کیا، یہ ہے بنیاد پاکستان کی‘‘۔

قائد اعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کے حوالے سے ڈاکٹر شہزاد اقبال شام لکھتے ہیں :

> قائد اعظم ایک عظیم سیاست دان اور عظیم قانون دان تھے۔ ان کی اس تقریر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فی البدیہہ اور فوری اظہار کے لیے کی جانے والی یہ تقریر انتہائی محتاط اور نپے تلے الفاظ پر مشتمل تھی۔ایک طرف تو اس تقریر میں ایک سیاست دان کا لب و لہجہ نظر آتا ہے جو سطح بین افراد کے نزدیک قائد اعظم کی گزشتہ تمام تقاریر،خطوط اور قول و قرار سے بظاہر انحراف تھا جو یقیناً قائد اعظم کے مرتبے کے شایانِ شان قطعاً نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ اسمبلی کی اس کارروائی کے اخبارات میں شائع ہونے پر کوئی ایسا تہلکہ مچتا نظر نہیں آیا جس سے کہا جا سکتا کہ قائد اعظم اپنے گزشتہ اصولوں سے پھر گئے۔یہ توبعد کے سطح بین اور مخصوص سوچ رکھنے والے افراد کی فکر تھی جس نے اس تقریر کو متنازع بنانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف اس تقریر میں استعمال کیے گئے الفاظ کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ قانون کی میزان پر پرکھا جا چکا ہے،حالاں کہ یہ تقریر فی البدیہہ تھی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قائد اعظم کے افکار و نظریات کس قدر صاف اور واضح تھے۔ان کی فکر کسی کجی کی طرف مائل نہ تھی۔[69]

---

[69]۔ شام ،شہزادا قبال ، ڈاکٹر ، دستور پاکستان کی اسلامئی دفعات ایک تجزیاتی مطالعہ ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ،۲۰۱۱ء، ص۴۱

قائد اعظم کے ان اقوال و ارشادات کے بعد کوئی بھی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان قائد اعظم پر ایسا بہتان نہیں باندھ سکتا۔مزید یہ کہ اس دستوریہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر کئی علمائے کرام موجود تھے۔انہوں نے بھی قائد اعظم کی اس تقریر پر کوئی حیرت کا اظہار نہیں کیا کہ وہ لوگوں کو ابھارنے کے لیے تو اسلام کا نام لیتے رہے اور حقیقت میں وہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنایا چاہتے ہیں۔اس لیے کہ ان کے نزدیک بھی قائد اعظم کی تقریر کا مقصد وہی تھا جو اوپر کی سطور میں واضح کر دیا گیا۔ مزید یہ ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کے بعد کے بھی ہم کئی اقوال پیش کر چکے ہیں جس میں پاکستان میں اسلامی نظام ِ حکومت کے حوالے سےقائد اعظم کا نظریہ بالکل واضح و صاف تھا۔

۲۵/جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی میں قائد اعظم نے عید میلا دالنبی ﷺ کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

> آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پیشتر ہوتا تھا۔۔۔ رسول اکرم ﷺ ایک عظیم رہبر تھے۔آپ ﷺ ایک عظیم قانون عطا کرنے والے تھے۔آپ ﷺ ایک عظیم مدبر تھے۔آپﷺ ایک عظیم فرمانروا تھے۔جنہوں نے حکمرانی کی۔جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بلا شبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس بات کو بالکل نہیں سراہتے۔اسلام نہ صرف رسم و رواج ، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے۔جو اس کی حیات اور اس کے رویہ بلکہ اس کی سیاست و اقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے۔یہ وقار، دیانت، انصاف، اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ایک خدا اور خدا کی توحید اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔مساوات، آزادی، یگانگت، اسلام کے بنیادی اصو ل ہیں۔۔۔اس زمانہ کے مطابق رسول اللہ کی زندگی سادہ تھی۔تاجر کی حیثیت سے لیکر فرمانرا کی حیثیت تک آپ ﷺ نے جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالا کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔رسول اکرم ﷺ عظیم ترین انسان تھے۔ جن کا چشم ِ عالم نے کبھی آپﷺ سے پہلے نظارہ نہیں کیا۔تیرہ سوسال گزرے کہ آپﷺ نے جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔[70]

۱۲/فروری ۱۹۴۸ء کو سبّی میں قائد اعظم نے سول افسروں سے خطاب کرتے ہو ئے فرمایا:

> اس دنیا میں ضمیر سے بڑھ کر کوئی انسان کا محتسب نہیں۔آپ کو اس کے لیے تیار رہنا چاہیے تا کہ جب اللہ تعالیٰ کا سامنا ہو

[70]۔ صدیقی ،۱۹۹۸ء ،ص۲۰۲۔۲۰۳

تو یہ کہہ سکیں کہ آپ نے اپنا فرض خلوص ِ نیت، دیانت داری، اور تن دہی سے انجام دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس جذبے کو اپنائیں گے اور اسی طرح کام کرتے رہیں گے۔[71]

۱۴/فروری ۱۹۴۸ء کو سبّی میں قائد اعظم نے شاہی جرگے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

میر ا عقیدہ ہے کہ ہماری نجات ہمارے عظیم قانون دہندہ رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ سنہری اخلاقی اصولوں پر عمل کرنے میں مضمر ہےہمیں چاہیے کہ اپنی جمہوریت کی عمارت صحیح اسلامی نظریات پر قائم کریں اور جیسا کہ ہمارے پروردگار نے بتا یا ہے امورِ مملکت میں تمام فیصلے باہمی صلاح مشورے سے کریں۔[72]

۲۷/فروری ۱۹۴۸ء کو کراچی میں قائد اعظم نے امریکہ کے عوام سے ریڈیو خطاب میں فرمایا :

مجلس دستور ساز پاکستان کو ابھی پاکستا ن کے لیے دستور مرتب کرنا ہے۔مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہو گی۔لیکن مجھے اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہو گا جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔آج بھی ان کا اطلاق ایسے ہی ہو سکتا ہے ،جیسے تیرہ سو برس قبل ہو سکتا تھا۔ اسلام نے ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے مرتبین کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے باخبر ہیں۔[73]

۱۷/اپریل ۱۹۴۸ء کو پشاور میں قائد اعظم نے قبائلی جرگے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

میں اس مقصد کے لیے کوشاں رہا ہوں کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو۔ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا وہ اسلام کے ایک خادم کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھ کر کیا اور حتی الوسع قوم کی خدمت کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔[74]

یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو کراچی میں اسٹیٹ بنک کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

I shall watch with keenness the work of your Research Organisation in evolving banking practices compatible with Islamic ideals of social and economic life. The economic system of the West has created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is now facing the world. It

---

[71]۔ فرمودات ِ قائد ، ص۱۵

[72]۔ فرمودات ِ قائد ، ص۱٦

[73]۔ صدیقی ،۱۹۹۸ء ،ص۳۲۱

[74]۔صدیقی ،۱۹۹۸ء ،ص۳۲۱

has failed to do justice between man and man and to eradicate friction from the international field. On the contrary, it was largely responsible for the two world wars in the last half century, The Western world, in spite of its advantages of mechanization and industrial efficiency is today in a worse mess than ever before in history. The adoption Western economic theory and practice will not help us in achieving our goal of creating a happy and contented people. We must work our destiny in our own way and present to the world an economic system based on true Islamic concept of equality of manhood and social justice. We will thereby be fulfilling our mission as Muslims and giving to humanity the message of peace which alone can save it and secure the welfare, happiness and prosperity of mankind.[75]

ترجمہ : آپ کا تحقیقی شعبہ،بنکاری کے طور طریقوں کو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں جو کام کرے گا میں ان کا دلچسپی کے ساتھ انتظار کروں گا۔اس وقت مغربی اقتصادی نظام نے تقریباً ناقابل حل مسائل پیدا کر دیے ہیں اور ہم میں سے اکثر کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید کوئی معجزہ ہی دنیا کو اس بربادی سے بچا سکے جس کا اسے اس وقت سامنا ہے۔یہ افراد کے مابین انصاف کرنے اور بین الاقوامی سطح سے ناچاقی دور کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔برعکس اس کے گزشتہ نصف صدی میں دو عالمی جنگوں کی زیادہ تر ذمہ داری بھی اس کے سر ہے۔ مغربی دنیا اس وقت اپنی میکانکی اور صنعتی اہلیت کے باوصف جس بد ترین ابتری کا شکار ہے وہ اس سے پہلے تاریخ میں کبھی نہ ہوئی ہو گی۔ مغربی اقدار،نظریے اور طریقے خوش و خرم اور مطمئن قوم کی تشکیل کی منزل کے حصول میں ہمار ی مدد نہیں کر سکیں گے۔ہمیں اپنے مقدر کو سنوارنے کے لیے اپنے ہی انداز میں کام کرنا ہو گا اور دنیا کے سامنے ایک ایسا اقتصادی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی اساس انسانی مساوات اور معاشرتی عدل کے سچے اسلامی تصو ر پر استوار ہو۔اس طرح سے ہم مسلمان کی حیثیت سے اپنا مقصد پورا کر سکیں گے اور بنی نوع انسان تک پیغام ِ امن پہنچا سکیں گے کہ صرف یہی اسے بچا سکتا ہے۔اور انسانیت کو فلاح و بہبود، مسرت و شادمانی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔[76]

بلا شبہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور وہ نظریہ ، نظریہ اسلام ہے۔جیسا کہ مولانا ظفر احمد انصاری لکھتے ہیں :

---

[75]. al mujahid, Sharif, Ideological foundations of Pakistan, shari'ah academy international Islamic university Islamabad, 2nd edition2012, page ,144-45

[76]۔صدیقی ،۱۹۹۸ء ،ص۵۰۱

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پاکستان کا وجود میں آنا براہ راست ایک نظریاتی تحریک کا نتیجہ ہے اور اس مملکت کی وجود پذیری کا کوئی تصور اس نظریہ کو نظر انداز کر کے قائم ہی نہیں کیا جا سکتا جس کے باعث ہندوستان منقسم ہوا،مسلم اکثریت والے مشرقی اور مغربی خطے مسلمانوں کے قومی وطن کی حیثیت سے الگ کیے گئے اور دونوں کے مجموعے کو پاکستان کے نام سے موسوم کیا گیا۔اس انقلاب میں فیصلہ کن قوت اسی نظریہ کی قوت تھی جس کے بطن سے پاکستان کی پیدائش ہوئی۔اسی نظریہ نے جغرافیائی اتصال اور نسلی،لونی اور لسانی اشتراک و توافق کے تقاضوں کو روند کر اس برکوچک کے مشرق و مغرب کے دورافتادہ باشندوں کی نظریاتی وحدت کو مستقل سیاسی وحدت کی شکل دی اور یہ سب کچھ بخت و اتفاق کے طور پر نہیں بلکہ اس نظریہ پر ایمان رکھنے والوں کے سوچے سمجھے منصوبے اور واضح نصب العین کے تحت مسلسل جدوجہداور عدیم المثال قربانیوں کے بعد رونما ہوا جس میں قوم کے ایک ثلث کا تقریباً زندہ درگور ہونا دس لاکھ افراد کا انسان نما درندوں کے ہاتھوں ذبح اور دس فیصدی سے زیادہ کا خانماں برباد ہونا گوارا کیا گیا۔اتنی بڑی قیمت کیوں دی گئی ؟آخر اس جدوجہد کا مقصد کیا تھا ؟بانی پاکستان کے الفاظ میں سنیے ''پاکستان کا منشاء حصول استقلال و آزادی ہی نہیں بلکہ اسلامی نظریہ حیات اور اس کا تحفظ تھا ''۔[77]

مزید فرماتے ہیں :

(قائد اعظم)کے بڑے سے بڑے مخالف اور بدترین دشمن حتیٰ کہ مہاسبھائیوں نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ قائد اعظم محض مسلمانوں کے جذبات کو ابھارنے اور ان سے وقتی تائید حاصل کرنے کےلیے یہ ساری باتیں کہا کرتے تھے ورنہ حقیقتاً وہ پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانے کے حامی تھے۔قیام پاکستان کے بعد کی تقریروں میں بھی انہوں نے بار بار فرمایا کہ''پاکستان مسلمان قوم کے اتحاد کا مظہر ہے اور اس کی یہ حیثیت قائم رکھنی ہے،نیز یہ کہ ہم مسلمان ایک خدا،ایک کتاب،قرآن کریم اور ایک رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔لہذا ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے متحد رہنا چاہیے '' وہ خود اس بات پر یقین رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان اسے ذہن نشین رکھے کہ اسلام محض روحانی مسائل و عقائد اور مذہبی شعائر و رسوم تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل نظام ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں دائروں

---

[77]۔ انصاری ، ظفر احمد،ہمارے دستوری مسائل کا نظریاتی پہلو ، آفاق پبلیکیشنز بندر روڈ کراچی ،ص۷۔۸

میں پوری مسلم سوسائٹی اور اس کی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے۔[78]

قیام پاکستان

قائد اعظم کی قیادت میں ہی بالآخر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت کی جانب سے اقتدار پاکستان کی دستوریہ کو منتقل کر دیا۔جنگ پلاسی (۱۷۵۷ء) میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد سے جہد مسلسل کے ذریعے بالآخر مسلمانوں نے آزادی کی منزل کو حاصل کر لیا۔[79]

حاصل کلام

مقالہ کے پہلے باب میں قیام پاکستان کی سیاسی و مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا گیا کہ برصغیر میں اسلام کا آغاز کب سے ہوا۔مؤرخین کے مطابق نبی کریم ﷺ کی بعثت کےبعد چند سال کے اندر ہی برصغیر میں اسلام داخل ہو گیا تھا ۔ قائد اعظم کے بقول وہیں سے پاکستان کی بنیاد پڑی۔ چوں کہ ہندوستانی ساحل پر پہلے سے ہی عربوں کی نو آبادیاں قائم تھیں۔اور عرب یہاں تجارت کیا کرتے تھے۔اسی لیے وہ آبادیاں اسلام کی آمد سےتبلیغِ اسلام کا مرکز بن گئیں۔اس کے بعد اس باب میں ایک واقعہ کا حوالہ دیا گیا جو حجاج کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کا سبب بنا۔اور بالآخر محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا اور یہاں پر عربوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور سندھ پر عربوں کی حکومت تقریباً ۲۸۳ سال قائم رہی۔ ان کا دورِ حکومت سنہری تھا۔اس کے بعد سندھ (ہندوستان) پر مقامی مسلم حکمرانوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ ان حکمرانوں میں اکبر، جہانگیر،شاہجہاں اور عالمگیر نمایاں حکمران رہے۔اس کے بعد ہند میں مسلمانوں کی حکمرانی کے بارے میں مختصراً تجزیہ پیش کیا گیا کہ کس طرح ہند میں مسلمانوں کا زوال ہوااور اس کے اسباب کیا تھے۔اس میں ظاہر ہے مسلمانوں کا طرزِ حکمرانی تھا جس میں مسلمان روبہ زوال ہوئے۔ اس دوران شاہ ولی اللہ کی جانب سے اصلاحِ احوال کی کیا کیا کوششیں کی گئی ان کا تجزیہ پیش کیا گیا۔ اس دوران ۱۷۵۷ء میں ایک سازش کے ذریعے انگریزوں نے ہندوستان کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔اور میر جعفر کو بنگال کا نواب بنا دیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ انگیریزوں نے پورے ہندوستا ن پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں پورا ہندوستان انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔اس دوران اصلاحِ احوال کے لیے کوششیں جاری رہیں،شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز اور اس کے بعد سید احمد شہید کی ''تحریک شہیدین '' نمایاں کوششیں تھیں،بہرحال ان کاوشوں کو زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔اس صورتِ حال میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے سر سید احمد خان

---

[78]۔ انصاری ، ص۹۔۱۰

[79]۔ المجاہد ، ص۶۳

نے مسلمانوں کے لیے علاحدہ وطن کا مطالبہ پیش کیا اور مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا جو دراصل انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ کاوش تھی اور اس کا مقصد مسلمانوں کو علیحدہ وطن کے مطالبے سے دستبرار کرانا تھا۔ چناں چہ مسلما ن زعماء نے جب اس سازش کوبھانپا اور۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ یہ جماعت شروع سے ہی بحرانوں کا شکار رہی۔لیکن ۱۹۳۴ء میں قائد اعظم کی شمولیت سے یہ عوامی جماعت بن کر ابھری۔قائداعظم کو اس طرف راغب کرنے میں علامہ اقبال کا کردار بہت اہم رہا۔نیز علامہ اقبال کے تصور پاکستان کا جائزہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد تحریک ِپاکستان میں نمایاں علما کے کردارکا جائزہ پیش کیا گیا جس میں مولانا مظہر الدین مالک،مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا شرف علی تھانوی، مولانا ظفر احمدتھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا اکرام خان بنگالی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالحمید بدایونی اور مولانا مودودی شامل ہیں۔آخر میں بانی پاکستان کے ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۸ء تک کی مختلف جگہوں میں کی جانے والی تقریروں اور بیانات کے اقتباسات پیش کر کے ان کے نظریہ ِ پاکستان کا جائزہ پیش کیا گیا،جس کا حاصل یہ ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواہاں تھے جس میں اللہ کے احکام کی عملداری ہو اور ایک ماڈل اسلامی ریاست بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کی جائے۔تا کہ وہ احکام خداوندی کو دور ِ حاضر میں قابل عمل ہونے اور دور ِ حاضر کے مصائب و مشکلات سے نجات کا ذریعہ سمجھیں۔

دوسرا باب

دوسرا باب

فقہی مذاہب میں اختلافات اور ان کی نوعیتیں

پہلی فصل:عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہ میں تدوینِ فقہ

فقہ اسلامی کا آغاز و ارتقاء عہدِ رسالت سے ہو گیا تھا۔مسائل آپﷺ سے پوچھے جاتے تھے۔جب صحابہ کرام ؓ کو ایسی صورتِ حال پیش آتی جس کا حل براہِ راست قرآن و سنت میں نہیں اور اس وقت آپﷺ کی خدمت

میں حاضر نہ ہو سکتے تو اپنے اجتہاد سے وقتی مسئلہ کا حل معلوم کرتے پھر موقع ملتا تو اس مسئلے کا حل آپ ﷺ کے سامنے پیش کرتے۔ اس طرح اجتہادی عمل آپﷺ کے زمانے سے ہی شروع ہو گیا۔گویا فقہ اسلامی کے معلم اول خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور فقہ اسلامی کے اولین مؤسسین صحابہ کرامؓ ہیں۔ جس نے جتنی زیادہ صحبت اٹھائی اس کا اتنا ہی زیادہ فقہ کی تأسیس و تشکیل میں حصہ ہے۔[1]

درجات صحابہ کرامؓ

1. عام صحابہ : جنہوں نے ایک یا دو مواقع پر آپ ﷺ کی زیارت کی۔ صحابہ کرام ؓ کی ایک بڑی تعداد اسی طبقے سے ہے۔
2. مقلّین(تھوڑا بیان کرنے والے) صحابہ :جن کو آپﷺ کی خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا۔خود دین سیکھا،دوسروں کو سکھایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی کسی کسی مسئلہ میں فتویٰ دیا۔بعض مسائل میں رہنمائی فرمائی۔ کچھ احادیث بھی روایت کیں۔ان کی تعداد چند سو کے لگ بھگ ہے۔
3. مکثرین صحابہ: یعنی جن سے بڑی یا زیادہ تعداد میں اجتہادات اور فتاویٰ منقول ہیں۔بڑی تعداد میں احادیث منقول ہیں۔قرآن مجید کی تفسیر بھی منقول ہے۔ ان مکثرین کی تعدا د بیس پچیس کے لگ بھگ ہے۔
4. مکثرین المکثرین صحابہ : یہ وہ اعلیٰ طبقہ ہے جو مکثرین کے بھی مکثرین ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ جن کو رسول اللہ ﷺنے خاص خاص میدانوں میں مہارت کا سر ٹیفکیٹ دیا۔جیسے اقرأهم أبي (أبي بن كعب)،أعلمهم بالحلال ولحرام معاذ بن جبل،أقضاهم علي(جوڈیشل معاملات)،أفرضهم زيدبن ثابت،فعليكم بقراءة ابن أم عبد(لقب عبداللہ بن مسعودؓ)،عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کرام میں اتنا بڑا مقام رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اتنے قریب تھے کہ باہر سے آنے والے اجنبی ان کو حضورﷺ کے خاندان کا فرد سمجھتے تھے۔بہت زیادہ جانا ہوتا تھا اور ذاتی معاملات میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی حیثیت کم و بیش گھر کے فرد کی سی ہو گئی تھی۔ وہ بعثت کے دوسرے یا تیسرے سال اسلام لائے۔ اور اکیس سال دن رات حضورﷺ کی خدمت میں رہنے اور سیکھنے کا موقع ملا۔کچھ صحابہ ایسے ہیں جن کو ہر فیلڈ میں نمایاں خصوصیت حاصل تھی۔جیسے خلفائے اربعہ، ان میں بھی خاص کر شیخین کو۔اوران میں بھی خصوصی طور حضرت عمرِ فاروق کو۔ اس لیے کہ ان کا زمانہ ذرا لمبا تھا وہ آپ ﷺ کے بعد تقریباً بارہ سال تک زندہ رہے۔ اس لیے لوگوں نے ان کے علم سے زیادہ کسب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو صحابہ کرام فقہ و فتویٰ میں زیادہ نمایاں تھے اور جن سے بڑی تعداد میں تابعین نے فقہی معاملات

---

[1] ۔غازی ،محمود احمد ،ڈاکٹر ،محاضرات فقہ ،الفیصل ناشران لاہور ،ص۲۱۷۔۲۱۸

میں کسبِ فیض کیا،ان میں حضرت عمرِ فاروق ؓ کا نام نمایاں ہے۔ انھی کے بارے میں آپﷺنے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔[2]

صحابہؓ کے مابین اختلاف کے اسباب

1. صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف کی پہلی وجہ بعض صحابہ کرام کا کسی امر سے متعلق نبی کریم ﷺ کی حدیث کا واقف ہونا تھا جب کہ دوسرے صحابہ کرام کا اس حدیث سے لاعلم ہونا تھا۔اب جن صحابہ کو حدیث کا علم تھا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا،جب کہ وہ صحابہ جن کو اس حدیث کا علم نہیں تھا انہوں نے اجتہاد سے کام لیا۔
2. صحابہ کرامؓکے مابین اختلاف کی دوسری وجہ نبی کریم ﷺ کے فعل کی تعیین نوعیت میں اختلاف تھا۔بعض صحابہ کرامؓ نے اس فعل کو عبادت سمجھا جب کہ دوسرے صحابہ نے اس فعل کو اتفاقی قرار دیا۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا سفر حج کے دوران ابطح کی وادی میں ٹھہرنا بعض صحابہ کرام نے سنت قرار دیا جب کہ بعض صحابہ نے اس کو اتفاقی طور پر کچھ دیر آرام کے لیے ٹھہرنا قرار دیا۔
3. اختلاف کی تیسری وجہ نبی کریم ﷺ کے کسی ایک فعل کو دیکھ کر مختلف گمان کرنا تھا۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی میں ایک ہی حج کیا۔تو صحابہ کرام سے اس بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں بعض کے نزدیک یہ حج
حج قران تھا، بعض کے نزدیک حج تمتع تھا اور بعض کے نزدیک حج افراد تھا۔
4. اختلاف کی چوتھی وجہ نسیان تھی۔جیسا کہ ابن عمر ؓ سے ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺنے رجب کے مہینے میں عمرہ ادا کیا لیکن جب اس کی اطلاع عائشہ ؓ کو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ابن عمر ؓ سے بھول ہوئی ہے ،نبی کریم ﷺنے رجب کے مہینےمیں کوئی عمرہ ادا نہیں کیا۔
5. اختلاف کی پانچویں وجہ نبی کریم ﷺ کے قول کے مدعا کو صحیح طور پر نہ سمجھنا تھا۔ جیسا کہ میت پر نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہونے کی حدیث کو ابن عمر ؓ نے مطلق سمجھا ،لیکن عائشہ ؓ نے اس کو ایک واقعے کے ساتھ خاص کیا جو ایک یہودی عورت سے متعلق تھا۔
6. اختلاف کی چھٹی وجہ کسی حکم کی علت کے تعین میں اختلاف تھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کو بعض صحابہ کرام نے فرشتوں کی تعظیم پر محمول کیا،بعض نے کہا کہ وہ موت کی ہولناکی کی وجہ سے تھا وغیرہ۔ تو علت میں اختلاف کی وجہ سے حکم میں اختلاف پیدا ہو ا۔

---

[2]۔ غازی ،ص۲۲۳۔۲۲۵

7. اختلاف کی ساتویں وجہ احکام کی طرز تطبیق کا اختلاف تھا۔جیسا کہ جنگ خیبر کے موقع پر آپﷺ نے متعہ کی اجازت دی پھر اس کو ممنوع قرار دیا۔پھر جنگ اوطاس میں دوبارہ یہ رخصت دی، اس لیے ابن عباس ؓ کا ابتدائی[3] مؤقف تھا کہ ضرورت پر اس کی جازت دی جا سکتی ہے۔جب کہ دیگر جمہور صحابہ کرام نے اس کو ہمیشہ کی منسوخی پر محمول کیا۔[4]

تابعین کے مابین اختلاف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین یہی اختلاف مختلف مذاہب کی شکل اختیار کر گیا۔ اور اس کے بعد تا بعین کے دور میں یہ اختلاف انہی وجوہ کی بنا پر جاری رہا۔اور تابعین میں بھی اسی نہج پر مختلف مذاہب بن گئے۔ اور مختلف جگہوں پر مختلف کبار تابعین نے وہاں کے صحابہ کرامؓ کے اسلوب ِ اجتہاد پر فقہی مذاہب مرتب کیے۔جیسے مدینہ میں سعید بن مسیب،مکہ میں عطا بن ابی رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاوس بن کیسان زیادہ مشہور تھے۔[5]

تبع تابعین کا زمانہ

تابعین کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا اس وقت بنو امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی حکومت تاریخ کی سب سے بڑی اسلامی حکومت تھی۔یہ وہ زمانہ تھا جس میں صغار تابعین اور کبار تبع تابعین تھے۔اسی دور میں تابعین کے فقہائے سبعہ بھی موجود تھے۔[6]

---

[3]۔ اگرچہ ابن عباس ؓکا رجوع بھی آخری عمر میں ثابت ہے۔ جیسا کہ سنن ترمذی میں ابن عباس ؓ سے روایت ہے :

عن ابن عباس قال إنما كانت المتعة في أول الإسلام كان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج المرأة بقدر ما يرى أنه يقيم فتحفظ له متاعه وتصلح له شيئه حتى إذا نزلت الآية{ إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم }قال ابن عباس فكل فرج سوى هذين فهو حرام.

ترجمہ :ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ متعہ اوائلِ اسلام میں جائز تھا جب کوئی آدمی کسی شہر سفر کو جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہیں ہوتی تو وہ ایک عورت سے اتنے دنوں کے لیے شادی کر لیتا جتنا قیام وہاں کرنا ہوتا تھا۔ وہ عورت اس کے سامان کی محافظ ہوتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی{ إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم } تو ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ان دو فرجوں کے علاوہ ہر فرج حرام ہے۔

(الترمذي،أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك ،سنن ترمذی ،كتاب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب ما جاء في تحريم نكاح المتعة، الطاف اینڈ سنز، کراتشی باکستان ،2009ء، الجزءالأول، حديث: ۱۱۲۲).

[4]۔ الدھلوی ، ولی اللہ،الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ،الطبعة الثالثه۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۸۶م ،دارا لنفائس ،بیروت،ص۲۳۔۳۰.

[5]۔ الدہلوی ،ص۳۰۔۳۱

[6]۔ غازی، محمود احمد ،ڈاکٹر ،محاضرات فقہ ،الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ،ص ۲۴۱

یہی وہ دور ہے جس میں باقاعدہ طور پر فقہی مسالک کا ظہور ہوا اور متعدد مقامات پر صحابہ و تابعین کے اسلوب و منہج کے مطابق فقہ مدون کی جارہی تھیں۔

بعض مذاہب کے پھیلنے اور بعض کے مٹنے کے اسباب

اس دور میں کئی مذاہب وجود میں آئے۔لیکن موجودہ دور میں چند مذاہب کے ماننے والے ہی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی وجوہات کے حوالے سے شاہ ولی اللہ ؒ لکھتے ہیں کہ مختلف مذاہب کے ہاں استنباط احکام کے مختلف طریقے رائج رہے۔ جوان میں سے زیادہ مشہور تھے،اور اللہ تعالیٰ کی منشا اور فیصلے کے تحت ان کو قضاۃ کے مناصب دیے گئے۔اس کے ذریعے سے ان کے فتاویٰ اور تصنیفات لوگوں میں زیادہ مشہور ہو گئیں۔اور ان کے پڑھنے پڑھانے کا زیادہ اہتمام ہونے لگا۔ ان کے شاگردوں کی محنت ،کہ انہوں نے اپنے استاذ کے کام کو منظم انداز میں مرتب کیا ،جس کی وجہ سے یہ مذہب دور دراز علاقوں تک پھیل گیا۔اور جن فقہا کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا،نہ ان کے ہاتھ میں قضاۃ کے مناصب تھے، نہ ان کے شاگردوں نے ان کے کام کو مرتب کیا ،تو یہ مذاہب ان فقہا کے جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔[7]

مسلک حق و راہِ اعتدال

اب ان مذاہب کے مابین اختلافات میں معتدل روش کا ذکر کرتے ہوئےحضرت شاہ ولی اللہ ؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شروع سے فقہا کے ہاں احکام کے استنباط کے دونوں طریقے رائج رہے ہیں۔یعنی طریق تخریج اور طریق تتبع حدیث۔ طریق تخریج میں فقہا نے احادیث کے ظاہری الفاظ کا لحاظ کم کیا جبکہ طریق تتبع حدیث میں فقہا کا احادیث کے ظاہر ی الفاظ کی طرف رجحان زیادہ رہا اور تخریج کی طرف کم۔ظاہر ہے یہ دونوں طریقے رائج رہے ہیں۔دونوں کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ کسی ایک طریق کاکلیۃً انکار کر دینا اور دوسرے کو ہی مبنی برحق سمجھنا معتدل طرز عمل نہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دونوں طریقوں کے مابین مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔اس کی صورت یہ ہے کہ طریق تخریج والے احادیث سے لگاؤ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔کیوں کہ تخریج کی بنیاد بہر حال یہی احادیث مبارکہ ہیں۔اور کسی مسئلے میں صریح حدیث آجانے کے بعد اس پر رائے زنی نہ کریں۔ طریق تتبع حدیث والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ تخریج کے منہج سے استفادہ کریں۔اس لیے کہ نت نئے مسائل کا حل تخریج کے منہج کے بغیر ممکن نہین۔حضر ت شاہ ولی اللہؒ نے حسن بصری ؒ کا یہ قول نقل

7۔ الدہلوی ، ص٦١

کیا کہ تمہا را طرز عمل اعتدال کا ہونا چاہیے، نہ حد سے تجاوز کیا جائے اور نہ اس میں کمی کی جائے۔[8]

دوسری فصل :پاکستان کے فقہی مذاہب

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم پاکستان کے فقہی مذاہب کا تعارف پیش کرتے ہیں :

پاکستان کی بیشتر آبادی سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔یہاں پر سنی مسلمانوں کے دو گروہ حنفی اور اہل حدیث ہیں۔ پھر احناف کے دو بڑے گروہ دیو بندی اور بریلوی ہیں۔ان دونوں کے مابین فقہ اور قانون میں کوئی اختلاف نہیں۔جب کہ اہل حدیث کی باہم مختلف جماعتوں کے مابین بھی فقہ اور قانون کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔اسی لیے ہم یہاں پر اہل سنت کے دوگروہوں یعنی حنفی اور اہل حدیث کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔[9]

اس کے بعد دوسری معتدبہ تعداد پاکستان میں اہل تشیع کی ہے ان کی آبادی ''انجمن دین و سماجی زندگی (PEW)'' کے ۲۰۰۹ء کے سروے کے مطابق۱۷۔۲۶ ملین ہے جو کہ کل آبادی کا ۱۰۔۱۵ فی صد تک ہے۔[10]

اسی طرح اہل تشیع کے کچھ مزید چھوٹے گروپ جیسے اسماعیلی،بوہری،آغاخانی،نوربخشی بھی کچھ جگہوں پر موجود ہیں۔ہم یہاں اختصار کے پیشِ نظر صرف اہل تشیع (اثنا عشری) کا تعارف ہی پیش کریں گے۔اس لیے کہ قانون سازی کے حوالے سے اس گروہ کے کردار اور حیثیت کا اطلاق ان دیگر چھوٹے گروہوں پر بھی ہو گا۔

اب ہم سلسلے وار ان مذاہب کا تعارف پیش کرتے ہیں :۔

۱۔فقہ حنفی

فقہ حنفی امام ابو حنیفہ ؒ کی طرف منسوب ہے۔آپ کا نام نعمان بن ثابت تیمی کوفی ہے۔آپ کا لقب ابوحنیفہ ہے آپ کا تعلق عراق سے ہے اور مذاہب اربعہ میں سے فقہ حنفی کے بانی کہلاتے ہیں۔آپ ۸۰ھ میں پیدا ہو ئے۔اس وقت کچھ صحابہ کرام ؓحیات تھے۔اسی لیے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت انس بن مالک ؓ کو دیکھا ہے۔اسی اعتبار سے آپ تابعین میں شمار کیا جاتا ہے۔[11]

8۔ الدہلوی ، ص۶۱۔۶۲.

9۔ عثمانی ،محمدتقی ،نِفاذِ شریعت اور اُس کےمسائل ، ،مکتبہ دارالعلوم کراچی ،۲۰۰۲ء،ص۱۰۶

10- Pew Research Center, Countries with More Than 100,000 Shia Muslims,http://www.pewforum.org/2009/10/07/mapping-the-global-muslim-population/:visited:March12,2016.

11۔ ابن کثیر ، ابو الفداعماد الدین ، حافظ ، علامہ ، البدایہ و النہایہ ، ، مترجم :حافظ عبد الرشید ندوی ایم اے۔مولانا اختر فتح پوری :تاریخ ابن کثیر ،جون ۱۹۸۸ء، جلد دہم ، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی ، ص۵۴۵

علامہ ابن حجر مکی،ابن حجر عسقلانی کے فتاویٰ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے اس لیے وہ تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے انس بن مالکؓ کو مسجد میں نماز پڑھتے ہو ئے دیکھا۔اسی طرح محمد بن سماعہ ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہو ئے سنا کہ میں نے اپنے والد کے ساتھ حج کیا جب کہ ان کی عمر ۹۶ سال تھی اور میں ۱۶ سال کا تھا،تو وہاں میں نے ایک شیخ کو دیکھا جن کے ارد گرد بہت سے لوگ جمع تھے تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ان کے پاس کیا چیز ہے تو انہوں نے بتایا کہ احادیث مبارکہ جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں۔تو میں نے والد محترم سے کہا کہ مجھے ان کے قریب لے چلیں تو جب میں ان کے قریب پہنچا تو میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسولﷺنے فرمایا :من تفقه في دين الله كفاه الله همه،ورزقه من حيث لا يحتسب۔[12] امام ابو حنیفہ ؒ نے بہت سے تابعین سے روایت کی ہیں جن میں عطا بن ابی رباح،جن کے بارے میں آپ کا قول ہے کہ میں نے عطا ء سے بڑھ کرفقیہ نہیں دیکھا۔اسی طرح عطیہ العوفی،عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج،عکرمہ، نافع، عدی بن ثابت، عمر و بن دینار، سلمہ بن کہیل، قتادہ بن دعامہ، ابو زبیر،منصور،ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین شامل ہیں۔[13]

امام ابوحنیفہ سے بہت سے فقہا نے روایات کی ہیں جن میں حماد ، ابراہیم بن طہمان،اسحاق بن یوسف ازق،قاضی اسد بن عمرو،حسن بن زیاد لؤلؤی،حمزہ زیات،داؤد طائی،زفر،عبدالرزاق،ابو نعیم،محمد بن حسن شیبانی،ہثیم،وکیع،اور قاضی ابو یوسف نمایاں ہیں۔[14]

امام ابوحنیفہ کا تعلق چوں کہ کوفہ سے تھا اور کوفہ صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓجیسے جید فقہی صحابہ کا مسکن رہا۔وہاں پر ان کے طرز استدلال کا طریقہ رائج تھا۔ اور انہوں نے فقہائے تابعین کی ایک جماعت تیا ر کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم نخعی اور ان کے شاگردوں کے مطابق عبداللہ بن مسعودؓ اور ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والے فقاہت میں سب سے نمایاں ہیں۔ بقول علقمہ کے کوئی صحابی عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر فقیہ نہیں ہو سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے اوزاعی سے کہا کہ ابراہیم نخعی سالم بن عبداللہ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

---

[12]۔ الکملائی،محمد حفظ الرحمن ،مكانة أبي حنيفة فى الفقه و الحديث ، ،مکتبہ شیخ ا لإ سلام، داکا،طبع ثانیہ نومبر ۲۰۰۷ء، ص۱۱۔۱۲.

[13]۔ الذہبی،أبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان ، الحافظ،الامام،مناقب الامام أبي حنيفه و صاحبيه أبي يوسف و محمد بن الحسن ،لجنة إحيا ء المعارف النعمانية بحيدر آباد الدكن بالهند ،ص۱۴.

[14]۔ ابن کثیر ،ص۵۳۵

اور علقمہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر عبداللہ بن عمر کو شرف صحابیت نہ ہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ ان سے زیادہ فقیہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے بقول امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور قاضی شریح وغیرہ کے فیصلوں اور منہج پر قائم ہے۔ابراہیم نخعی نے ان صحابہ کرام سے اخذ شدہ احکام کو اس انداز سے مرتب کیا۔ جیسا کہ سعید بن مسیب نے مدینہ کے فقہا کے اقوال و آثار کو جمع کیا۔[15]

امام ابوحنیفہ ؒ کا علمی نسب نامہ

امام ابو حنیفہ ؒ کا تعلیمی نسب یہ ہے کہ وہ حماد بن ابی سلیمان کے شاگرد ہیں۔حماد بن ابی سلیمان کے استاذ ابراہیم نخعی ہیں جو مشہور تابعی ہیں۔ان کے اجتہادات و اقوال مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں کثرت سے ملتے ہیں۔ابراہیم نخعی کے استاذ علقمہ ہیں جو فقاہت میں بہت مشہور تھے۔ان کے استاذ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہیں۔اور ان کے استاذ خود اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔گویا امام ابوحنیفہ سے اللہ کے رسول ﷺ تک چار واسطے ہیں۔[16]

فقہ حنفی کے امتیازات

امام ابو حنیفہ کا درس فقہ عام فقہا سے مختلف تھا۔ ان کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ پہلے سے پختہ علم والے ہی درس میں بیٹھتے تھے۔اور علمی مباحث میں شامل ہوتے تھے۔اگر کوئی نو وارد آ کے بیٹھ جائے اسے اپنی علمی استعداد مضبوط کرنے تک فقہی مباحثے میں شرکت کی اجازت نہیں ہو تی تھی۔، پھر امام صاحب کی اجازت سے ہی ان کو شریکِ گفتگو کیا جاتا۔ امام صاحب کوئی سوال سامنے رکھ لیتے حلقہ درس کے شرکا جواب دیتے۔ اور جواب کے حق میں قرآن و سنت سے دلائل دیتے۔ کئی کئی دن تک بحث جاری رہتی۔ آخر میں امام صاحب اپنی رائے دیتے۔ اگر رائے سے اتفاق کیا جاتا تو لکھ دیا جاتا۔ اگر اختلاف رہتا تو اختلافی آراء بھی لکھ دی جاتیں۔ ان اجتہادات و مباحث پر درجنوں کتابیں لکھی جا تیں۔ اور ظاہر ہے یہ کام انفرادی طور پر کام کرنے والے فقہا سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔اسی لیے آپ ؒ کی فقہ کو شورائی فقہ کہا جاتا ہے۔آپ کے شاگردوں میں امام محمد بن حسن شیبانی نے سب سے زیادہ بڑی تعداد میں ان اجتہادات کو مرتب کیا۔[17]

امام ابو حنیفہ کے بہت سے شاگرد ہیں ان میں سےتین زیادہ مشہور ہیں۔قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی اورامام زفر۔ان میں سے قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی زیادہ نمایاں ہیں۔اب ہم ان کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔

قاضی ابو یوسف

---

[15]۔ الدھلوی، ص۳۲.

[16]۔غازی ،ص۲۴۳

[17]۔غازی ،ص۲۴۳۔۲۴۴

آپ کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم تھا۔۱۱۳ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بہت سے تابعین سے علم حاصل کیا ،جن میں ہشام بن عروہ،یحیٰ بن سعید،اعمش،یزید بن ابی زیاداور عطا ء بن سائب زیادہ مشہور ہیں۔[18]
فقہ کی تعلیم انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حاصل کی اور وہ ان کے اجل شاگردوں میں ہیں۔پھر قاضی ابو یوسف سے بہت سے شاگردوں نے استفادہ کیا ،جن میں بشر بن ولید، ابن سماعۃ، یحییٰ بن معین،احمد بن حنبل،احمد بن منیع اور علی بن مسلم الطوسی نمایاں ہیں۔ موسیٰ الھادی کے زمانے میں قاضی القضاۃ رہے۔اس کے بعد ہارون الرشید کے زمانے میں بھی قاضی القضاہ رہے۔[19]
یحیی ابن یحیی نیساپوری فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسف کو ان کی وفات کے وقت یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے جتنے فتوے دیے ہیں ،ان میں کتا ب و سنت سے رجوع کیااور موافقت کی صورت میں ہی فتویٰ دیا۔عباس کہتے ہیں کہ میں نے یحیی بن معین سے سنا کہ قاضی ابو یوسف اصحاب حدیث کو پسند کرتے تھے اور ان کی طرف مائل تھے۔[20]
کتاب الخراج آپ کی مشہور تصنیف ہے۔
بشر بن ولید کے بقول قاضی ابو یوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا۔[21]

امام محمد

آپ کا نام محمد بن حسن شیبانی ہے۔۱۳۲ھ میں عراق میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔فقہ کی تعلیم امام ابو حنیفہ سے حاصل کی ،اس کے بعد قاضی ابو یوسف سے استفادہ کیا۔اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔آپ کا شمار ذہین علما میں ہوتا ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔جن میں السیر الصغیر،السیر الکبیر،الجامع الصغیر،الجامع الکبیر،المبسوط اور زیادات مشہور ہیں۔اور یہی فقہ حنفی کی اساس ہیں۔اور انہیں ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ باقی کتب نادر الروایۃ کہلاتی ہیں۔تعارض میں ترجیح ظاہر الروایۃ کو دی جاتی ہے۔ہارون الرشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ رہے۔شہرت و حشمت سے دور رہتے تھے۔[22]
آپ سے بہت سے شاگردں نے استفادہ کیا۔جن میں امام شافعی ،ابو عبید قاسم بن سلام، ہشام بن عبید اللہ الرازی،علی بن مسلم الطوسی،یحیی بن معین اور محمد بن سماعۃ زیادہ مشہور ہیں۔ احمد بن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے کتاب اللہ کا سب سے زیادہ جاننے والا محمد بن حسن سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے سنا کہ اگر میں

---

[18]۔ الذھی ،ص۵۱۔۵۲
[19]۔الذھبی،ص۵۳
[20]۔الذھبی،ص۵۳
[21]۔الذھبی۔ص۔٦۷
[22]۔الذھبی ،ص۔۷۱

کہنا چاہوں کہ قرآن محمد بن الحسن کی لغت میں نازل ہوا ہے تو میں ان کی فصاحت و بلا غت کی وجہ سے ایسا کہوں گا۔[23]
امام محمد کو فقہ حنفی کا مدون حقیقی کہا جاتا ہے۔ان کے بارے میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :

> امام محمد ؒکی پوری توجہ تصنیف و تدوین کی طرف تھی،انہوں نے اپنے او ر دونوں کے اقوال اکٹھے مرتب کیے، جس سے بیشمار لوگوں کو فائد ہ پہنچاپھر بعد کے حنفی علمان کی تصانیف کی طرف پوری سنجیدگی سے متوجہ ہوئے،جنہیں انہوں نے چھانٹا اور صاف کیا،ان کے مطالب کی و ضاحت کر کے ان کو بآسانی سمجھ لینے کے قابل بنایا، ان کی بنیاد پر مسائل مستنبط کیے، ان کو دلائل سے آ راستہ کیا پھر یہ لو گ (ان تما م تصانیف کو لے کر) خراسان اور توران کی طرف جا نکلے اور ان کے اندر کے سارے مسائل امام ابوحنیفہ ؒ کا مذہب کہے جا نے لگے۔اس طرح امام ابو یوسف ؒاور امام محمد ؒ کے مذاہب بھی امام ابوحنیفہ ؒکے مذہب کے ساتھ مل گئے اور ان سب کو ایک ہی مذہب شمار کر لیا گیا۔حالانکہ یہ دونوں حضرات بجائے خود مجتہد مطلق ہیں اور امام ابوحنیفہ ؒ سے ان کے اختلافات کی فہرست کافی طویل ہے،نہ صرف فروع میں بلکہ اصول میں بھی۔لیکن اس کے باوجود ایسا کیا گیا جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا اصل ان تینوں میں مشترک ہے(یعنی یہ تینوں ہی حضرت ابراہیم نخعی ؒکے مذہب کو اپنی بنیاد قرار دیتے ہیں)اور دوسری یہ کہ مبسوط اور جامع کبیر میں ان تینوں مذاہب کو ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا۔[24]

امام زفر

آپ کا پورا نام ابو الہذیل زفر بن ہذیل بن قیس الکوفی ہے۔آپ ۱۱۰ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔حدیث میں مہارت حاصل کی۔اور جلد حدیث کے نمایاں علما میں شامل ہوئے۔ فقہ کی تعلیم امام ابو حنیفہ ؒ سے حاصل کی۔اور قیاس میں ملکہ حاصل کیا۔ان کا شمار مجتہد مطلق میں ہوتا ہے۔ ۱۵۸ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔[25]

تیسری فصل : فقہ حنفی کا احکام کے استنباط کا منہج

احناف کے ہاں احکام کے استنباط کے ماخذ شرعیہ مندرجہ ذیل ہیں :

1. قرآن مجید

---

[23]۔ الذہبی ،ص۔۴۲
[24]۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ ،اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ، شاہ ولی اللہ دہلوی ، مترجم : مولانا صدر الدین اصلاحی ، اسلامی پبلیکشنز لاہور، طبع اگست ۲۰۰۰ء، ص۴۳۔۴۴
[25]۔ الزحیلی ،ص۵۳

2. سنت رسول ﷺ
3. اجماع
4. قیاس
5. استحسان
6. المصالح المرسلۃ/الاستصلاح
7. الاستصحاب
8. العرف
9. مذہب الصحابی
10. شرائع من قبلنا
11. الذرائع [26]

ابن حجر عسقلانی امام ابو حنیفہ کے منہج استنباطِ احکام کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

آخذ بكتاب الله فإن لم أجد فبسنة رسول الله فإن لم أجد فبقول الصحابة آخذ بقول من شئت منهم ولا أخرج عن قولهم إلى قول غيرهم،فأما إذا انتهى الأمر إلى إبراهيم والشعبي وابن سيرين وعطاء فقوم اجتهدوا فأجتهد كما اجتهدوا.[27]

ترجمہ : میں (مسائل کے استنباط) میں کتاب اللہ (قرآن مجید) کو لیتا ہوں۔ اگر قرآن میں نہ پاؤں تو اللہ کے رسول ﷺکی سنت کو لیتا ہوں۔ اگر اس میں بھی نہ پاؤں تو صحابہ کرام ؓکے اقوال میں سے جس کو چاہتا ہوں لیتا ہو ں۔ ان (صحابہ کرام) کے قول کو چھوڑ کر کسی کا قول نہیں لیتا۔ پس جب معاملہ ابراہیم ،شعبی، ابن سرین اور عطا ء جیسے فقہا تک آتا ہے کہ جس میں یہ اجتہاد کرتے ہیں۔تو میں بھی ان مسائل میں اجتہاد کرتا ہوں جیسے وہ اجتہاد کرتے ہیں۔

قرآن مجید سے استدلال

قرآن مجید سے متعلق قواعد کے بارے میں فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا قرآن مجید نظم اور معانی دونوں کا نام ہے یا صرف معانی کا نام ہے۔ اس بارے میں فقہا احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن نظم (الفاظ) اور معانی دونوں کا نام ہے۔امام ابوحنیفہؒ بھی اس قول کے قائل ہیں،اگرچہ بعض حضرات کے مطابق امام ابوحنیفہ ؒکے نزدیک قرآن مجید صرف معانی کا نام ہے،لیکن یہ مرجوح قول ہے اور اما م بزدوی ؒ نے اس کی تردید کی ہے۔اور اسے متروک قول لکھا ہے۔اس اختلاف کی وجہ سے فروعی مسائل میں اختلافات پیدا ہوئے۔جیسے نماز میں قراءت کسی اور زبان میں کی جا سکتی ہے یا نہیں۔تو جن فقہا کے نزدیک قرآن صرف معانی کا نام ہے ان کے نزدیک نماز میں قراءت کسی اور زبان میں کی جا

---

[26]-الزحیلی ،وهبة ،الدکتور ، أصول الفقه الاسلامی ،جلد اول ، کتب خانه رشیدیه پشاور،ص۴۱۷.

[27]- العسقلاني ،للاٍ مام الحافظ شيخ الاسلام شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر ، تهذيب التهذيب ، الطبعة الأولى 1404 هـ - 1984 م، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع،جزء 10،ص۴۰۳.

سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ فارسی زبان میں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔[28]امام بزدوی ؒ نے اس قول کو فاسد قرار دیا ہے۔[29]

حدیث مرسل سے استدلال

حدیث یا سنت میں حدیث مرسل سے استدلال کے حوالے سے فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ محد ثین کے نزدیک حدیث مرسل وہ حدیث ہوتی ہے جس میں تابعی براہ راست یہ بیان کرے کہ'' اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا''اور تابعی درمیانی واسطے یعنی صحابی کا نام نہ لے۔ جب کہ علمائے اصول فقہ کے مطابق حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس میں راوی حدیث رسول ﷺ کو براہ راست نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرے اور درمیان کا واسطہ حذف کر دے۔فقہا کے مابین اختلاف کا تعلق اسی نوع سے ہے۔امام شافعی ؒ حدیث ِ مرسل کو کچھ شرائط کے ساتھ حجت مانتے ہیں۔ جیسے قابل اعتماد راوی اس حدیث جیسی نبی کریم ﷺ سے بیان کریں تو وہ قابل حجت ہو گی۔لیکن اگر حدیث مرسل منفرد ہے تو اگر دیگر کوئی راوی ارسال میں اس کی موافقت کر رہا ہو،جو محدثین کے نزدیک قابل قبول ہو تو یہ بھی قابل قبول ہے مگر پہلی کے مقابلے میں ضعیف ہے۔اسی طرح اگر جمہور اہل علم حدیث مرسل پر فتویٰ دیں تو بھی وہ حجت ہے۔ ان شرائط کے باوجود امام شافعی ؒ حدیث مرسل سے مستنبط کو وہ درجہ نہیں دیتے جو کسی متصل حدیث سے ثابت شدہ کسی مسئلہ کو دیتے ہیں۔اسی طرح امام شافعی کبار تابعین ،جن کی بار ہا صحابہ کرام کے ساتھ ملاقاتیں ہوئی ہوں،کی مراسیل کے علاوہ دیگر مراسیل کو استنباط ِ احکام میں حجت تسلیم نہیں کرتے۔[30]

جبکہ فقہائے احناف حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں۔فقہا احناف میں سے بعض مرسل حدیث کو متصل سے قوی تسلیم کرتے ہیں۔اور اختلاف کی صورت میں مرسل کو ترجیح دیتے ہیں۔حدیث مرسل کی حجیت پر احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

احناف کے نزدیک مرسل حدیث کی حجیت پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔اس لیے کہ صحابہ کرام نے حضرت عبداللہ بن عباس کی بیان کردہ

---

[28]۔بعد میں اس قول سے رجوع کی روایات بھی ثابت ہیں۔جیسا کہ حاشية رد المحتار على الدر المختار میں نقل کیا گیا ہے : قوله

(ولا مسند له يقويه) أي ليس له دليل يقوي مدعاه لأن الإمام رجع إلى قولهما في اشتراط القراءة بالعربية لأن المأمور به قراءة القرآن وهو اسم للمنزل باللفظ العربي المنظوم الخاص المكتوب في المصاحف المنقول إلينا نقلا متواترا والأعجمي إنما يسمى قرآنا مجازا ولذا يصح نفي اسم القرآن عنه فلقوة دليل قولهما رجع إليه.(شامی،ابن عابدین ،العلامه المحقق المدقق السيد محمد امين افندی ، حاشيه ابن عابدين، الجزء الأول، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. بيروت. 1421ھ-2000م،ص484).

[29]۔سعید الخن ،مصطفیٰ ، ڈاکٹر ، فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر ،(مترجم :حافظ حبیب الرحمن) ،شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ،جون ۲۰۰۲ء،ص۳۸۷

[30]۔ سعید الخن ،ص۳۰۵۔۳۰۶

احادیث کو استنباطِ احکام میں لیا ہے جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے چند احادیث ہی نبی کریم ﷺسے براہ راست سنی تھیں۔ان کی بیان کردہ احادیث میں سے بیشتر کا تعلق مراسیل سے ہے۔ جنہیں صحابہ نے حجت مانا۔

مزید یہ کہ تابعین احادیث کو بیان کرتے وقت صحابہ کا واسطہ حذف کر لیتے تھے۔صحابہ اور تابعین کا بلا کسی شرائط کے مراسیل کو حجت ماننا اجماع کی حیثیت رکھتا ہے۔

عقلی طور پر ایک عادل راوی اس وقت کسی حدیث کو براہ راست آپ ﷺ کی طرف منسوب کرے گا،جب اسے اس حدیث میں کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ احناف ان دلائل کی بنیاد پر مراسیل کو بلا کسی شرط کے حجت تسلیم کرتے ہیں۔[31]

اس اصول پر فقہائے احناف اور شوافع کے ہاں بہت سے فروعی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔مثلاً نماز کے دوران قہقہہ لگانے سے احناف کے نزدیک وضو اور نماز دونوں باطل ہو جاتے ہیں۔ دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا جنہوں نے نماز میں قہقہہ لگایا۔دار قطنی میں مذکور ہے :

> عن قتادة عن أبي العالية : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يصلي بأصحابه فجاء ضرير فتردى في بئر فضحك القوم فأمر رسول الله صلى الله عليه و سلم الذين ضحكوا أن يعيدوا الوضوء والصلاة.[32]
>
> حضرت قتادہ ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا شخص آیا اور کنویں میں گر گیا۔تو کچھ لوگوں نے (دورانِ نماز)قہقہہ لگایا،تو اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے قہقہہ لگایا وہ وضو اور نماز کو دہرا لیں۔

جبکہ امام شافعی کے نزدیک نماز کے دوران قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔اس لیے کہ وضو کے ٹوٹنے کا ذکر جس حدیث میں آیا ہے وہ مرسل ہے۔ابن قدامہ نے مغنی میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ جس چیز سے نماز سے باہر وضو نہیں ٹوٹتا ان سے نماز کے اندر بھی نہیں ٹوٹتا۔مزید یہ کہ قہقہہ ناپاکی نہیں ہے۔[33]

اسی طرح احناف کے نزدیک نفل روزہ رکھ کر توڑنے سے اس کی قضا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ دلیل میں حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ ؓ کو نفل روزہ توڑنے پر دوسرے دن قضا کرنے کا حکم دیا۔[34]جب کہ امام شافعی کے نزدیک نفل

---

[31]۔ سعید الخن ، ص۳۰۸

[32]۔ الدارقطني، علي بن عمر أبو الحسن ،سنن الدارقطني ، الجز ء الأول ، كتاب الطهارة، باب أحاديث القهقهة في الصلاة وعللها ،مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان ، الطبعة: الأولى، 1424هـ- 2004 م.

[33]۔ سعید الخن ، ص۳۰۹

[34]۔عن عائشة قالت أهدي لي ولحفصة طعام وكنا صائمتين فأفطرنا ثم دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا له يا رسول الله إنا أهديت لنا هدية فاشتهيناها فأفطرنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا عليكما صوما مكانه

روزہ رکھ کر توڑنے سے روزہ کی قضا نہیں ہے۔ جس حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے وہ مرسل ہے۔[35]

خبر واحد سے استدلال

خبر واحد اگر قیاس کے مخالف ہو تو خبر واحد پر عمل کیا جائے گا یا قیاس پر عمل کیا جائے گا۔اس بارے میں امام شافعی اور اما م احمد بن حنبل سمیت جمہور محدثین کے نزدیک اس صورت میں قیاس کو چھوڑ کر خبر واحد پر عمل کیا جائے گا۔ جب کہ احناف کے نزدیک خبر واحد اگر قیاس کے مخالف ہو اور اس کا راوی فقیہ نہ ہو تو خبر واحد کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔شرح جمع الجوامع للمحلیٰ کے مطابق ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے اور صحابہ کرام کا حدیث بالمفہوم بیان کرنے کا رواج تھا۔ اس سے اس بات کا شبہ ہو سکتا ہے کہ راوی اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے قول کو صحیح طر ح سے ضبط نہ کر سکا ہو۔ جب کہ قیاس میں اس طرح کا شبہ نہیں ہو تا۔دوسری دلیل یہ کہ خود صحابہ کرام خبر واحد پر قیاس کو ترجیح دیتے تھے ،جیسا حضرت عبداللہ بن عباس نے جب ابوھریرہ کی حدیث سنی کہ جس چیز کو آگ پر پکایا گیا ہو اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔تو حضرت عبداللہ بن عباس نے اس خبر واحد کو اس قیاس کی وجہ سے رد کر دیا کہ اگر کوئی شخص گرم پانی سے وضو کرے گا تو اس کا بھی وضو ٹوٹ جائے گا؟ جو ظاہر ہے نہیں ٹوٹتا۔اسی طرح احناف کے نزدیک صحابہ کرام میں قیاس کی حجیت پر اجماع ہے۔[36]

ایک دلیل یہ ہے کشف الاسرار علی البزدوی کے مطابق قیاس خبر واحد سے زیادہ ثابت ہے۔خبر واحد میں اس بات کا شائبہ ہے کہ راوی جھوٹا ہو اسے بھول ہو گئی ہو۔جبکہ قیاس میں ایسا نہیں ہے۔تو قیاس کو ترجیح ہو نی چا ہیے۔[37]

اسی طرح ایسی حدیث جس میں راوی کا اپنا عمل اس حدیث کے خلاف ہو تو وہ حدیث احناف کے نزدیک حجت نہیں ہو گی۔ جب کہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک مذکورہ حدیث بھی قابل حجت ہے۔[38]

اسی طرح احناف حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ نماز میں قہقہہ والی حدیث ،جس کے مطابق مصلی دوران نماز قہقہہ لگائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس حدیث پر عامل ہیں۔حالاں

يوما آخر.(أبوداود،سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السجستاني،سنن أبي داود،كتاب الصوم،باب من رأى عليه القضاء،دارالسلام للنشروالتوزيع،الرياض، الطبعةالأولیٰ1420ھ1999م،حديث:٢٤٥٧،ص٣٥٦).

[35]۔ سعيد الخن ، ص٣٢٠

[36]۔ سعيد الخن ، ص٣١٦۔٣٢٠

[37]۔ علاء الدين البخاري، عبد العزيز بن أحمد بن محمد، كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، دار الكتب العلمية –بيروت، الطبعة الأولى 1418هـ/1997م،جلد٣،ص٤٠٢.

[38]۔ سعيد الخن ، ص٣٣٩

کہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ اسی طرح اگر سفر میں پانی میسر نہ ہو تو نبیذ سے بھی وضو کیا جا سکتا ہے۔ اس ضعیف حدیث کو بھی احناف نے قیاس کے مقابلے میں لیا ہے۔[39]

اجماع سے استدلال

ارشاد الفحول کے مطابق اجماع کی تعریف یہ ہے کہ ''رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کسی دور میں کسی مسئلہ پر امت محمدیہ کا اتفاق ہو جائے۔''[40]

اجماع تمام جمہور فقہا کے نزدیک حجت ہے۔سوائے امامیہ اور بعض خوارج کے، کہ وہ اجماع کو حجت نہیں مانتے۔ اسی طرح جمہور کے مابین اجماع کے بعض قواعد کے حوالے سے اختلاف ہے۔مثلاً امام مالک کے نزدیک اجماع اہل مدینہ حجت ہے۔جب کہ دوسرے فقہا اس کو حجت نہیں مانتے۔ اس لیے کہ اس دور کے تمام مجتہدین کا متفق ہونا ضروری ہے۔[41]

قیاس سے استدالال

قاضی ابو بکر کے نزدیک قیاس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی حکم موجود نہ ہو تو اس جیسے معلوم حکم کے مسئلے سے مشترکہ علت کی بنا پر غیر معلوم مسئلے پر حکم لگانا قیاس کہلاتا ہے۔

اہل ظواہر کے مطابق قیاس پر عمل عقلاً جائز ہے ،شرعاً جائز نہیں ہے۔ جبکہ صحابہ ،تابعین،فقہائے مذاہب اربعہ کے نزدیک قیاس پر عمل عقلاً اور شرعا ًجائز ہے۔[42]

امام ابو حنیفہ قیاس کے ذریعے سے احکام مستنبط کرتے تھے۔اور جہاں قیاس نہ ہو سکتا ہو،تو استحسان کے مطابق مسائل کا حل ڈھونڈتے تھے۔اور استحسان مناسب نہ ہو تو تعامل الناس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔[43]

قول صحابی سے استدلال

محدثین کے نزدیک صحابی وہ شخص ہے جس نے حالتِ ایمان میں نبی کریمﷺ کی زیارت کی ہو اور حالت ایمان میں اس کی وفات ہوئی ہو تو وہ صحابی کہلاتا ہے۔جبکہ علمائےاصول کے نزدیک صحابی وہ شخص کہلاتا ہے جس نے حالت ایمان میں نبی کریمﷺ کو دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی طویل صحبت اٹھائی ہو۔ موضوع بحث میں قول صحابی سے مراد مؤخر الذکر تعریف کے مطابق صحابی ہے۔

---

[39] ۔خلیل الدمشقی ،شمس الدین یوسف بن خلیل و یوسف بن عبدالهادی ،الحافظان،دار الفرفور دمشق، الطبعة الأولی ،۲۰۰۱ء،ص۱۵.

[40] ۔سعید الخن ،ص۳۵۷

[41] ۔ سعید الخن ،۳۵۹

[42] ۔ سعید الخن ،ص۳۷۳۔۳۷۲

[43] ۔خلیل الدمشقی ،ص١٦

قول صحابی کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ علامہ آمدی کے مطابق تما م علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجتہادی مسائل میں قول صحابی دوسرے صحابی کے لیے حجت نہیں ہے۔اب صحابہ کے بعد تابعین و بعدہ کے لیے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔اس بارے میں اشاعرہ،معتزلہ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق قول صحابی حجت نہیں ہے۔جبکہ امام شافعی کے ہی ایک قول کے مطابق قول صحابی حجت ہے اور قیاس پر مقدم ہے۔[44]
احناف کے نزدیک اگر کوئی مسئلہ مدرک بالقیاس ہو تو اس صورت میں صحابی کی تقلید واجب نہیں۔ایسی صورت میں قول صحابی بھی قیاس کی مانند ہے،لہذا قیاس سے مابین تعارض کی صورت میں کسی ایک کو تحرّی کی بنا پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔[45]

استصحاب سے استدلال

کشف الأسرار میں استصحاب کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے : الذي هو ليس بدليل أو يشتبه حاله أي يجوز أن يكون مبنيا على دليل.[46] استصحاب کی حجیت کے حوالے سے فقہا کے مابین اختلاف ہے۔علامہ آمدی کے بقول جمہور فقہائے احناف استصحاب کو حجت نہیں مانتے۔جبکہ بعض فقہائے شافعیہ اسے حجت مانتے ہیں۔ اس اصولی اختلاف کی وجہ سے بہت سے مسائل میں احناف اور شوافع کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔جس میں گم شدہ شخص کی میراث کا مسئلہ،شفعہ کرنے والےسے ملکیت کے ثبوت پر گواہوں کا مطالبہ نہ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔[47]

مصالح مرسلہ سے استدلال

مصالح کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم :و ہ مصالح جن کا شریعت اعتبار کرتی ہے اور اس حوالے سے شرعی دلیل بھی موجود ہوتی ہے۔اس میں مصالح ضروریہ،حاجیہ اورتحسینیہ شامل ہیں۔

دوسری قسم : وہ مصالح جن کا شریعت نے بالکل اعتبار نہیں کیا۔ اور یہ لغو ہیں۔جیسے خودکشی سے کسی کو وقتی فائدہ مل سکتا ہے،لیکن شریعت نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔اس قسم کی مصالح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تیسری قسم : وہ مصالح جن کے جواز اور عدم جواز پر شریعت خاموش ہے۔یعنی کوئی دلیل موجود نہیں۔اس مصالح میں فقہا کا اختلاف ہے۔

امام مالک ؒ مصالح مرسلہ کا اعتبار کرتے ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ اس کا اعتبار نہیں کرتے۔لیکن ان فقہا کے اجتہادی احکامات میں مصالح مرسلہ کا لحاظ کیا ہے۔ جیسے فقہ حنفی میں مصالح مرسلہ کی دو شکلیں

---

[44]- سعيد الخن ،ص۵۲۷۔۵۲۸
[45]- علاء الدين، عبد العزيز بن أحمد بن محمد، كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، دار الكتاب الإسلامي، باب المعارضة، حكم المعارضة بين آيتين، الجلد الثالث،ص۷۸.
[46]- علاء الدين،۹۹.
[47]- سعيد الخن ، ص۵۳۷۔۵۳۸

ہیں جنہیں عرف اور استحسان کہا جاتا ہے۔ان کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ دونوں مصالح مرسلہ ہی ہیں۔ جیسے کسی زندیق کو گرفتار کر لیا جائے تو گرفتاری کے بعد توبہ کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ اس کو قتل کیا جائے گا۔(درمختار) یہ مسئلہ بھی مصالح مرسلہ میں سے ہے۔ تو فقہا کسی نہ کسی طور پر مصالح مرسلہ کا اعتبار کرتے ہیں اگرچہ صراحتا امام مالک کے علاوہ کوئی فقیہ اس کو مصادر شریعہ میں شامل نہیں کرتا۔[48]

۲۔اہل حدیث

اہل حدیث اپنے آپ کو اہل ظاہر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔مذہب ظاہری کے بانی ابو سلیمان داؤ د بن علی الظاہری ہیں۔۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔اس مذہب کو پھیلانے والے اور مرتب کرنے والے علامہ ابن حزم ہیں،جن کی فقہ پر کتاب المحلی اور اصول فقہ پرالأحکام في أصول الأحکام مشہور ہیں۔امام داؤد ظاہری پہلے شافعی المسلک تھے۔ بعد میں انہوں نے مستقل ظاہری مذہب کی بنیاد رکھی۔[49]

برصغیر میں اہل حدیث کا آغاز

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے دور میں بہت سی مذہبی اصلاحات کیں۔ان میں سے ایک عدم وجوب تقلید کا مسئلہ بھی تھا۔حضرت شاہ ولی اللہ اس بارے میں مجتہد کو اس بات کا حق دیتے ہیں کہ وہ مسائل میں چاروں ائمہ میں سے جس قول کو چاہے دلیل کی بنیاد پر اختیار کر سکتا ہے۔مزید یہ کہ کسی ائمہ کے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث ملے تو وہ حدیث کی پیروی کرے اور امام کے قول کو ترک کردے۔سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے،شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز کی مذہبی اصلاحات سے متاثر ہو کر صراط مستقیم اور دیگر کتابیں تصنیف کیں۔ادھر شیخ محمد عبدالوھاب بھی مذہبی اصلاحات میں مصروفِ عمل تھے۔ اور ان دونوں کے مقاصد میں قدرے اشتراک پایا جاتا تھا۔سید احمد شہید جب حج کے لیے گئے تو انہیں شیخ محمد عبدالوھاب کی اصلاحی سرگرمیوں کا علم ہوا۔اس دوران وہ اور ان کے رفقاء ان سے متاثر ہوئے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی وفات کے بعد ان اختلافات کو مزید فروغ ملا اور ان کے کئی معتقدین نے شیخ محمد عبدالوھاب کے خیالات کا اتباع کیا۔اور غیر مقلد یا اہل حدیث مشہور ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند میں اہل حدیث کے مشہور علما میں نواب صدیق حسن، سید نذیر حسین وغیرہ شامل ہیں۔[50]

---

[48]۔ سعید الخن ،ص۵۴۷۔۵۵۲

[49]۔ الزھیلی ،وھبۃ ،الدکتور ، الاستاذ، الفقہ الاسلامی و ادلتہ ، ۲۰۱۲ء (مترجم :مفتی ارشاد احمد اعجازو مفتی ابرار حسین)،جلد ۱ ، دارالاشاعت کراچی پاکستان،ص۶۰

[50]۔ اکرام ،شیخ محمد ، موج کوثر ،جون ۲۰۰۳ء ،ص۶۱۔۶۸

ماخذ شرعی

اہل حدیث کے ماخذ و مصادر شرعی چار ہیں۔قرآن ،حدیث وسنت،اجماع اور قیاس۔چنانچہ محمد اسحاق بھٹی قرآن مجید کےماخذ ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں :

> چھوٹے بڑے معاملات، امیر و مامور سے تعلقات،رعی و رعیت سے روابط،غلام و آزاد سے مراسم،مسلم و غیر مسلم سے میل جول،جنگ و جہاد کی نوعیت،غرض اسلوب حیات کے تمام گوشوں کا قرآن مجید میں کسی نہ کسی طریقے سے ذکر کیا گیا ہے۔کوئی بات توضیح و تصریح سے بیان کی گئی ہےاور کوئی اجمال و اختصار کا پہلو لیے ہوئے ہے۔بعض امور سے متعلق اشارات و کنا یا ت کا پیرائیہ اظہار اس درجہ دل ربا و دلکش ہے کہ اس میں فصاحت و بلاغت بھی ہے اور وہ تمام خوبیاں بھی بدرجہ اتم اس میں سمٹ آئی ہیں جو مخاطب کو اپنی طرف کھینچتی اور اس کے قلب و ضمیر پر اثر انگیزی کے نقوش مرتسم کرتی ہیں۔[51]

اہل حدیث کے ہاں دوسرا ماخذ شرعی حدیث و سنت ہے۔ان کے ہاں شریعت اسلامی میں حدیث و سنت کو نص قطعی کی حیثیت حاصل ہے۔اسلامی معاشرے کی تشکیل کی بنیاد آپﷺ کے اقوال و افعال ہی ہیں۔اور مسائل میں ان ہی سے استنباط کیا جائے گا۔ اسی لیے وہ حدیث و سنت کو دلیل قطعی قرار دیتے ہیں۔اور اس کے مقابل کسی اور کے قول کو ہر گز مستدلّ قرار نہیں دیتے۔[52]

اہل حدیث کے نزدیک اجماع اور قیاس بھی ماخذ شرعی ہیں۔ان کے نزدیک ماخذ شرعی بالترتیب قرآن،سنت ، اجماع، قیاس ہیں۔ انہیں چھوڑ کر وہ کسی دوسرے راستے کی طرف نہیں جاتے۔ اس ترتیب کے مطابق ماخذ شرعی کی اصل بنیاد تو قرآن و سنت ہی ہے لیکن اجماع اور قیاس بنیادی طور پر اسی قرآن وسنت کے احکام کی توضیح اور نئے مسائل کے استنباط کا منہج ہے۔[53]

ائمہ فقہ کے بارے میں اہل حدیث کے نقطہ نظر کے حوالے سے اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ اہل حدیث ،فقہا اور ائمہ کرام کے بارے میں اپنے دل میں کوئی کینہ اور بغض نہیں رکھتے۔ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو انہوں نے مختلف ادوار میں حالات و واقعات کے ضمن میں سر انجام دیں۔[54]

---

[51]۔ بھٹی ،محمد اسحاق ،برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ، ، مکتبہ قدوسیہ ،،اردو بازار لاہور ،2004ء ،ص١٦٢۔١٦٣

[52]۔ بھٹی،ص١٦٣

[53]۔ بھٹی، ص١٦٨

[54]۔ بھٹی ، ص١٦٦

لیکن اہل حدیث کے ہاں حق و صداقت کسی خاص فقہ میں مقید نہیں ہے۔ لیکن وہ فقہ کی اہمیت اور فقہا کی جانب سے تدوین فقہ کے کام کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے خیال میں حق کسی خاص فقہ میں محدود نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حق رائج فقہی مذاہب میں سے ہر ایک میں ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کے ہاں چار فقہی مذاہب مشہور ہیں۔ بلکہ وہ اس حد تک بھی جاتے ہیں ، کہ کسی مسئلے میں حق ان چاروں فقہی مذاہب کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔عام طور پر صحیح بخاری اور ائمہ اربعہ میں سے کسی سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔[55]

۳۔شیعہ اثنا عشری (امامیہ)

اہل تشیع کی اکثریت اثنا عشری شیعوں پر مشتمل ہے۔اہل تشیع کا عقیدہ ہے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت اور مرجعیت علمی حضرت علی اور ان کی اولاد کا حق ہے۔اس لیے کہ ان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ائمہ اہل بیعت کی تعداد بارہ ہے۔اہل تشیع کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب خلیفہ اول ابو بکر صدیق ؓ بنے تو اس موقع پر انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اس پر احتجاج کیا۔جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی اکثریت سے علاحدہ ہو گئے۔اسی طرح اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں ظاہری تعلیمات کے ساتھ ساتھ روحانی زندگی کے اصول بھی موجود ہیں جنہیں قیامت تک منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔لیکن ان کا علم اہل ِبیت سے حاصل کرنا ضروری ہے۔[56]

اہل تشیع کے مطابق خلفائے راشدین کے دور میں ان پر کسی حد تک سختی کا معاملہ رہا۔بعد میں بنو امیہ کے زمانے میں ان پر سختیاں مزید بڑھ گئیں۔ دوسری صدی ہجری میں بنو عباس کی حکومت میں ان کے لیے حالات کافی حد تک ساز گار ہو گئے ،لیکن تیسری صدی ہجری کے اختتام پر ان کی مشکلات میں پھر اضافہ ہو گیا۔چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں شیعوں کو بڑھنے کا موقع ملا اور انہوں نے کافی قوت حاصل کی۔ساتویں صدی ہجری میں صلیبی جنگیں جاری رہیں اور مسلمان حکومتیں جنگوں میں مصروف رہیں جس کی وجہ سے اہل تشیع پر سختیا ں نہیں کی گئیں۔اس دوران میں ایران میں منگول فرمانرواؤں و دیگر نے شیعہ مذہب قبول کر لیا۔ جس کی وجہ سے شیعہ ایران اور دوسرے اسلامک ممالک میں مضبوط ہوتے گئے۔دسویں صدی کے آغاز میں صفویوں کی حکومت میں شیعہ ایران کا سرکاری مذہب بن گیا۔اور اس وقت بھی ایران میں شیعہ سرکاری مذہب ہے۔[57]

---

[55]۔ بھٹی ، ص۱٦٤

[56]۔طباطبائی ،محمد حسین ، علامہ ،پاسدارانِ اسلام ، مترجم :محمد فضل حق ،مطبع :شاہین پیکجز کراچی ،جامعہ تعلیمات ِاسلامی پاکستان ص۱۱۴۔۱۱۵

[57]۔ طباطبائی ،ص۱۱٦۔۱۱٤

شیعہ اثنا عشریہ (امامیہ) بارہ اماموں کو مانتے ہیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

1. حضرت علی ابن ابی طالبؓ
2. حضرت حسن ابن علیؓ
3. حضرت حسین ابن علیؓ
4. حضرت علی ابن حسینؒ
5. حضرت محمد ابن علیؒ
6. حضرت جعفر ابن محمدؒ
7. حضرت موسی ابن جعفرؒ
8. حضرت علی ابن موسیٰؒ
9. حضرت محمد ابن علیؒ
10. حضرت علی ابن محمدؒ
11. حضرت حسن ابن علیؒ
12. حضرت محمد ابن حسن[58]

شیعہ اپنے بارہویں امام کو مہد ی موعود سمجھتے ہیں۔ان کے مطابق جب بارھویں امام امامت کے منصب پر فائز ہوئے تو انھوں نے عام لوگوں سے پوشیدگی اختیار کی۔اور بعض خاص موقعوں پر اپنے نائبین کے سامنے آنا ہوتا تھا۔ ان کے نائبین میں عثمان ابن سعید عمری،محمد ابن عثمان، ابولقاسم حسین ابن روح نو بختی اور آخر میں علی ابن محمد سمری تھے۔ان نائبین کے ذریعے سے وہ شیعوں کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔آخری نائب کے انتقال کی اطلاع آخری امام نے دے دی تھی اور یہ کہ ان کے انتقال کے بعد نیابت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔آخری امام کا اس طرح عام لوگوں سے پوشیدہ رہنا اور بعض خاص موقعوں پر نائبین کے سامنے آنا غیبت صغریٰ کہلاتا ہے۔جب کہ آخری نائب کے انتقال کے بعدغیبت کبریٰ کا آغاز ہو ا یعنی امام نے مکمل پوشیدگی اختیار کر لی جو اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اللہ دوبارہ ظاہر ہونے کی اجازت نہ دے۔اسی لیے اہل تشیع انہیں مہدی موعود کہتے ہیں ،یعنی ان کے بارے میں وعدہ ہے کہ وہ قیامت کے وقوع ہونے سے پہلے دوبارہ ظاہر ہوں گے اور دنیا سے ظلم کا خاتمہ کریں گے۔[59]

اہل تشیع اپنےائمہ کو ویسے ہی معصوم سمجھتے ہیں جیسے کہ انبیا علیہ السلام معصوم ہوتے ہیں۔اور دلیل میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں :

﴿قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًاۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِيۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِي ٱلظَّٰلِمِينَ﴾ (۱۲۴:۲)

---

[58]۔ طباطبائی ،ص۲۴۰۔۲۴۱

[59]۔ طباطبائی ،ص۳۰۵۔۳۰۶

مزید یہ کہ یہ تمام ائمہ علوم و صفات کے لحاظ سے سارے زمانے میں فوقیت رکھتے ہیں۔[60]

مذہبی فکر

اہل تشیع کے نزدیک اسلام کے الہامی دین کا واحد ماخذ قرآن مجید ہے۔اور تین طریقوں سے قرآن مجید کی مذہبی فکر کو سمجھا جائے گا۔ان میں دین کے ظاہری پہلو (شریعت)،عقلی دلائل اور روحانی ادراک کا وہ راستہ شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبراری میں اخلاص سے حاصل ہوتا ہے۔[61]

ان تین طریقوں میں سے پہلا طریقہ یعنی ظاہری پہلو تو عوام الناس کے لیے ہے۔لیکن بقیہ دونوں پہلو صرف خواص کے لیے ہیں۔چناں چہ علامہ طباطبائی لکھتے ہیں :

> دین کے ظواہر کا راستہ اسلام کے اصولوں اور وظائف کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور اس کے نیتجے میں اسلام کے اعتقادات اور رسوم کی حقیقت اور اسلامی علوم ،اخلاقیات اور فقہ وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس راستے میں اور دوسرے دو راستوں میں فرق ہے عقلی طریقہ ایمان،اخلاقیات اور عملی معاملات پر مشتمل عام اصولوں سے مربوط مسائل کا پتا تو چل سکتا ہے لیکن ان مخصوص دینی احکام کا پتا چلانے سے قاصر ہے جو قرآن و سنت میں دیے گئے ہیں،چونکہ نفس امارہ کے تزکیے کا راستہ انسان کی رہنمائی ،خداداد اور روحانی حقائق کی دریافت کی جانب کرتا ہے لہذا اس الٰہی تحفے سے جو نتائج بر آمد ہوتے ہیں ان کی کوئی حد اور کوئی حساب نہیں ہے۔جن لوگوں نے یہ علم حاصل کر لیا ہے وہ اللہ کے علاوہ ہر چیز سے ناطہ توڑ لیتے ہیں اور براہ راست اللہ جل شانہ کے زیر ہدایت اور زیر تسلط ہوتے ہیں۔پھر ان پر وہ چیز ظاہر کی جاتی ہے جو اللہ چاہتا ہے نہ کہ وہ چیز جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔[62]

اسی طرح اہل تشیع حدیث کو بھی دینی ماخذ سمجھتے ہیں لیکن اس میں صرف وہ احادیث معتبر مانتے ہیں جو اہل بیت کے ذریعے سے حاصل ہوں چناں چہ علامہ الغطاء فرماتے ہیں :

> اگر حدیث رسول ’’اہل بیت اطہارؑ کی وساطت سے ملے گی تو لائق اعتبار ‘‘ ورنہ ناقابل تسلیم !غیر معتبر! ابو ہریرہ،سمرہ بن جندب،مروان بن حکم،عمران ابن حطان خارجی،اور عمر و بن عاص وغیرہ کی روایات کی ہمارے ہاں کوئی وقعت نہیں۔[63]

60۔الغطاء،شیخ محمد حسین آلِ کاشف،آیۃ اللہ ،ادارہ تمدنِ اسلام ،۱۹۸۶ء،مترجم :حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید ابن حسن نجفی ، اصل و اصول شیعہ،ص۱۱۹

61۔ طباطبائی ،ص۱۲۲

62۔ طباطبائی ،ص۱۲۷۔۱۲۸

63۔الغطاء ،ص۱۶۱

اسی طرح اہل تشیع اجتہاد کے بھی قائل ہیں۔ البتہ قیاس کو وہ حجت نہیں مانتے۔ان کے ائمہ کے مطابق اگر شرعی معاملات پر قیاس آرائیاں ہوں گی تو دین کا حلیہ بگڑ جائے گا۔[64]

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ قیاس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کسی مسئلے کے حوالے سے صریح حکم موجود نہ ہو۔ اہل تشیع کے ہاں امامت کا عقیدہ موجود رہا ہے۔اور ائمہ ان کے نزدیک انبیا ء کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔ تو کسی مسئلہ کے بارے میں جب کتاب و سنت میں صریح حکم موجود نہ ہو تو اہل تشیع کے ہاں ائمہ کا فیصلہ قابل حجت ہو گا۔ چوتھی صدی ہجری کے ربع اول تک تو ان کے ہاں باقاعدہ امام موجود رہے ہیں۔پھر (329ھ) سے بارہویں امام کی غیبوبت کبریٰ ہوئی۔لیکن ان کے ہاں مجتہد وغیرہ موجود ہوتے ہیں جو انہیں مسائل میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔لہذا وہ قیاس کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔

اہل تشیع کے نزدیک مذہب کے بنیادی طور پر دو گوشے ہیں ایک علم اور دوسرا عمل۔وہ مسائل جن کا تعلق عقل سے ہوتا ہے وہ علم کہلاتے ہیں اور انہیں اصول دین کہا جاتا ہے۔ اہل تشیع کے ہاں اصولِ دین پانچ ہیں ،توحید، نبوت، امامت، عدل اور معاد۔اور جن مسائل کا تعلق جسم سے ہوتا ہے وہ عمل کہلاتے ہیں۔[65]جبکہ عمل کے اعتبار سے مکلف کا کوئی عمل واجب،حرام ،مستحب، مکروہ،مباح میں سے کسی نہ کسی دائرہ میں شامل ہو گا۔[66]

حاصلِ کلام

اس باب میں فقہ اسلامی کا آغاز و ارتقاء بیان کیا گیا۔مختلف ادوار میں فقہ اسلامی کی تدوین کیسے ہوئی،فقہا کے مابین اختلاف کن وجوہات کی بنا پر تھے،ان کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد اس بات کا جائز ہ پیش کیا گیا کہ باقاعدہ فقہی مذاہب کا ظہور کب سے ہوا،اور اس دوران فقہا کرام نے کن اسالیب پر فقہ کی تدوین کی۔مختلف مذاہب کی ترویج کا عمل کیسے ہوا۔ اس کے بعد یہ بات بیان کی گئی کی طریق تخریج اور طریق تتبع حدیث کی کیا اہمیت ہے اور ان کے مابین مطابقت کیوں کر پیدا کی جا سکتی ہے۔بعد ازاں پاکستان میں رائج فقہی مذاہب کا مختصر جائز ہ پیش کیا ،جس میں فقہ حنفی ،اہل حدیث اور شیعہ شامل ہیں۔

فقہا کے مابین مختلف مسائل میں اختلاف کے ضمن یہ بات سامنے آئی کہ ان کے درمیان اختلاف ان مضبوط اصولوں کی بنا پر ہے جو صدر اول سے چلے آ رہے ہیں۔اور یہ اختلاف دینِ اسلام کا حسن ہیں اور علم فقہ کی وسعتوں اور زمانے کے ساتھ اس کے امتزاج کا ذریعہ ہیں۔ان

---

[64]۔ الغطاء ،ص۱۶۰۔۱۶۱

[65]۔ اصل و اصول شیعہ ،ص۱۲۷

[66]۔ الغطاء ،ص۱۵۵۔۱۵۶

میں سے بیشتر کا تعلق فروعی نوعیت سے ہے۔ جس میں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔اور بنیادی مسائل میں سے اکثر متفق علیہ ہیں۔ دور حاضر میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم متفق علیہ مسائل پر زیادہ توجہ دیں اور دعوت و تبلیغ میں انہی کو موضوع بحث بنائیں۔اور جہاں اختلافی آراء ہوں ان میں ایک دوسرے کا احترام اور وسعت قلبی کا مظاہر ہ کرنا چاہیے۔

جہاں تک پاکستان کے فقہی مذاہب کا تعلق ہے،تو فقہ حنفی اور اہل حدیث کے مابین آئین سازی کے بنیادی اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح اہل تشیع کے ساتھ کچھ بنیادی نوعیت کا اختلاف ضرور ہے لیکن یہ اختلاف اسلامی قانون سازی میں کبھی حائل نہیں ہو گا۔اس کی کئی مثالیں ہمیں اسلاف سے بھی ملتی ہیں۔اور عصر رواں میں شریعتِ اسلامی کی تنفیذ میں ان کے متفقہ لائحہ عمل سے بھی اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے۔

تیسرا باب

تیسرا باب

دستور پاکستان میں شامل ہونے والی متفقہ مذہبی دفعات میں مسالک و مکاتب فقہ کا کردار

تمہید

اس باب میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تدوین اور اس میں شامل ہونے والی اسلامی دفعات میں متفرق مکاتب فکر کے کردار کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ آئین پاکستان کی تدوین میں مکاتب فکر کا کردار دو طرح کا تھا۔اول دینی جماعتوں کے وہ ارکان جو دستور ساز اسمبلی کے ممبر تھے اور ثانی وہ علما اور دینی سکالر جو دستور ساز اسمبلی کے ممبر تو نہ تھے لیکن انہوں نے تحریر، تقریر اور ذاتی رابطوں کے ذریعے اسلامی دفعات شامل کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ہم اس باب میں اول الذکر کو موضوع بحث بنائیں گے۔یعنی ان علما اور دینی جماعتوں کے کردار کو واضح کریں گے جو دستور ساز اسمبلی کے ممبر تھے۔اور ۱۷/اپریل ۱۹۷۲ء کو مسودۂ آئین کے لیے بنائی جانے والی کمیٹی سے لے کر ۱۰/اپریل ۱۹۷۳ء کو دستور پاکستان کی منظوری تک ان کا کیا کردار رہا۔ کون کون سی کیا تجاویز و ترامیم ان کی جانب سے پیش کی گئیں۔مؤخر الذکر پہلو بھی بڑا اہم ہے۔ امید ہے اہل علم میں سے کوئی اس پہلو پر قلم اٹھائے گا۔

دینی جماعتوں کے ارکان اسمبلی

پانچویں قومی اسمبلی ۱۴/اپریل ۱۹۷۲ء تا ۱۰/جنوری۱۹۷۷ء کو دینی جماعتوں کے۲۰ارکان شامل تھے۔ جن میں جمعیت علمائے اسلام کے مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک، مولانا عبدالحکیم، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا نعمت اللہ، مولنا مفتی محمود، مولانا صدر الشہید، مولانا عبدالحق جے یو آئی (حقیقی)،جماعت اسلامی کے مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، پروفیسر غفور احمد، صاحبزادہ صفی اللہ، خواجہ غلام سلیمان، جمعیت علماپاکستان کےمہر غلام حیدر بھرونہ، صاحبزادہ محمد نذیر سلطان، میاں محمد ابراہیم برق، مولانا سید محمد علی رضوی، مولانا عبد المصطفیٰ الازہری، نور العارفین،مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی،آزاد امید وار مولانا ظفر احمد انصاری اورمولانا محمد ذاکر۔[1]

کمیٹی برائے تدوینِ مسودۂ آئین

۱۷/اپریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی نے وزیر قانون و پارلیمانی امور میاں محمد علی قصوری کی سربراہی میں ۲۵رکنی کمیٹی قائم کی جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ یکم اگست ۱۹۷۲ء تک آئینِ پاکستان کا ڈرافٹ تیار کرکے قومی اسمبلی میں پیش کرے۔مزید براں یہ طے کیا آئین ساز کمیٹی کے کورم میں کم از کم دس ارکان کا ہونا لازمی ہے۔ اس کمیٹی میں

[1]- National Assembly of Pakistan, 5TH NATIONAL ASSEMBLY FROM 1972-10TH JANUARY 1977 LIST OF MEMBERS & ADDRESSES, http://www.na.gov.pk/uploads/formermembers/5th%20National%20Assembly.pdf: visited: April, 15, 2016.

دینی جماعتوں کے مولانامفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کو نمائندگی دی گئی۔[2]

بعد میں اپوزیشن کے احتجاج پر ۵اکتوبر ۱۹۷۲ء کو میاں محمد علی قصوری نے کمیٹی کی سربراہی سے استعفیٰ دے دیا۔اس کے بعد۷اکتوبر ۱۹۷۲ءکو عبدالحفیظ پیرزادہ کو وزیر قانون و پارلیمانی امور مقرر کرکے کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا۔

پہلی فصل :اسمبلی مباحث(تدوین آئین)

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲/فروری ۱۹۷۳ء

۲/فروری ۱۹۷۳ء کو کمیٹی کے سربراہ عبدالحفیظ پیزادہ وزیر قانون پارلیمانی امور نے کمیٹی کی مشاورت سے تیار کردہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے آئینی بل پیش کیا تاکہ اس پر بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے سے منظور کیاجاسکے۔[3]

راقم کے خیال میں جو پچیس رکنی کمیٹی بنائی گئی کہ وہ مسودۂ آئین تیار کرے تو اس کے ہر اجلاس میں تمام اراکین کو موجود ہونا ضروری قرار دیا جاتا،سوائے یہ کہ ایک دوا راکان کسی امر ضروری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں۔ جب کہ محض دس ارکان میں موجودگی میں آئین کے مسودے کے اجلاس کو قانونی قرار دے دیا گیا۔اسی طرح اس مسودۂ کی تیاری میں دینی جماعتوں کے اراکین کی شرکت کو لازمی قرار دیا جاتا،اس لیے کہ ایک اسلامی دستور بنانے کے لیے ان ارکان کی معاونت لینا ناگزیر تھامسودۂ بل سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کی تیاری میں مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد اور مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔اس معاملے میں دینی جماعتوں کے ارکان کو آواز اٹھانی چاہیے تھی کہ مسودۂ بل کی تیار ی میں ان کے اراکین کی عملی شرکت کو یقینی بنایا جائے۔اس معاملے میں کوتاہی دینی جماعتوں کے قائدین کی نظر آتی ہے جنہیں اس معاملے پر بھرپور آواز اٹھانی چاہیے تھی۔اس لیے کہ مسودۂ آئین کی تیاری میں اگر مذکورہ دینی قائدین کی سفارشات کو نظر انداز کر دیا جاتا،تو یہ عوام کے سامنے پر اعتماد انداز میں کہہ سکتے تھے کہ حکومت متفقہ اسلامی آئین بنانے میں مخلص نہیں۔جس کے نتیجے میں عوامی دباؤ کے ذریعے سے حکومت ان قائدین کے مطالبات ماننے پر مجبور ہو جاتی۔

مسودۂ آئین پر بحث کے آغاز میں رکن قومی اسمبلی پروفیسر غفور احمد کی رائے تھی کہ جو لوگ ترامیم بھیجنا چاہیں وہ اجلاس سے دو دن قبل تک

---

[2] - National assembly Of Pakistan Debates , Official Report Monday ,The 17th April,1972,The Manager Of Publication, Karachi:1972,page 403,404

[3] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Friday, February 2, 1973,p.23-24

ترامیم بھیج دیں تاکہ سلسلہ وار ابواب پر ہم ترامیم کرتے رہیں۔بیک وقت تمام بل پر ترامیم دی جائیں گی تو ان سب کے ضیاع کا خدشہ ہے، لیکن پروفیسر غفور احمد کی بات نہیں مانی گئی۔[4]

یہ تجویز بہت معقول تھی اس لیے کہ بیک وقت پورے مسؤدے کی دفعات پر ترامیم یا بحث و مباحثہ ممکن نہیں ہوتا۔اور اس میں پیش کی جانے والی ترامیم بے نتیجہ رہتی ہیں۔ جیسا کہ آنے والی ترامیم و بحث و مباحثہ سے اندازہ کیا جا سکے گا۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲۱/فروری ۱۹۷۳ء

اسلامی مشاورتی کونسل میں دو تہائی علما کو شامل کیا جائے

مولانا محمد ذاکر نے ایوان میں موثر تقریر کی جس میں انہوں نے فرمایا کہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کے پاکیزہ مقصد کے لیے حاصل ہونے والے ملک پر اگر آغاز میں ہی متفقہ آئین بن جاتا تو جو مشکلات آج ہمیں دیکھنا پڑ رہی ہیں وہ نہ دیکھنا پڑتی۔ اسی طرح انہوں نے تجویز پیش کی کہ اسلامی مشاورتی کونسل میں دو تہائی مستند علما شامل ہوں جو حالات حاضرہ سے مکمل واقفیت رکھتے ہوں اور جنہیں دینی مہارت بھی ہو۔[5]

اسلامی مشاورتی کونسل کی بنیادی ذمہ داری ملک کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے حکومت کو مشورہ دینےکی حد تک ہے۔ اس لیے کونسل میں مستند علما کی اکثریت کا ہونا ناگزیر ہے۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین)۲۶/فروری ۱۹۷۳ء

اسلام سرکاری مذہب کی دفعہ کا تحفظ ضروری ہے

مولانا عبدالحکیم نے ۲۶/فروری ۱۹۷۳ء کو ایوان میں اپنے خطاب کے دوران فرمایا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسودہ دستور کی دفعہ۲میں اسلام کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دیاگیاہے۔اس دفعہ کا محافظ ہونا بھی ضروری ہے۔[6]

اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالحکیم نے کہا کہ اسلام کو سرکاری مذہب کی دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کے خلاف سازش میں ملوث پایا جائے۔ تو ایسی صورت میں یہ قابلِ سزا جرم ہو گا۔اس کو پولیس کے حوالے کیا جائے۔انہوں نے سعودی عرب کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ وہاں بھی مذہب کے خلاف سازش میں ملوث عناصر کو قرار واقعی سزا دی جاتی ہے۔ اور ہماری تاریخ بھی اس

---

[4] -Ibid.,p.28

[5]-Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making)Wednesday, February 21,1973,p.203-206

[6] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday February 26,1973,p.303

کی گواہ ہے کہ اسلام دشمن عناصر کو کڑی سزائیں دی جاتی ہیں۔جس طرح دیگر ممالک جیسے چائنا اور روس میں سوشلزم نظام نافذ ہے اب اس ملک میں کوئی آدمی سوشلزم کے خلاف کسی سرگرمی میں ملوث پایا جاتا ہے تو یہ قابل سزا جرم ہے۔ وہاں اس نظام کے خلاف قلم، تحریر ، تقریر وغیرہ پر مکمل پابندی ہے۔اور حکومت اس نظام کی محافظ ہے۔ اسی طرح جب ہمارے ملک میں اسلامی نظام نافذ ہے تو دیگر ممالک کی طرح ہمیں بھی اسلام کا محافظ بننا ہے۔اور اس کے خلاف کسی طرح کی سر گرمی ممنوع ہوگی۔اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت ترین سزا دی جائے۔[7]

مسودۂ آئین میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے اس دفعہ کا تحفظ یہی ہے کہ وضاحت کر دی جائے کہ کوئی قانون سازی مذہبِ اسلام کے خلاف نہیں کی جائے گی۔

غلامی اور بیگار کی ممانعت دفعہ۱۵

اسی طرح مولانا عبدالحکیم مسودہ آئین کی دفعہ۱۵کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس دفعہ میں غلامی اور بیگار کی ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ صرف اتنے الفاظ لکھ دینے سے اس کے مقاصد کو حاصل کر لیا جائے گا۔ اس کے لیے باقاعدہ طور پر صوبائی اسمبلیوں کو تفصیلات فراہم کی جائیں۔اس دستور میں وضاحت کے ساتھ لکھنا چاہیے کہ کو ئی آدمی یا گروہ اگر غلامی یا بیگار میں ملوث پایا گیا تو اس کے لیے عبرتناک سز ا کیا ہو گی۔اس لیے کہ کل کلاں کو کوئی بھی طاقتور اٹھ کر اس جرم کا ارتکاب کرے گا۔تو قانون میں اس کے لیے کوئی سزا نہ ہو تو وہ مزید اس پر جری ہو گا۔ لہذا بیگار کو ایک قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔اور اس دفعہ کو ایسا تحفظ دیا جائے تاکہ کوئی شخص یا گروہ آئین کے سقم کی وجہ سے قانون کی گرفت سے بری نہ ہو سکے۔[8]

مولانا عبدالحکیم نے مزید گفتگو کے دوران فرمایا کہ مسودہ دستور کی ایک دفعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ تواس میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ آج تک جو قوانین بن چکے ہیں۔اگر ان میں سے کچھ قوانین قرآن و سنت کے خلاف ہوں تو ان کے بارے میں کیا حکمت عملی ہو گی۔تو اس سلسلے میں ایک دفعہ میں اسلامی کونسل سات سال کے اندر ایسے قوانین کے بارے میں سفارشات مرتب کر کے پیش کرے گی۔ اس سلسلے میں ایک کام تو یہ کیا جائے کہ کسی قانون کو اسلامک کونسل میں بھیجنے کے لیے ہاؤس کے اراکان کی کوئی قید نہیں ہونی چاہیے کہ ارکان کی اکثریت اگر وہ قانون کے بارے میں یہ کہے کہ یہ غیر اسلامی ہے یا نہیں ، بلکہ

---

[7] -Ibid.,p.304

[8] -Ibid.,p.304-305

اگر کوئی ایک ممبر بھی کسی قانون کے بارے میں کہے کہ وہ غیر اسلامی ہے تو اسے بھی اسلامی کونسل کے پاس بھیجا جائے۔دوسری بات یہ کہ ہاؤس کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ اسلامی کونسل کے فیصلے کے مطابق اس قانون کو تبدیل کرے گی۔کیوں موجودہ دفعہ کے مطابق ہاؤس اسلامی کونسل کا فیصلہ آنے سے پہلے اس قانون کو پاس کر سکتی ہے۔اور فیصلہ آنے کے بعد اس پر عمل درآمد کی پابند نہیں۔ تو ایسی صورت میں تو یہ دفعہ ایک مذاق ہے۔ کہ ایک دفعہ کے ذریعے آپ اسلام کا تحفظ کر رہے ہیں۔اوراسی میں چور راستہ بھی رکھا ہوا ہے تا کہ شریعت پر عمل کو ترک کیا جائے۔ لہذا اس دفعہ کو تحفظ دیا جائے اور بیان کردہ سقم کو ختم کیا جائے۔اور کسی قانون کے قرآن و سنت کے خلاف ہونے کو کورٹ میں چیلنج کرنے کا اختیار بھی دیا جانا چاہیے جیسا کہ ہم مختلف معاملات میں عدالت سے رجوع کرتے ہیں۔[9]

اس ترمیم کے ذریعے مطالبہ کیا گیا ہے کہ غلامی او ر انسانوں کی خرید و فروخت کے لیے کڑی سزا رکھی جائے ،اس لیے کہ جب آپ کسی چیز کو ممنوع قراردیتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس ممنوع کا ارتکاب کرنے والے کو عبرتناک سزا دی جائے۔

حکومت جائیداد معاوضہ دے کر حاصل کرے

اسی طرح جائیداد حاصل کرنے کے بارے میں دفعہ کے متعلق مولانا عبدالحکیم فرماتے ہیں کہ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ گورنمنٹ کسی شہری سے جائیدار کو بلا کسی قیمت کے اور بغیر رضامندی کے حاصل کر سکتی ہے۔ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی حاکم نہیں ہو سکتا۔ان جیسی حکومت نہ آج تک دوبارہ قائم ہو ئی نہ ہو سکے گی۔انہوں نے مسجد نبوی کی زمین دو یتیم بچیوں کی رضامندی کے بغیر حاصل نہیں کی۔ہمارے لیے تو نبی کریم ﷺہر معاملے میں اسوہ ہیں۔اس لیے کہ کوئی بھی جابر و ظالم حکمران اس دفعہ کے ذریعے لوگوں کی جائیداد پر قابض ہو جائے گا۔اور یہ کہ حکومت اپنی عیاشیوں پر کتنی رقم خرچ کر لیتی ہے۔تو اس کے مقابلے میں ایک آدمی کی جائیداد کا اسے مناسب معاوضہ کیوں نہیں دیا جا سکتا۔[10]

دس افراد کے متفق ہونے کو پوری اسمبلی کی متفقہ رائے نہیں قرار دیا جا سکتا

مولانا ظفر احمد انصاری نے ۲۶/فروری۱۹۷۳ء کو ایوان میں خطاب کرتے ہوئے مسودہ دستور کے بارے میں سخت تنقید کی کہ بیالیس یا پنتالیس دفعات کے بارے میں کہا گیا ہےکہ یہ ایسی دفعات ہیں جن پر اتفاق ہوگیا، اور

---

[9] - Ibid.,p.306-307
[10] - Ibid.,p.315

اسمبلی میں پابندی ہے کہ اس پر بحث نہ کی جائے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ دس افراد کے اتفاق رائے کو پوری اسمبلی کا اتفاق رائے قرارنہیں دیاجاسکتا۔[11]
چونکہ مسودہ آئین کی تیاری کے لیے پچیس رکنی کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اور قواعد و ضوابط میں طے کیا گیا تھا کہ کمیٹی کا اجلا س کم ازکم دس ارکان کی موجودگی میں ہو نا چاہیے۔ تو کیا یہ دس ارکان کسی دفعہ پر اتفاق کر لیں تو کیا اس کو پوری اسمبلی کی متفقہ دفعہ نہیں کہا جا سکتا۔اس دفعہ کو بھی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں موضوع بحث بنایا جائے گا۔
مسودہ دستور پر مزید اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مسودہ کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہو ا کہ اس میں اکثر وہی دفعات ہیں جو ایک آمر ایوب خان کے دستور میں شامل تھیں۔اس دستور میں سارے اختیارات صدر کے بجائے وزیر اعظم کو منتقل کیے گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ پھر تو دستور بنانے کی ضرورت ہی نہیں تھی ،بلکہ ایک قرار دار کے ذریعے اسمبلی کو اختیار دیا جاتا کہ وہ وزیر اعظم کا انتخاب کرے اس کے بعد وزیر اعظم جیسا چاہے اسی طرح ملک چلائے حقیقت میں پہلے آمر صدر تھا اب آمر وزریر اعظم ہے۔ناموں کے بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلی جا سکتی۔ یہ مسودہ دستور بھی آمریت کا شاہکارہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم پچیس سالہ تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔اور ایسا نہ کریں کہ ہمارا طرز عمل آئندہ نسلوں کے لیے بھیانک ہو۔[12]
واقعتاً اس طرزِ عمل سے دستور ایک مذاق اور حکمرانوں کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا جو نظریہ پاکستان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے گا۔
جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ ۲۵رکنی کمیٹی میں سے دس افراد اگر کسی دفعہ پر اتفاق کر لیں تو اسے متفقہ دفعہ نہیں کہا جا سکتا۔اس لیے کہ وہ دس افراد ۲۵ ارکان کے نمائندہ نہیں ہو سکتے۔اس میں دینی جماعتوں کی نمائندگی محض نمائشی معلوم ہو تی ہے۔اس لیے کہ کمیٹی نے ان کی مشاورت کو مسودۂ دستور میں شامل نہیں کیا۔

دستور نظریاتی ہو نہ کہ آمرانہ

اس سلسلے میں انہوں نے گزارشات پیش کیں کہ دستور کو آمرانہ نہ بنایاجائے بلکہ اس کے اندر جمہوری حق دیا جائے۔ اسی طرح ہمارا دستور ہمارے نظریے کا عکاس ہونا چاہیے۔جس نظریے پر ہم نے اس ملک کو حاصل کیا۔وہ نظریہ اسلام ہے۔ گویا دستور میں نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کیا جائے۔اس لیے کہ ہمارے نوجوان یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ اگر یہاں بھی وہی روایات ہیں جو بھارت میں ہیں تو پھر پاکستان کو کیوں علاحدہ کیا گیا۔اتنی قربانیاں کن مقاصد کے لیے دی

---

[11] - Ibid.,p.339
[12] - Ibid.,p.343

گئیں۔اور اس دوران جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہوئی ہے۔اس دوران بہت سے لوگوں سے ایسی باتیں سننے کو ملی ہیں، جن کا ہم خدشہ ظاہر کر رہے ہیں۔ ہم نے اگر نظریہ پاکستان کو مقدم نہیں رکھا تو پاکستان کی بقا و سلامتی یقینی طور پر خطرے میں ہو گی۔اور ہم نے اسی نظریے میں کوتاہی کی وجہ سے مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھویا۔اب مزید غلطیوں کی گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ وہی قوم اپنے لیے کامیابی کے نئے راستے نکال سکتی ہے جو غلطیوں سے سبق سیکھتی ہے۔ آمرانہ دستور زیادہ عرصے تک نہیں چل سکتا۔اس لیے کہ عوام کا احساس محرومی بالآخر ملک کے لیے خطرناک ہو گا۔اورنتیجتاً اسی طرح دستور بنتے اور ٹوٹتے رہیں گے۔اسی طرح اس مملکت کے اجزا کو ایک انتظامی حیثیت دی جائے۔دستور کی تمہید میں قرار دادِ مقاصد موجود ہے۔جس کے مطابق اسلام کے عدل عمرانی کے مطابق دستور تشکیل دیا جائے گا۔ان اصولوں سے ہٹنا ،گویا نظریہ پاکستان سے بغاوت کے مترادف ہے۔[13]

معیشت کی بنیاد اسلام ہے

معاشی نظام کے حوالے سے مولانا ظفر احمد انصاری فرماتے ہیں کہ اسلام کے بتائے ہوئے اصولِ اقتصادیا ت ہی ہمارے معاشی نظام کی بنیاد ہوں گے۔ اور قائد اعظم نے بھی اسٹیٹ بنک کی افتتاحی تقریب سے خطاب کے دوران فرمایا تھا کہ مغرب کا معاشی نظام دنیا کو ایسے مسائل کی طرف دھکیل رہا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔اور بنک کی انتظامیہ دین ِ اسلام کے اصولوں کے مطابق معاشی نظام کو مرتب کرے گی۔اور میں خود اس کام کی نگرانی کروں گا۔اس لیے کہ اسلام کامعاشی نظام ہی دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔[14]

دین ِ اسلام کے نقطہ نظر سے کائنات کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اس لیے ہم دنیا میں اس کی ملکیت کو بطور امانت اور اس کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استعمال کرنے کے پابند ہیں۔اس لیے دین ِ اسلام نے ہمیں معیشت سے متعلق جو اصول دیے ہیں ہم انہی کی پیروی کریں گے۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲۷/فروری ۱۹۷۳ء

تعلیم کا محکمہ مرکز کے پاس ہو

۲۷/فروری۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی میں اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد انصاری نے نظام ِ تعلیم سے متعلق فرمایا کہ چوں کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔لہٰذا محکمہ تعلیم وفاق کے پاس ہونا چاہیے۔تا کہ ایک ہی طرح کا نظام ِ تعلیم پورے ملک میں رائج ہو۔اور اگر اس تجویز کو قبول نہیں کیا جاتا تو اتنا ضرور کیا جائے کہ ایک نیشنل

---

[13] - Ibid.,p.346-347

[14] - Ibid.,p.347-348

ایجو کیشن کمیشن یا نیشنل ایجوکیشنل کونسل بنائی جائے جو پورے ملک کے نظام ِ تعلیم میں نظریاتی و فکری رجحانات کا جائز لے کہ کوئی سرگرمی نظریہ ِ پاکستان کے مخالف تو نہیں۔ جس طرح اس ملک میں فنانس کمیشن ہے یا نیشنل اکنامک کونسل جیسے ادارے ہیں۔اسی طرح کا ادارہ تعلیم سے متعلق بھی ہو۔[15]
اسی طرح اس اجلا س میں مولانا ظفر احمد انصاری نے قرار داد مقاصد کے اصولوں کے مطابق پورا دستور بنانے پر زور دیا اور قراردادمقاصد جیسی دستاویز میں کمی بیشی یعنی الفاظ کے بڑھانے یا کم کرنے کی مخالفت کی۔[16]

دفعہ ۲۲۷کا تحفظ ضروری ہے

۲۷/فروری۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے خاص طور پر فرمایا کہ یہاں پر بات کی جارہی ہے کہ دستور سوشلزم کی بنیاد پر ہوگا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ سوشلزم پیپلزپارٹی کا نعرہ ہے۔ یہاں پر دستور پورے پاکستان کے لیے بنایاجارہاہے نہ کہ کسی خاص جماعت کے لیے۔ بر صغیر کی تقسیم کا بھی یہی مقصد تھا کہ اس ملک کے اند رمکمل اسلامی قانون سازی کی جائے گی۔ قائد اعظم بھی اسی کے لیے کوشاں تھے او ربر صغیر کے مسلم اقلیتی مسلمانوں نے بھی پاکستان بننے کی حمایت کی، حالانکہ اس بناء پر انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے اسلامی نظام کے قیام کے لیے قربانی بھی دی۔ اسی طرح آئین کی یہ دفعہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا یوں محض یہ نام کافی نہیں بلکہ عمل سے ثابت کرنا ہوگا اور اسلام کے تقاضو ں کو پورا کرکے دکھانا ہوگا۔ پھر مولانا عبدالحق صاحب نے آئین کے آرٹیکل ۲۲۷کا حوالہ دیا کہ اس ملک میں کوئی قانون اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ اس د فعہ کے بعد طریقہ کار پر کیا عمل ہوسکے گا۔ یعنی اس دفعہ کو قانونی تحفظ دیا گیا؟یعنی اگر کوئی صوبائی یا قومی اسمبلی قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی کرے تو اس کے لیے ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ جاسکتے ہیں۔ آئین میں یہ تحفظ نہیں دیا گیا اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلامک کونسل تشکیل دی جائے گی۔ جو ایسے قوانین پر اپنی تجاویز بھیجے گی۔ تو اس سلسلے میں ہمیں اس پر تحفظات ہیں کہ اسلامی کونسل کے ممبران کی تعداد ۱۵مقرر کی گئی جن میں دو تہائی کورٹ کے جج ہوں گے جو انگریزی قانون کے ماہر ہیں اور ۴علما ہوں گے۔کونسل کے مقاصد کی نزاکت کے اعتبار سے علما کی تعداد میں اضافہ کیاجائے۔ اسی طرح آئین میں یہ بات بھی ہونی چاہیے کہ بالفرض ایوان اکثریت کی بنیاد پر کسی اختلافی دفعہ کو اسلامک کونسل کے پاس نہ بھیجے تو اس کا کیا طریقہ کار ہو گا۔ پھر مذکورہ دفعہ میں صدر یا گورنریا ایوان، کونسل کی تجاویز کو نافذ کرنے کا بھی پابند نہیں،اس شق کو بھی ختم کیا جائے اور انہیں پابند بنایا جائے کہ کونسل کی تجاویز کو نافذ

---
[15] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Tuesday, February 27, 1973,p.351
[16] -Ibid.,p.353-354

کریں گے۔مزید اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ کورٹ کے اندر علما اور ماہرین کا بنچ ہوجو اس بارے میں فیصلہ کرے کہ یہ دفعہ قرآن و سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اسی طرح انہوں نے آئین کی اس دفعہ کی بھی پر زور مذمت کی کہ صدر اپنے اختیار سے اس شخص کو جسے سزائے موت سنا دی گئی، معاف کرسکتاہے۔ تو کیا دینِ اسلام میں صدر خدائی حکم کو ختم کرسکتاہے؟ جو ظاہر ہے نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کہتاہے:

﴿وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ﴾ (۲:۱۷۹)

ترجمہ : تمہارے لیے بدلہ لینے میں زندگی ہے۔

تمہیں قصاص لینے میں زندگی ملے گی، اس ضمن میں مولانا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جس میں فاطمہ بنت قیس نامی عورت نے چوری کی اور کچھ لوگوں نے اس کی سزا ختم کرنے کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ اس میں مجھے کوئی اختیار نہیں۔ اور فرمایا کہ یہ فاطمہ مخزو میہ ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی ایسا کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔ تو اس دفعہ کو ختم کیاجائے۔ اس آئین کو کسی جماعت کے ذاتی نظریات کی بھینٹ نہ چڑھایاجائے، کہ جو پارٹی بر سر اقتدار ہے اس نے ہر دفعہ کو اکثریت کی بنا پر منظور کراناہے اور حزب اختلاف کی ہر تجویز پر تنقید کرنی ہے بلکہ ہم نے مل جل کر پاکستان کو ایک جمہوری اسلامی آئین دیناہے۔[17]

قانون سازی میں حکمران آزاد نہیں ہوتے کہ جو چاہیں قانون بنا دیں، بلکہ دینِ اسلام نے حکمرانوں پر آزادی کی حدود مقرر کی ہیں جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں :

> قانون سازی اور حکمرانوں کے تصرفات و اختیارات کی حدود مقرر ہیں۔ حکمرانوں کو سیاست شرعیہ کی رو سے بلا شبہ وسیع اختیارات حاصل ہیں۔لیکن ان اختیارات کی حد بندی بھی شریعت کے احکام و قوانین کی رو سے کی گئی ہے۔یہ وہ بنیادی تصورات ہیں جن کی بنیاد پر اسلامی دستور کی تشکیل ہوتی ہے اور ریاست کی کارکردگی منضبط ہوتی ہے۔[18]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲۸/فروری ۱۹۷۳ء

صدر حدود و قصاص کی سزا معاف نہیں کر سکتا

۲۸/فروری۱۹۷۳ء کو مولوی نعمت اللہ نے ایوان میں خطاب کے دوران فرمایا کہ مقتول کے ورثا کے علاوہ قاتل کو معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں، اور ہم یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ آئین میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوگی۔تو اس دفعہ کو بھی ختم کریں جس میں قاتل کو وزیراعظم یا

---

[17] - Ibid.,p.442-450

[18]۔غازی ، محمود احمد ، ڈاکٹر ، محاضرات شریعت ، الفیصل ناشران و تاجران کتب ،لاہور ، ۲۰۰۹ء، ص۲۹۸

صدر معاف کرسکتاہے یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔اسی طرح انہوں نے صدر کی عمر کے بارے میں سفارش کی کہ ۴۵سال سے کم کرکے ۴۰سال کی جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیﷺ کو بھی نبوت ۴۰ سال کی عمر میں دی۔ اسی طرح جو ووٹر کی عمر ۲۱سال مقرر کی گئی ہے یہ بھی غلط ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں ایک آدمی بالغ ہوتاہے اور امامت کرواسکتاہے۔ تو ووٹر کی عمر بھی۱۵سال رکھی جانی چاہیے۔ اسی طرح انہوں نے شیخ رشید کے نظر یہ ٔسوشلزم کی بھی پر زور مخالفت کی۔[19]

یہاں پر علما کی طرف سے مسودۂ آئین میں ترامیم پیش کی گئیں کہ صدر کی طرف سے حدود و قصاص کی سزا میں تخفیف یا اسے ساقط کرنے کا اختیار ختم کیا جائے۔صدر کی اہلیت کی عمر ۴۵ کے بجائے ۴۰ کی جائے۔ اور ووٹر کی عمر۱۵ سال رکھی جائے۔اس سلسلے میں صدر کی اہلیت کی عمر کو ۴۵سال سے کم کر کے ۴۰ سال کرنا اور پھر اسے انبیأ کی نبوت کی عمر سے منسوب کرنا از روئے اسلام ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ دین اسلام کی نصوص کا جہاں تک مطالعہ کیا جا سکا ہے۔ اس سلسلے میں کسی عہدہ کے لیے کوئی متعین عمر کا ذکر نہیں ملتا۔اور اسے محمد ﷺ کی بعثت کی عمر سے منسوب کرنا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔اس لیے کہ بعثت اور کسی کو صدر منتخب کرنا دونوں مختلف چیز یں ہیں۔ ممکن ہے کسی شخص کی عمر ۲۰ سال ہو اور اس میں قیادت و سیادت کی تمام تر صفات پائی جاتی ہوں تو کیا دینِ اسلام کی کسی نصوص میں اس کو اس بنا پر صدر منتخب نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی عمر ۴۰ سال نہیں ہوئی؟ تو راقم کے محدود مطالعے کی حد تک ایساکوئی حکم شریعت میں موجود نہیں۔

چناں چہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت ۲۴۷ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ منتخب کیا تو اس وقت طالوت کی عمر ۳۰ سال تھی اور اللہ نے اسے محض اس لیے منصب دیا کہ وہ دماغی اور جسمانی دونوں اعتبار سے اہلیت کا حامل شخص تھا۔[20]

اور اسی لیے کسی فقیہ کی جانب سے بھی چالیس سال سے کم عمر کو عہدۂ صدارت دینا غلط قرار نہیں دیا گیا۔لہٰذا اس سلسلے میں کسی عمر کی قید رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۵/مارچ۱۹۷۳ء

اسلامی دفعات کو تحفظ دیا جائے

۵/مارچ۱۹۷۳ء کو اسمبلی سے اجلاس کے دوران مولانا مفتی محمود نے مسودہ ٔدستور پراظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ آئین کی دفعہ 45 میں عدلیہ اور

---

[19] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Wednesday February 28,1973,p.461-463

[20]مودودی ، ابو الاعلیٰ ، تفہیم القرآن جلد اول ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۷۔۱۸۸

الیکشن کمیشن کو آزادی کی ضمانت دی۔ لیکن چیف الیکشن کا منشور ہو یا چیف جسٹس کا، تو آئین کے مطابق اس کی منظوری صدر کرتاہے۔ لیکن آئین کی دفعہ ۵۱میں ہے کہ صدرکے حکم کا اجراء وزیراعظم کے تصدیقی دستخط سے مشروط ہوگا۔تو ایسی صورت میں عدلیہ یا الیکشن کمیشن کو کیسے آزاد ادارہ کی حیثیت سے مانا جاسکتاہے ؟لہٰذا اس دفعہ کے تحفظ کے انتظامات کیے جائیں۔اسی طرح آئین میں پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا۔ لیکن اسی آئین کی دفعہ ۱۹ میں بنیادی حقوق کے ضمن میں ایک مسلمان کو مرتد ہونے کا حق بھی دیاگیا ہے۔ تو اس صورت میں مذکورہ اسلامی دفعہ کی کیا حیثیت ہوئی ؟ اسی طرح تمام کلیدی عہدوں پر غیر مسلم کو فائز کیاجاسکتاہے۔ حالانکہ مذکورہ اسلامی دفعہ کی حفاظت کے لیے قانون میں یہ دفعہ ہونی چاہیے کہ کلیدی عہدوں پر ایسے اشخاص کو منتخب کیا جائے گاجو نظریہ پاکستان کا حامی ہو اور عقیدہ اسلام رکھتا ہو، وزیراعظم کے لیے تو یہ شرط لگائی گئی کہ وہ مسلمان ہو لیکن چیف جسٹس، افواج پاکستان کےسر براہان کے لیے یہ شرط کیوں نہیں؟ حالانکہ ہر ملک میں وہاں کے نظریے کے حامل لوگوں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا جاتاہے۔ اس طرح مقننہ کے ارکان لازماً کتاب وسنت کے مطابق قانون بنانے کے پابند ہیں۔ تو کوئی غیر مسلم ممبر ایسا کیسے کرسکتاہے۔ اسی طرح دفعہ ۴۲میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ذکر ہے۔ لیکن اس کی تشکیل سے بظاہر ایسا لگتاہے ہرتجویز کارآمد نہیں بن سکے گی۔ کیوں کہ جب تک یہ ہاؤس قرار داد پاس نہ کرے تو اس وقت تک کسی دفعہ کو مشاورتی کونسل نہیں بھیجا جاسکتا۔ یہ غلط ہے، ہونا یہ چاہیے کہ کوئی بھی پاکستانی شہری یا کم از کم ممبر اسمبلی اگر یہ سمجھتا ہے کہ یہ دفعہ قرآن و سنت کے مطابق نہیں تو وہ دفعہ بھی زیر غور لائی جائے۔اسی طرح آئین میں یہ دفعہ بھی شامل کی جائے کہ جب تک کوئی دفعہ مشاورتی کونسل کے پاس ہو اس پر قانون سازی کو ملتوی رکھاجائے۔ لیکن موجودہ مسودہ میں ہے کہ ہاؤس مشورہ آنےکے انتظار کا پابند نہیں۔ اور نہ ہی مشورہ آنے کے بعد اس کے نفاذ کا پابند تو پھر اسلامی نظریاتی کونسل کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ بنچ اسلامی کورٹ بنایاجائے جواس کا فیصلہ کرے۔ایوان کو بھی اس کا پابند کیاجائے اور اسلام کو بنیادی حقوق میں شامل کیاجائے۔ اسی طرح اس مسودہ دستور میں بنیادی حقوق کی ضمانت نہیں دی گئی۔ مزید تجاویز دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آئین کو اسلام کے معاشی نظام کے مطابق ڈھالاجائے تاکہ مسائل کا خاتمہ ہو۔ اس آئین میں معاشی نظام کے حوالے سے کوئی شق موجود نہیں ہے۔ اسی طرح آئین کے اندر ایسی دفعات شامل کی جائیں جن سے آئین کو تحفظ ملے۔ ایسا نہ ہو کہ آئین کے بعد کوئی اس کو توڑ کر سابقہ روش کے مطابق مارشل لاء لگالے۔ جس کے بھیانک نتائج ہم دیکھ چکے ہیں۔ اسی طرح صوبائی خود مختاری کی دفعات کو بھی آئین میں شامل کریں۔[21]

---

[21] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday, March 5, 1973,p.643-649

یہاں خاص طور پر اسلامی مشاورتی کونسل کے محدود اختیارات کا ذکر ہے۔اور متبادل طورپر بنچ اسلامی کورٹ بنانے کی تجویز دی گئی ہے۔اس سلسلے میں آگے وفاقی شرعی عدالت کا تذکرہ کیا جائے گا جو ۱۹۸۰ ء میں اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی۔اس کے اندر کیا سقم ہیں اور کس حد تک مفید ہے۔اس کا اپنے مقام پر جائزہ پیش کیا جائے گا۔ان شاءاللہ !

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ٦/مارچ ١٩٧٣ء

قرار داد مقاصد کو دستور کے قابل عمل حصے میں رکھا جائے

پروفیسر غفور احمد نے ٦ /مارچ ١٩٧٣ء کو ایوان میں مسودہ آئین کے حوالے سے فرمایاکہ دستور ساز اسمبلی قرار داد مقاصد کے مندرجات پر غور کرے۔ اس ابتدائیہ میں ایسی باتیں درج ہیں کہ ایوان میں کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ابتدائیہ میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کائنات کا بلا شرکت غیر حاکم مطلق ہے۔ حکمرانی اسی کی مقرر کردہ حدود کے مطابق کی جائے گی۔ دستور عوام کے منتخب نمائندے بنائیں گے جو اس بات کا ضامن ہوگا کہ اس میں جمہوریت اور مساوات ہوگی اور عدل ہوگا۔ حکومت عوام الناس کو اس قابل بنائے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ پھر وزیر قانون کا یہ کہنا کہ ابتدائیہ پر انحصار نہیں کیاجاسکتا۔ اور یہ کہ یہ قابل نفاذ نہیں ہے۔ اور حال ہی میں سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ میں لازم قرار دیا گیا ہے کہ ابتدائیہ (قرار داد مقاصد) کے بارے میں یہ طے ہو کہ پورا دستور اس کے مطابق بنے گا۔تو اس ضمن میں دستور میں ایک شق شامل کی جائے کہ اگر کوئی آرٹیکل ابتدائیہ کے خلاف ہے تو اسے ختم کردیاجائے گا۔ اسی طرح پروفیسر غفور احمد نے مسودۂ آئین کے تمہیدی باب پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ علاقہ جات میں مشرقی پاکستان کو بھی حصہ قرار دیاجائے۔ اور مزید ایک دفعہ کا اضافہ کیاجائے کہ مملکت کے ہر شہری کا فرض ہے کہ مشرقی پاکستان کو بندوق کی غلامی سے نجات دلائیں۔ کیوں کہ بیرونی جارحیت کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے حصے کو علیحدہ کیاگیا۔ اس طرح انہوں نے تجویز پیش کی کہ ایک دفعہ ایسی ہو جس میں یہ بات لکھی ہو کہ آئین کے تحت دیے جانے والے حقوق اور مراعات صرف ان کے لیے ہوں گے جو نظریہ پاکستان کو تسلیم کریں۔[22]

قراردادِ مقاصد کو آئین کے قابل عمل حصے میں شامل کیا جائے۔اس سلسلے میں جنرل ضیاء الحق نے آئین کی دفعہ ۲(الف) کے تحت قرار دادِ مقاصد کو آئین کے قابل عمل حصہ میں شامل کر لیا۔لیکن اس کا خاطر خواہ فائدہ اسی صورت میں نکلے گا جب یہ صراحت کی جائے گی کہ مذکورہ دفعہ آئین کی بقیہ تمام دفعات پر فائق ہو گی۔اور اختلاف کے موقع پر اس دفعہ کو ترجیح دی جائے گی۔

نظریہ پاکستان مخالف جماعتوں پر پابندی لگائی جائے

[22] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Tuesday, March 6, 1973,p.709-711

اسی طرح پروفیسر غفور احمد تمہیدی باب پر مزید اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس باب میں اس شق کا اضافہ کیا جائے کہ ایسی تمام سیاسی جماعتیں جن کے منشور نظریہ پاکستان سے متصادم ہوں،اور ان کا وجود پاکستان کی سالمیت کے خلاف ہو، اسی طرح وہ جمہوری طریقے کی مخالف ہو ں۔تو ایسی تما م جماعتوں پر پابندی عائد کی جائے۔اب یہ کہ کون سی جماعتیں ایسی ہیں جو نظریہ پاکستان کی حامی نہیں اور انہیں غیر قانونی قرار دینا ہے تو اس کا فیصلہ حکومت کو نہیں بلکہ عدلیہ کو کرنا ہو گا۔اس لیے کہ بعض اوقات حکومت اپنے مخالفین کو ٹھکانے لگانے کے لیے اس شق کا ناجائز فائد ہ اٹھائے گی۔عدلیہ چوں کہ ایک غیر جانبدار ادارہ ہے اور اس میں سارے لوازمات کے ساتھ فریق مخالف کے بیانات سننے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے ،لہٰذا ایسی جماعتوں کو غیر قانونی قرار دینے کا فیصلہ عدلیہ کرے گی۔اسی طرح انہوں نے فرمایا کہ اگر حکومت ممبران اسمبلی میں سے کسی کو ڈرانے ، دھمکانے کی پالیسی اختیار کرے تو اسے غداری کے مترادف قرار دیا جائے۔اسی طرح اگر کوئی فرد اپنے عہدے کا حلف لینے کے بعد اس کو توڑ دیتا ہے تو اس کی سزا پھانسی رکھی جائے۔اگر حکومت اقتدار پر امن طور پر آگے منتقل نہ کرے تو اسے بھی غداری کے مترادف قرار دینے کی شقوں کو اس باب میں شامل کیا جائے۔[23]

نظریہ پاکستان کی مخالف جماعتوں پر پابندی کا مطالبہ بالکل صحیح ہے۔اور اس سلسلے میں آئین پاکستان کے بنیادی حقوق کے باب میں انجمن سازی کی اجازت ملکی سلامتی اور قانون کے دائرے میں دی گئی ہے۔ اگر ان دفعات کوہی ان کی اصل روح کے ساتھ نافذ کیا جائے تو ایسی جماعتیں جن کا منشور ہی نظریہ اسلام کے مخالف ہے تو ان پر پابندی لگائی جا سکے گی۔

بنیادی حقوق سے متعلق ترمیمات

اس کے بعد بنیادی حقوق کے Chapterکے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر غفور احمد ایک شق میں اضافہ کی سفارش کرتے ہیں کہ حکومت پاکستان کے تحت بسنے والے تمام مسلمان شہریوں کو ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ وہ اپنی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق گزار سکیں۔ اسی طرح شہری بھی اگر کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف دیکھیں تو ان کو بھی عدالت عالیہ سے رجوع کا اختیار ہو، اسی طرح حکومت ایسے اقدامات کرے جس سے اٹھارہ سال یا اس سے زیادہ عمر کے لوگوں کو روز گار مل سکے۔ اگر روز گار نہیں ملتا تو حکومت اسے الاؤنس دے۔جب کہ آئین میں آمروں کے قوانین کو تحفظ دیاگیا ہے، جو زیادتی ہے۔ اسی طرح کوئی بیورو کریٹ یا حکومت کے افسران پریس کی آزادی دبانے کی کوشش کریں تو انہیں عبرتناک سزا دی جائے۔ اسی طرح پروفیسر غفور احمد نےحکومت کی طرف سے بغیر معاوضہ کے کسی شہری کی

---

[23] -Ibid.,p.711-712

جائیداد ضبطگی کی شق کی بھی سختی سے مخالفت کی۔ مزید رہنما اصولوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ بنیادی حقوق کے باب میں یہ شق بھی شامل کی جائے کہ عوام کو دو وقت کی روٹی، کپڑا، مکان اور تعلیمی سہولیات مہیا کی جائیں گی۔ مزید برآں کسی ممبر اسمبلی کو گرفتار کرنے سے پہلے ایوان میں ایک کمیٹی بنائی جائے اس کی اجازت سے ممبر کو گرفتار کیاجائے اور آخر میں انہوں نےاس نظریے کی پر زور نفی کی کہ کسی ایک صوبے کے رہنے والے کسی دوسرے صوبے کے فرد کو جوان کی زبان نہیں بولتا، کو رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس سے تعصبات کی فضا پیدا ہوتی ہے چناں چہ انہوں نے اسے ختم کرنے کی سفارشات پیش کیں۔[24]

بنیادی حقوق سے متعلق چند ترامیم کی جائیں۔یہاں اگر صرف ایک اصول رکھ لیا جائے کہ بنیادی حقوق وہی متصور ہوں گے جو دینِ اسلام نے دیے ہیں۔اور حکومت کی اولین ترجیح مملکت کے شہریوں کو ان حقوق کی فراہمی یقینی بنانا ہو گی۔اس لیے کہ ایک آدمی بالکل برہنہ ہو کر رہے اور لباس پہننے اور نہ پہننے کو وہ اپنا اختیار سمجھے تو ظاہر ہے دینِ اسلام اس پر پابندی عائد کرے گا۔

دستور نظریہ پاکستان کا عکاس ہو

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے ٦/مارچ ١٩٤٣ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں مسودہ آئین پر سیر حاصل گفتگو کی۔ آغاز میں ہی انہوں نے واضح کیا کہ لاکھوں مسلمانوں کا خون بہانے اور لاکھوں عورتوں کی عزتیں پامال کرانے کا واحد مقصد پاکستان میں ایک اللہ اور اس کے رسول کا بول بالا تھا۔ محض ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں تھا۔ اور اس ملک کے لیے قربانیاں ہم نے مختلف زبان رکھنے کی بنا پر نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دین اور اسلام کے نفاذ کے لیے دیں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مسلم تہذیب، تمدن، معاشرت غرض ہر شعبہ زندگی میں ہدایات دی ہیں۔ اور انہی کا نفاذ پاکستان کا نظریہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آغاز سے ہی اس ملک کو مضبوط اسلامی بنیادیں فراہم کی جاتی۔ دستور ہمارے نظریے کا عکاس ہونا چاہیے لیکن مسودہ دستور کے اندر ایسی دفعہ موجود ہے جس میں مسلمان کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کرسکتاہے، پھر اس کو ہم کس طرح اسلامی دستور کہہ سکتے ہیں، حالانکہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل قرار دی گئی ہے۔ اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ارتداد کا راستہ روکے۔ چوں کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اسی طرح مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے اس شق کی مخالفت کی جس میں حکومت کسی مجرم کو دو سال میں کم از کم آٹھ ماہ جیل میں رکھ سکتی ہے،اس دفعہ میں بھی بنیادی حقوق کی پامالی ہورہی ہے۔ اسی طرح ان کالے قوانین کو بھی ختم کیا جائےجن کے ذریعے سے صحافت پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کے بہت سے تعزیری احکامات کو آئین میں تحفظ نہیں دیاگیا۔ دستور میں یہ دفعہ بھی شامل کی جائے کہ

---

[24] - Ibid.,p.712-717

شراب پینے پر پابندی ہوگی اور صدر اور وزیراعظم ایسے شخص کو بنایاجائے گا جو شراب نہ پیتا ہو۔ اسی طرح مسودۂ دستور کی اس شق کی بھی مخالفت کی جس میں تمام تر اختیارات وزیراعظم کودیے گئے ہیں جس کی وجہ سے عدلیہ کو بھی آزاد تصور نہیں کیاجاسکتا۔ اسی طرح مارشل لاء کے سیاہ قوانین کو بھی اس میں تحفظ دیاگیاہے۔ حالانکہ ہم نے دنیا کے سامنے یہ دستور جمہوری آئین کے طور پر پیش کرناہے۔ اسی طرح مارشل لاء ریگولیشن۵۹ کی ایک شق میں مذہب کی شدید مخالفت کی گئی ہے جس کے ذریعے Family Law Ordinanceکو تحفظ دیاگیا ہے جس کی مولانا نے مخالفت کی۔[25]

عائلی قوانین جو صدر ایوب کے دور میں نافذ کیے گئے ان کے غیر اسلامی ہونے کے حوالے سے علما کا اتفاق ہے۔ اس لیے متفقہ جمہوری حکومت کے دور میں ان عائلی قوانین کو برقرار رکھنانہایت حیرت انگیز ہے !

دستور کو ۱۹۵۱ء میں علما کے متفقہ بائیس نکات کے مطابق بنایا جائے

مولانا غلام غوث ہزاروی نے ٦/مارچ ۱۹۷۳ء کو مسودہ آئین پر اظہار خیال کرتے ہوئے ۱۹۵۱ءمیں ۳۱ علما کے بائیس نکات میں جو اصول طے کیے ہیں اس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ مسودۂ دستور کو جمہوری اور اسلامی بنایاجائے۔ ان نکات میں شورائی خلافت کا تصور پیش کیا گیا۔ جو مغربی جمہوریت سے بالکل مختلف ہے۔ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا عادلانہ نظام ہے۔ اس کے علاوہ دیگر نظاموں میں لڑائی جھگڑا اور طرح طرح کی نا انصافیاں ہیں۔ اسی طرح مولانا نےکہا کہ جب آئین میں اس دفعہ کو شامل کیا گیا ہے کہ مملکت کا مذہب اسلام ہوگا تو ملک کا نام بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہونا چاہیے۔ اسی طر ح انہوں نے صدر اور وزیراعظم کا مسلمان ہوناجیسی اسلامی دفعات کی تائید کی۔ لیکن صدر کے مسلمان ہونے پر ایک شق کا اضافہ کرنے کی سفارش کی جیسا کہ ۱۹۵۱ءمیں۳۱ علما جو ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے جو۲۲ نکات مرتب کیے اس میں صدر مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا آئین کی دفعہ میں مسلمان کے ساتھ مرد کا اضافہ بھی کیاجائے۔ اسی طرح مولانا نے الیکشن کا طریقہ کار کے حوالے سے تجاویز دیں کہ الیکشن میں جماعتی بنیاد پر الیکشن ہوں۔ اور جو جماعت جتنے فیصد ووٹ لے اس کو ایوان میں اتنے فیصد نمائندگی دی جائے اسی طرح ممبر اسمبلی کے لیے بھی شرط ہونی چاہیے کہ وہ نظریہ پاکستان اور اسلام کا محافظ ہو۔ اسی طرح مولانا غلام غوث نے آئین میں صدر، وزیراعظم کے ساتھ تمام کلیدی عہدوں پر مسلمان اور نظریہ پاکستان کا محافظ ہونا ضروری ہے کی شق کی تائید کی۔ اس لیے ہر ملک میں کلیدی عہدوں پراپنے ہی لوگوں کو تعینات کیاجاتاہے جو اس ملک کے نظریے کی حفاظت کریں۔انہوں نے جائیدادکو بلا معاوضہ لینے کی شق کی بھی مخالفت کی، اور اسلامک کونسل کے طریقہ کار کی بھی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی جس کے مطابق دو تہائی اکثریت سے کسی قانون کو مشورے کے لیے بھیجا جاسکتاہے۔

---

[25] - Ibid.,p.717-730

اور ایوان ان کے مشورےکے مطابق قانون سازی کا پابند نہیں۔ تو پھر اس شق کا کوئی فائدہ نہیں۔[26]

آئین تدوین میں ۲۲نکات جو ۱۹۵۱ء میں تمام دینی مسلک کے معتمد علما نے پیش کیے تھے ان اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھنا بلاشبہ اسلامی آئین کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے مسودۂ دستور پر تبصرہ و ترمیمات کو شامل کرنا ضروری تھا۔لیکن ان کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۹/مارچ ۱۹۷۳ء

اسلام سرکاری مذہب دفعہ کا تحفظ

۹/مارچ ۱۹۷۳ء کو مولانا شاہ احمد نورانی نے مسودہ آئین میں ترمیم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا اس دفعہ کو مکمل تحفظ دیاجائے تاکہ کوئی اس سے روگردانی نہ کرسکے اور ملک کی انتظامیہ پارلیمنٹِ عدلیہ سب پابند ہوں کہ کوئی بھی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوں،اور موجودہ قوانین کو پانچ سال کی مدت میں قرآن و سنت کے مطابق بنا کر نافذ کیاجائے۔ اور دیباچہ دستور کو Constitutionمیں شامل کیاجائے اور اس میں بیان کردہ اصولوں پر پورا آئین بنایاجائے۔[27]

اسی طرح مولانا غلام غوث نے مسودہ آئین میں ترامیم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مسودہ آئین کی دفعات، اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا اور تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہوں گے۔اگر ان دفعات کو مکمل تحفظ نہ دیا گیا تو تمام قوانین کو زبانی جمع خرچ ہی سمجھاجائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی مخالفت گو یا پاکستان کی مخالفت ہے۔اور پاکستان کی مخالفت یا سازشوں پر آئین میں سزا تجویز کی جائے تا کہ مذکورہ دفعات کو تحفظ مل سکے۔[28]

مولانا عبدالحکیم نے بھی مسودہ آئین کی دفعہ ''اسلام ملک کا سرکاری مذہب ہوگا'' کو تحفظ دینے کی استدعا پیش کی اور فرمایا کہ آئین میں یہ بات شامل ہو کہ جو کوئی اس نظریےیا عقیدے کی مخالفت کرے گا اس کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ مولانا عبدالحکیم نے قرار داد مقاصد کو آئین کا مستقل جزو بنانے کی ترمیم بھی پیش کی کہ قرار داد مقاصد کو آئین کا مستقل حصہ بنایا جائے تاکہ اسلام کی مخالفت کرنے والوں کو سزا دی جاسکے۔ہماری معاشیات کا تحفظ بھی اسلام ہی کرے گا۔[29]

اس کے بعد ایوان میں مفتی محمود نے بھی پرزور انداز میں شیخ رشید کی اس تقریر کی مخالفت کی جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ قیام پاکستان کو محض مسلمانوں کے حقوق دلوانے اور معاشیات کے لیے بنایا

---

[26] - Ibid.,p.733-737

[27] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.17, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 9.1973, p.984

[28] -Ibid.,p.984-985

[29] - Ibid.,p.986

گیا۔ اوردلائل سے واضح کیا کہ پاکستان لا إله إلاالله کے نام پر بنا۔ اور مزید مفتی محمود نے پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا کی دفعہ کے لیے ایسی دفعہ شامل کرنے کی درخواست کی جس سے اس دفعہ کو تحفظ مل سکے۔ اور سابقہ علما کی ترامیم کی مکمل تائید کی۔[30]

محمد ظفر احمد انصاری نے بھی ڈپٹی لیڈر شیخ رشید کی تقریر کی سخت مخالفت کی جس میں انہوں نے قیام پاکستان کامحرک معاشی قرار دیا۔اور فرمایا کہ یہ پوری تاریخ پاکستان مسخ کرنے کے مترادف ہے اور مختلف مواقع پر قائد اعظم کی تقاریر کے حوالے دے کر اپنی بات کو مؤید کیا۔[31]

پروفیسر غفور احمد نے فرمایا کہ مذکورہ ترمیم جمعیت علما اسلام، جماعت اسلامی،مرکزی جمعیت علما پاکستان نے دی ہے۔ اور ظاہر ہے اس ضابطہ حیات کی ضمانت دی جائے جیسا کہ بنیادی حقوق کے اندر ہے۔ انہوں نے دفعہ۳ ۱۹۷ء کا حوالہ دیا کہ اس کی ضمانت دی جائے۔[32]

ترمیم دفعہ 2

مولانا صدر الشہید نے اجلاس کے دوران تحریک پیش کی۔ جس میں انہوں نے فرمایا:

> مسودہ آئین کی دفعہ ۲ کو اس دفعہ کی شق ۱ میں تبدیل کردیاجائے اور اس کے بعد مندرجہ ذیل نئی شقات کا اضافہ کیاجائے یعنی ۲)مذہبی ماہرین کے تشخیص کردہ اسلامی اصول و فروغ کے تحفظ و بقا اور اس کی اشاعت مملکت کا اولین فریضہ ہوگا۔
> ۳)شہریوں کی طرز زندگی اور حکومت کانظم و نسق اسلام کے احکام کے تحت لازماً ہوگا۔
> ۴)جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کی جس طرح اسلام نے تشریح کی ہے اس کی پوری طرح پابندی کی جائے۔
> ۵)کسی شخص کو کسی کلیدی عہدے پر تعینات نہیں کیاجائے گا جب تک وہ اسلام کے احکام کے مطابق خدمات انجام دینے پر تیار نہ ہو۔[33]

اس کے بعد مولانا صدر الشہیدنے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مملکت کا مذہب اسلام ہوگا اور اس کے تحت مذکورہ شقیں پیش کی۔ان کی وجوہات بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب ملک کا نام اسلامی جمہوریہ ہے تو پورا مسودہ دستور بھی اسلامی ہونا چاہیے۔ صرف نام رکھ دینا کافی نہیں چونکہ پاکستان کی بنیاد ہی اسلام ہے اور اس کی پاسداری ضروری ہے۔[34]

یہاں پر دینی جماعتوں کے اراکین نے ''مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا ''کے تحفظ کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کا تحفظ اسی طور پر ممکن تھا

---

30 - Ibid.,p.987
31 - Ibid.,p.987-990
32 - Ibid.,p.1000-1002
33 - Ibid.,p.1008-1009
34 - Ibid.,p.1010

کہ اس کے ساتھ یہ صراحت کر دی جائے کہ اس ملک میں قانون سازی مذہب ِ اسلام کے خلاف نہیں ہو گی۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۱۲/مارچ ۱۹۷۳ء

سوشلزم کی مخالفت دفعہ۲

۱۲/مارچ ۱۹۷۳ء کو اسمبلی کے اجلاس میں شیخ محمد رشید نے آرٹیکل ۲ (الف) سے متعلق ایک ترمیم پیش کی جس میں انہوں نے سوشلزم کو پاکستان کی معیشت کی بنیاد قرار دیا۔ اس کی مخالفت کرتے ہوئے محمد ظفر احمد انصاری نے ترمیم پیش کی کہ سماجی انصاف کے اسلامی اصول پاکستان کی معیشت کی بنیاد ہوں گے۔ اس کے بعد ایک اور ممبر اسمبلی مخدوم محمد زمان طالب نے ترمیم پیش کی، کہ اس کواسلامی سوشلزم لکھاجائے۔ بہر حال دینی جماعتوں کے ممبران اسمبلی نے سوشلزم اوراسلامی سوشلزم کی سخت مخالفت کی جیسا کہ اس کے مقابلے میں محمد ظفر احمد انصاری نے ترمیم پیش کی۔ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے محمد ظفر احمد انصاری نے واضح کیا کہ قرار داد مقاصد میں دو جگہ پر Islamic Principle of Social Justice اور Principle of Islamic Quality کے الفاظ آئے ہیں پھر سوشلزم کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ غالباً ۱۳۰ یا۱۴۰ سال سے ایک فرانسیسی مؤرخ نے اس کی چھ سو کے قریب تعریفیں نکالی ہیں۔بنیادی طور پر یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کا کوئی معنیٰ نہیں، جو محض نعرہ بازی اور مزدوروں اور کسانوں کو دھوکہ دینے کے کام آتاہے۔[35]

پروفیسر غفور احمد نے بھی سوشلزم کی ترمیم کی پر زور انداز میں مخالفت کی اور واضح کیا کہ جب یہ کہاجاتاہے کہ مملکت کامذہب اسلام ہے، اور یہاں پر سوشلزم نافذ کیاجائے گا۔ تو یہ بالکل مذاق ہے دین اسلام سے۔انہوں نے واضح کیا کہ اسلام مکمل نظام زندگی ہے اور معاشیات سے متعلق بھی ہدایات دین اسلام کے اندر ہیں اور اسلام کے نظریے پر ہی پاکستان کو حاصل کیاگیا۔ [36]

اس کے بعد مولانا غلام غوث نے بھی شیخ رشید کی ترامیم کی سخت مخالفت کی کہ پاکستان کی معیشت کی بنیاد سوشلزم پر ہوگی۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہ پیپلزپارٹی کے دستور میں تھا کہ اسلام ہمارا مذہب ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے،سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ یہ دین اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھنے کے خلاف ہے۔ اس کے ذریعے سے انفرادی ملکیت کا خاتمہ ہوتاہے۔ جو دین اسلام کے مطابق ٹھیک نہیں۔[37]

اس کے بعد مولانا عبد الحق (اکوڑہ خٹک) نے واضح کیا کہ یہاں پر بیٹھے ہوئے سارے قوم کے نمائندے ہیں اورپہلے دن ہی حلف اٹھاتے ہوئے سب نے قسم کھا کر اللہ کو حاضر ناظر جان کر عہد کیا تھاکہ وہ نظریہ پاکستان کی حفاظت

[35] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.18, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 12,1973,p.1017-1022

[36] -Ibid.,p.1024-1025

[37] - Ibid.,p.1031-1032

کریں گے۔ جس نظریے کے مطابق ملک کو حاصل کیا گیا تھا۔ چونکہ مملکت کا مذہب اسلام ہے اور اسلامی معیشت نہ سرمایہ داری کے مطابق ہے اور نہ ہی سوشلزم اور کمیونزم کے، سرمایہ داری کا مقصد ایک خود مختار ریاست ہوتی ہے جس میں قرآن و سنت کے قانون کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ سوشلزم کے اندر بھی سارا اختیار برسر اقتدار پارٹی کے پاس ہوتاہے۔ یہ دونوں دین اسلام کے مخالفت ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنو امیہ، بنو عباس کے ادوار میں اور ہندوستان میں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی، اور ہر طرف خوشحالی تھی لیکن سوشلزم کا نام تک نہیں تھا۔ کسی لفظ کے ساتھ اسلامی لگا دینے سے وہ اسلامی نہیں بن جاتا۔ جیسے اسلامی ربٰویااسلامی جواوغیرہ۔لہٰذا ملک کو بدنامی سے بچانا چاہیے۔[38]

مفتی محمود نے بھی سوشلزم کی دفعہ کی مخالفت کی اور فرمایا کہ ہمارا حکومت سے اکتوبر میں معاہدہ ہوا تھا۔ بیس اکتوبر کو دستخط ہوئے تھے۔ جس میں اتفاق رائے سے طے ہوا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ اور پھر آئینی کمیٹی نے بھی اس دفعہ کو منظور کیا۔ اس کی پاسداری ہونی چاہیے۔ دین اسلام ہمیں، معاشیات، قانون، اخلاق، معاشرت ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق رہنمائی دیتاہے۔ اور سوشلزم کی دفعہ لانے کا مقصد، اسلام مملکت کا سرکاری مذہب ہوگا،سے جان چھڑانے اور راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش ہے۔ آج ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں اسلام چاہیے یا سوشلزم۔[39]

مولانا عبدالحکیم نے ایوان سے خطاب کے دوران فرمایا کہ کہ آئین کی تمہید میں لکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا بلا شرکت غیر حاکم مطلق ہے۔ اور آئین کی دفعہ ۲۲۷میں لکھا ہے کہ جمہوری قوانین کو قرآن پاک کے مطابق بنایاجائے گا اور آئین میں ایسے مشتبہ لفظ سے بچنا چاہیے یعنی سوشلزم سے جیسا کہ قرآن مجید کے اندرراعنا کا احتمال تھا۔ اسی لیے سوشلزم کا لفظ مشتبہ ہے۔لہٰذا اس کے بجائے اسلامی عدل یا عدل عمرانی ہو، جب ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام ضابطہ حیات ہے تو معاشیات بھی ضابطہ حیات میں داخل ہے،لہٰذاسوشلزم کی ترمیم کو مسترد کیاجائے۔[40]

اس طویل بحث و مباحثے کے بعد بالآخر سوشلزم کی ترمیم کو مسترد کیا گیا۔ جیسے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ایک اسلامی ملک میں معیشت کی بنیاد دین ِ اسلام کے مقرر کردہ اصول ہیں۔اور بنیاد ی اصول یہ ہے کہ کائنات کی حقیقی ملکیت اللہ کے پاس ہے اور لوگ اسے بطور امانت اس کے عطاکردہ اصول و ضوابط کے مطابق استعمال کریں گے۔

قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو دفعہ ۳

پھر مولانا عبدالحکیم نے دو ترامیم نمبر ۴۹اور ۵۰پیش کیں :

---

[38] - Ibid.,p.1032-1033
[39] - Ibid.,p.1035-1036
[40] - Ibid.,p.1045-1046

نمبر ۴۹ کے مسودہ آئین کی دفعہ ۳کی شق (٦)کے پیرا(ب) میں پہلی سطر میں آنے والے لفظ''قانوناً ''کے بعد ''اور اسلامی احکام کے مطابق''کا اضافہ کیاجائے۔

نمبر 50 مسودہ آئین کی دفعہ 3 کی شق (٦)کے پیرا (ب) کی بجائے حسب ذیل پیرا درج کیاجائے یعنی (پ) کسی شخص کو ایسا کام کرنے پر مجبور نہ کیاجائے جس کے کرنے کا قانون یا قرآن پاک یا سنت اس سے تقاضا نہ کرتا ہو اور اگر قانون یا قرآن پاک یا سنت تقاضا کرتاہو تو اسے ایسا کرنے پر مجبور کیاجائے گا۔[41]

ان دفعات کا مقصد یہ ہے کہ بعد میں کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف نہ کی جاسکے۔اور مملکت کے شہریوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے گا کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی پیروی کریں۔

ترمیم دفعہ۴

اس کے بعد مولانا عبدالحکیم نے ایک اور ترمیم پیش کی کہ :

مسودہ آئین کی دفعہ 4شق2میں مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کیاجائے، یعنی یوں ہو، لیکن صورت یہ ہے کہ قانون صریحاً قرآن پاک اور سنت رسول کے منافی نہ ہو۔[42]

مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی آرٹیکل نمبر 4 میں ترمیم پیش کی کہ:

کسی شخص کو یا ملک کے کسی حصے کو نقصان پہنچے تو پھر اس کو اس بات کا حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ عدالت میں جا سکے، وہ اس کا بنیادی حق ہے۔[43]

مذکورہ شقوں کا مقصد یہ ہے کہ مملکت کے شہریوں کو ایسا کام کرنے کی ممانعت نہیں ہو گی جو قرآ ن و سنت کے منافی نہ ہو،ہاں اگر وہ کا م قرآن و سنت کے منافی ہو گا تو حکومت اسے ممنوع قرار دے گی۔اسی طرح کوئی مملکت کے شہریوں کو کوئی نقصان پہنچائے اور ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کرے تو ایسی صورت میں وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔اور یہ اس کا بنیادی حق ہے۔ یہ شقیں دراصل آئین پاکستا ن کی اس دفعہ سے متعلق ہیں جس کے مطابق کسی شخص کو ایسے کام کرنے کی ممانعت نہیں ہو گی جو قانوناً ممنوع نہیں ہیں ،اور کسی شخص کو ایسا کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس کا قانو ن اس سے مطالبہ نہیں کرتا۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۱۳/مارچ ۱۹۷۳ء

دستور توڑنے کی سزا دفعہ۵

مولانامحمد ظفر احمد انصاری نے آئین کے آرٹیکل۵ سے متعلق دو ترامیم پیش کی، جس کے مطابق دستور توڑنے والوں کو سزا دی جائے اور آئندہ دستور کے تحفظ کی ضمانت دی جائے اور ساتھ ساتھ ملک توڑنے والوں کا سنگین مقدمہ

---

41 - Ibid.,p.1055
42 - Ibid.,p.1063
43 - Ibid.,p.1069

ملک کی اعلیٰ عدالت میں ہی چلایاجائے اس کے لیے کوئی ٹریبونل یا عارضی عدالت قائم نہ کی جائے، ہو یہ رہاہے کہ اس آرٹیکل کے ذریعے اور دفعہ ۲۶۹۔ ۲۷۰کے ذریعے مذکورہ اقدام کو تحفظ دیاجارہاہے۔ اس کے سد باب کے حوالے سے ذکر کردہ ترامیم کو دستور کا حصہ بنایاجائے۔[44]

اس تر میم کا مقصد یہ تھا کہ آئین توڑنے کو سنگین جرم قرار دیا جائے۔آئین پاکستان کی دفعہ ۵ میں یہ بات تو بیان کی گئی کہ ہر شہری مملکت سے وفاداری رکھے گا اور آئین و قانون کی پاسداری کرے گا۔اور اس کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شہری اگر ایسا نہیں کرتا تو اس کے لیے سخت سزا مقرر کی جائے۔

مولوی مفتی محمود نے بھی اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملک میں دستور کی تنسیخ کئی بار ہوئی ہے جیسے ۱۹۵۶ء اور۱۹۶۲ءکے دساتیر بھی توڑے گئے اسی جرم کی قرار واقعی سزا مقرر کی جانے کی دفعہ کو دستور میں شامل کیاجائے اور اس کے بعد ملک توڑنے کا جرم اس سے بھی سنگین ہے۔ کیونکہ اس سے دستور بھی منسوخ ہوجاتاہے۔ اس لیے ملک کو ٹکڑے کرنے والوں کی سزا کی دفعہ کو دستور میں ضرور شامل کیاجائے۔ چونکہ اسکے بغیر ملک محفوظ نہیں رہ سکے گا۔[45]

بنیادی حقوق وہ ہیں جو دینِ اسلام نے بتائے ہیں دفعہ۷

اس کے بعد مولانا عبدالحکیم مسودہ آئین کی دفعہ ۷شق(ا) کے آخر میں ''یہ کہ اس باب میں عطا کردہ کسی حق کاکتاب و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہوجائے گا'' کااضافہ تجویز کیا۔[46]

اس ترمیم کا مقصد مملکت میں ایسی سرگرمیوں کو روکنا ہے جو نظریہ پاکستان اور نظریہ اسلام کے مخالف ہوں۔ بنیادی حقوق کے مطابق ہر شہری کو تقریر و تحریر کی آزادی ہے۔اور یہ اس کا بنیادی حق ہےلیکن اگر وہ ان بنیادی حقوق سے ملک مخالف سرگرمیوں میں ملوث پایا جاتا ہے ،تو اس صورت میں بھی اس کو یہ حقوق حاصل ہوں گے،تو ترمیم کا مقصد یہ ہے کہ بنیادی حقوق وہی ہوں گے جو دین ِ اسلام نے بتائے ہیں۔ اگر کوئی سرگرمی کتاب وسنت کے مخالف پائی جائے گی تو اس کو بنیادی حقوق سے متجاوز تصور کیا جائے گا۔

اس کے بعد مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحق نے مسودہ آئین کی دفعہ 7 کی شق 3 کے پیرا (ب) کو حذف کرنے کی سفارش کی جس میں پولیس یا امن عامہ قائم رکھنے والی جماعتوں،کے الفاظ آتے ہیں۔[47]

---

[44] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.19, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 13.1973,p.1075-1076

[45] -Ibid.,p.1088

[46] - Ibid.,p.1096

[47] - Ibid.,p.1098-1099

مولانا عبدالحکیم نے مسودہ آئین کی دفعہ ۷ شق (ا) پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کا آئین ایسا ہوجو ہماری تیرہ سو سال کی اسلامی روایات و آداب و اخلاق کا محافظ اور ضامن ہو۔ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ایسے تحفظات مسلمانوں کو فراہم کریں۔ تاکہ مستقبل میں کوئی ان پر ڈاکہ زنی نہ کرسکے۔ یا انگریزوں کے دور میں جو ان کے ساتھ سلوک روا رکھاجاتاتھا وہ نہ ہو، توہمیں چاہیے کہ ہم آئین میں اس دفعہ کو شامل کریں کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنے گا،اور جوبنایاجائے گا وہ کالعدم ہوگا۔ اسی طرح بنیادی حقوق کے نام پر جو حقوق لائے جائیں گے اس میں بھی پورا اہتمام ہو کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں۔[48]

مولوی مفتی محمود صاحب نے دفعہ ۷میں زیر بحث ترامیم سے متعلق عرض کیا یہ جو دفعہ ہے کہ بنیادی حقوق جس کو رسم و رواج یا قانون کہاجاتاہے اور جو بنیادی حقوق سے متصادم ہو اسے کالعدم قرار دے دیاجائے۔ توغور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بنیادی حقوق سے تو متصادم ہے لیکن اسلامی حقوق کے مطابق یا موافق ہے۔تو کیا اس کو کالعدم قرار دے دیں گے ؟ لہٰذا یہ دفعہ کہ کتاب و سنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنے گا اس کو بنیادی حقوق کے ساتھ جوڑلیا جائے تو اس دفعہ کو تحفظ حاصل ہوگا اس کے علاوہ دفعہ3 (الف) میں بھی مولوی مفتی محمود نے ترمیم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ بنیادی حقوق ملک کے ہر شہری کے لیے ہوں خواہ وہ کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتاہو۔

انہوں نے فرمایا کہ ضابطہ ۱۱۴کے ذریعے بہت سے ملازمین کو بر طرف کیاگیا۔ ان ضابطوں کو بھی تحفظ دیاجارہاہے۔[49]

شہریوں کو روزگار کی فراہمی دفعہ۸

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے آئین کے آرٹیکل ۸کے تحت ترمیم تجویز کی کہ حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہر شہری کو اس کی تعلیمی قابلیت کے مطابق ۱۸ سال کی عمر میں روز گار مہیا کیاجائے۔ چونکہ اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے۔اور وہاں کے افراد کو روزگار مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔[50]

اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ مملکت کے شہریوں کی جان ، مال، آبرو کی حفاظت کرے۔ اور وہاں کے شہریوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرے۔

امتناعی نظری بندی دفعہ۹

مولانا مفتی محمود نے مسودہ آئین دفعہ۹ کی شق۴اس میں ایک کے بجائے حسب ذیل تشریح درج کی جائے:

---

[48] - Ibid.,p.1103-1104

[49] - Ibid.,p.1117-1118

[50] - Ibid.,p.1128

تشریح: ۱۔کسی وفاقی قانون کے تحت نظر بند کسی شخص کے معاملے میں پاکستان کے چیف جسٹس کی طرف سے مقرر کردہ ایک بورڈ قائم کیا جائے جو کم از کم تین ارکان پر مشتمل ہوں۔

(دوم) کسی صوبائی قانون کے تحت نظر بند کسی شخص کے معاملے میں متعلقہ عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کی طرف سے مقرر کردہ ایک بورڈمقرر ہو۔[51]

اسی طرح مسودہ آئین کی دفعہ ۹ کی شق ۵کے آخر میں مندرجہ ذیل عبارت کا اضافہ تجویز فرمایا :''لیکن اس صورت میں کارروائی صیغہ راز میں رکھی جائے گی اور حاکم مجاز متعلقہ نظر ثانی بورڈ کو کوئی بات بتانے سے انکار نہیں کرے گا۔ ''[52]

پروفیسر غفور احمد نے فرمایا کہ آرٹیکل ۹ پر تقریباً۴۰ ترامیم پیش کی جاچکی ہیں۔ یہ آرٹیکل متنازعہ ہے۔ امتناعی نظر بندی کے حق کا غلط استعمال پچھلی حکومتوں میں بھی رہاہے۔ اور حکومت پر جائز تنقید کرنے والوں کے خلاف بھی یہ امتناعی نظر بندی کا غلط استعمال ہوسکتاہے۔ اگر واقعی معلوم کرنا ہو کہ ان کا جرم کیاہے تو اس صورت میں ان کو اپنی مرضی کا وکیل مقررکرنے کی پوری آزادی دی جائے اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیاجائے، بصورت دیگر ان کے ساتھ نا انصافی ہے۔ لہٰذا گزارش ہے کہ یہ امتناعی نظر بندی کا قانون ختم کیاجائے اور اگر ضرورت پیش آئے تو شہریوں کے حقوق کا خیال رکھ کر ان کا وکیل مقرر کرنے اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے کی دفعات شامل کی جائیں۔[53]

مولانا ظفر احمد انصاری نے آرٹیکل۹کی شق ۳سے متعلق ترمیم پیش کی کہ امتناعی نظر بندی یا Preventive detentionصرف اس وقت نافذ ہو جب کہ ملک ہنگامی حالت میں ہو۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ کی مثالی صورت تو وہ ہے جو نبی اکرم ؐ کے زمانے میں تھی کہ کسی شخص کی آزادی محض شبہے یا اندازےکی بنیاد پر سلب نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی فتنہ و فساد کا موجب ہوسکتاہے۔حتیٰ کہ جنگ کے زمانے میں یہودیوں اور منافقوں کے فتنہ و فساد کے باوجود آپ ؐ نے انسانی آزادی کا ایک معیار مقرر کررکھا تھا۔[54]

اس کے علاوہ امتناعی نظر بندی کے متعلق کئی شقوں پر ترامیم کی تجویز پیش کیں اور ان کی ضاحت فرمائی۔

مولانا عبدالحکیم نے مسودہ آئین کی دفعہ ۱۰ شق نمبر ۲ کے آخر میں ترمیم پیش کی کہ:

---

[51] - Ibid.,p.1136
[52] - Ibid.,p.1138
[53] - Ibid.,p.1142-1143
[54] - Ibid.,p.1147

شق ۲کے آخر میں جو لفظ ہیں اور کسی شخص کو بیگار کا معاوضہ یا جنس کی صورت میں لینے کی اجازت نہ ہوگی اتنے فقرے کا اضافہ کیاجائے۔[55]

اس کے بعد مولانا مفتی محمود نے غلامی سے متعلق دفعہ کے بارے میں فرمایا کہ غلام بنانا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ مستحب ہے، لیکن بعض حالات میں اپنے قیدی چھڑانے کے لیے یا فدیہ لے کر واپس کرنے یا دیگر خاص صورتوں میں اس غلامی کے جواز کو دیکھاجاسکتاہے۔ لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور دیگر حقوق کا خیال رکھنا دین اسلام کے مطابق ہو۔[56]

انسداد غلامی دفعہ ۱۰

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے غلامی کی دفعہ۱۰کے حوالے سے فرمایا کہ غلامی کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ اس آدمی کی آزادی کو سلب کر لیا جاتا ہے۔ جیسے کسی شہری کو کسی جرم میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے کہ تم نے آئین کی اس دفعہ کی خلاف ورزی کی۔ تو اس صورت میں وہ قیدی ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کی آزادی سلب ہو جاتی ہے۔ جس طرح کتنے شہری مختلف جرائم کی پاداش میں پابند ِ سلاسل ہیں گویا ان کی آزادی سلب کی گئی ہے۔ تو اس کو کوئی باعث عار نہیں سمجھتا۔حالانکہ اس میں اور غلامی میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے یہ کہ ناموں کا فرق ہے۔اس کے مقابلے میں اگر کوئی کافر ہے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کر رہا ہے،تو اللہ نے مسلمانوں کو اختیار دیا ہے کہ اسے غلام بنایا جا سکتا ہے۔اور اس کی رہائی کے حوالے سے راستے بھی بتا دیے ہیں۔تو ہمیں مغربی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر دینی احکامات کا پابند ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس صورت میں اسے سیاسی نظربندی یا سیاسی قید جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔جب کہ اسلام میں غلامی کا نام آجاتا ہے تو اس کو انہیں یہ بنیادی حقوق کے خلاف نظر آتا ہے۔حالانکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔[57]

مولانامحمد ظفر احمد انصاری نے غلامی کی دفعہ کے حوالے سے ترمیم تجویز کی کہ :''پاکستان میں غلامی کا وجود نہیں اور کوئی قانون ایسا نہ ہو جس کے ذریعے سے اس کو رائج کیاجاسکے'' اس لفظی ترمیم سے تمام خدشات کا ازالہ ہوجائے گا۔[58]

مولانا ظفر احمد انصاری کی دفعہ بڑی معقول ہے۔اس لیے کہ دینِ اسلام کے مطابق کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، یہ صریح نصوص کے خلاف ہے۔اور آپﷺ کی موجودگی میں اور خلفائے راشدہ کے ادوار میں غلامی کا تصور موجود تھا۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ دینِ اسلام نے کبھی بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی،بلکہ غلاموں کے حقوق کا خیال

---

55 - Ibid.,p.1177
56 - Ibid.,p.1180-1181
57 - Ibid.,p.1183
58 - Ibid.,p.1186

رکھنے کی بہت تاکید کی اور بہت سے کفارات میں غلاموں کو آزاد کرنا فدیہ بتایا گیا۔ لہٰذا یہ ترمیم بہت مناسب تھی کہ ''پاکستان میں غلامی کا وجود نہیں اور کوئی قانون ایسا نہ ہو جس کے ذریعے سے اس کو رائج کیاجاسکے۔''اسی لیے آئین پاکستان میں دفعہ ۱۱(۱) جو غلامی سے متعلق ہے اس میں کہا گیا ''پاکستان میں غلامی معدوم اور ممنوع ہے اور کوئی قانون اسے کسی صورت میں رواج دینے کی اجازت یا سہولت بہم نہیں پہنچائے گا ''۔اس دفعہ میں لفظ ممنوع شامل نہ کیا جا تا تو مولانا ظفر احمد انصاری کا مقصد جو اس تجویز سے تھا وہ پورا ہو جاتا۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۱۵/مارچ۱۹۷۳ء

ترمیم دفعہ ۲۱

مولانا غلام غوث نے مسودہ آئین کی دفعہ۲۱ کے بارے میں فرمایا کہ اس میں حکومت کو دس سال کی مہلت دی گئی ہے کہ وہ اسلامی احکامات کی تنفیذ کرے گی۔ یہ باعث ِ حیر ت ہے۔ اس لیے کہ حکومت جو چیز نافذ کرنا چا ہے وہ ایک آرڈیننس کے ذریعے فورا نافذ کر سکتی ہے۔ لیکن جب معاملہ اسلامی احکامات کا آتا ہے تو اس کے لیے ہمیں دس سال کی ضرورت ہو تی ہے۔ کیا دس سال تک شراب ، قما بازی، اور دیگر خلاف اسلام چیزیں اس ملک میں جاری و سای رہیں گی؟ان دس سالوں میں ہونے والے ممنوع ِ اسلام کاموں کی ذمہ داری کون لے گا ! انہوں نے کہا کہ یہ دراصل اللہ کے ساتھ اور عوام کے ساتھ حکمت عملی کے اصولوں کے نام پر دھوکہ دہی ہے۔ اس ملک کی بقا اسلام کے ساتھ ہے۔اگر اسلام نہ رہا تو یہ ملک بھی نہیں رہے گا۔اگر ہمارے معاشرے میں جرائم کو تحفظ مل رہا ہو ،تو ملک کیسے ترقی کرے گا۔ لہٰذا میری اکثریتی پارٹی سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ترمیم کی جائے جس کے مطابق پہلی ترجیح کے طور پر بڑے بڑے منکرات کو فوراً ممنوع قرار دیا جائے، مثلاً شراب پر فوراً پابندی لگائی جائے۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو ملک تباہ ہو جائے گا۔اور جو لوگ اس ملک کو کمیونسٹ بناناچاہتے ہیں اور اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتے،ان کے ناپاک عزائم پورے ہوں گے۔انہوں نے کہا کہ ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ ہم دیانتداری اور ایمانداری کے ساتھ اس ملک میں اسلامی احکام کو نافذ کریں اوراس معاملے میں مصلحت کا شکار نہ ہوں۔[59]

قرآن و اسلامی تعلیمات کی لازمی تعلیم دفعہ۳۱

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے مولانا ذاکر حسین کی جانب سے ترمیم پیش کرتے ہوئے مسودۂ آئین کے آرٹیکل۳۱ شق۲(الف) میں ذیل کاپیرا شامل کرنے کی سفارش پیش کی :

---

[59] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.21, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 15.1973,p.1303-1304

> To Make Teaching of Holy Quran and Islamiat Compulsory and to reform the system of education in such Manner that it may enable the muslims to mold their lives in accordance with Teaching of Holy Quran and Sunnah.[60]

اس دفعہ میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے اور تعلیمی نظام کو اس فکر کے ساتھ استوار کیا جائے کہ مسلمان اپنی زندگی قرآن پاک اور سنت کے مطابق گزار سکیں۔

مولانا ذاکر نے اس ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا مقصد اس ترمیم سے یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اسلامی تعلیم عام ہو۔اور اسی اسلامی فکر کے مطابق ہمارا تعلیمی نظام بنایا جائے۔انہوں نے فرمایا کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس طرح کی دفعات از خود آئین میں رکھی جاتیں کیوں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر ہی بنا ہے۔لیکن اس سلسلے میں کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی نظر نہیں آتی۔ اگر ہم نے اپنے نظریات سے غداری کی تو قوم ہمیں معاف نہیں کرے گی۔اس سلسلے میں انہوں نے مشرقی پاکستان کو بطور مثال پیش کیا کہ ہمیں اس المیے سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ لیکن حالات یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ہمیں اس واقعے سے کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی۔ ہم دن بدن تنزلی کی طرف جا رہے ہیں۔ لہٰذا اپنے آپ کو تباہی سے بچانے کے لیے قرآن پاک کی تعلیم کے متعلق واضح شق ہونی چاہیے۔ انہوں نے شیخ رشید احمد کے اس مؤقف کی سختی کے ساتھ مخالف کی، جس کے مطابق پاکستا ن کے حصول کا مقصد معاشی فوائد تھے۔ اور کہا کہ یہ نظریہ پاکستان کے ساتھ غداری ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا کہ اسلامی سوشلزم اور مساوات ِ محمدی ﷺایک ہی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ انہوں نے سوشلزم کو اختراعی ازم قرار دیا۔اور فرمایا کہ قرآن مجید اور سنت رسول میں ہمارے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ان کی موجودگی میں ہمیں کسی اور نظام کی ضرورت نہیں۔[61]

اوقاف،زکوٰۃ، مساجد اور اسلامی قانون سازی کی ضمانت

مولانا عبدالحق(اکوڑہ خٹک) نے ایوان میں مسودۂ دستور کے حوالے سے نہایت اہم خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ یہ ایوان پوری قوم کا نمائندہ ہے۔اور جناب صدر اور وزیر قانون نے متعدد بار اس کا اعادہ کیا جو مسودۂ دستور میں حزب اختلاف کی طرف سے جو بھی معقول اور اسلامی ترمیمیں آئیں گی انہیں منظور کیا جائے گا۔لہٰذا ہماری مشترکہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم قوم کو ایسا آئین دیں جو دینِ اسلام کا محافظ ہو اور جس سے ملک کی سالمیت قائم رہے۔اور شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ بھی آئین کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اسلامی دفعات کے حوالے سے دھوکا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ دفعہ ۲۲۷ میں لکھ دیا گیا کہ کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہیں ہو گی۔اب اس بات کا فیصلہ کون

---

[60] - Ibid.,p.1308
[61] -Ibid.,p.1310

کرے گا کہ یہ قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں ؟ تو اس سلسلے میں لکھا گیا ایوان صدر یا گورنر ایسے قوانین کو اسلامی کونسل کے پاس بھیجیں گے وہ اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ آیا یہ قرآن وسنت کے منافی ہے یا نہیں ہے۔ لیکن اس میں چور راستہ یہ رکھا گیا کہ کہ مفادعامہ میں کوئی قانون جو اسلامی کونسل میں زیر بحث ہو ،اس کو قبل از منظوری نافذ کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح مزید ستم یہ کہ اسلامی کونسل کی طرف سے آنے والے فیصلے پر حکومت عمل در آمد کی پابند بھی نہیں ہو گی۔تو یہ قرآن سنت کے ساتھ مذاق ہوا۔ لہذا اسلامی کونسل کی دفعہ کو تحفظ دیا جائے اور حکومت کو اس کے فیصلے کا پابند بنانے کے لیے شق شامل کی جائے۔جب ہم نے اس بات کو مان لیا کہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہو گا تو پھر ہرشعبہ میں اسلام ہی کو بنیاد بنایا جانا چاہیے۔

اسی طرح انہوں نے دفعہ ۳۱ سے متعلق عرض کیا کہ اس دفعہ میں حکومت زکوٰۃ ، اوقاف اور مساجد کا انتظام کرے گی۔لیکن مشاہدے میں آرہا ہے کہ جو مساجد اوقاف کی زیر نگرانی ہے وہاں بنیادی سہولتیں نا یاب ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سہولتوں کے لیے مہینوں تک درخواستیں جمع رہتی ہیں۔لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سلسلے میں درخواست ہے کہ حکومت جس مد کے لیے پیسے لے اسی مد میں استعمال کرے۔یہاں اوقاف کی آمدنی سے لوگوں کو بیرون ملک بھیجا جاتا ہے۔اس کے سدِ باب کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ یہاں ایوان میں مسودۂ آئین کی ہر شق پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا جانا چاہیے۔جہاں یہ ملک ۲۶سال تک بے آئین رہا ،تو اس ملک کو ایک مضبوط آئین دینے کے لیے چند دن مزید لگ جائیں تو اس میں کچھ حرج لازم نہیں ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم یہاں اسلامی دفعات کے حوالے سے جو بھی ترمیم دیتے ہیں اس کو رد کر دیا جاتا ہے۔یہ دراصل مغربی جمہوریت کا اثر ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ وقت اپنی پارٹی سسٹم کی پاسداری کا نہیں بلکہ پوری قوم کا مسئلہ ہے۔ہمیں پارٹی منشور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قومی جذبے کا مظاہر کرنا ہو گا۔ہمیں کسی ترمیم کو مسترد کرنے میں پوری قوم کو دیکھنا ہے۔انہوں نے کہا کہ میری ایوان سے درخواست ہے کہ وہ کسی دفعہ پر اپنی رائے پوری دیانتداری سے دے۔اور کسی دفعہ کو دستور کا حصہ بنانے میں پوری احتیاط کا مظاہر ہ کیا جائے۔[62]

عربی زبان کی ترویج

بعد ازاں مولانا کوثر نیازی نے مولانا ظفر احمد انصاری کی غیر موجودگی میں ان کی ترمیم کو پیش کرتے ہوئے فرمایا:

---

62 - Ibid.,p.1311-1313

اس مسودہ آئین کے آخری پیرا گراف (A) جو ہے اس کی کلاز نمبر ۲میں ان الفاظ کا اضافہ کیاجائے کہ عربی زبان کی ترقی کے لیے کوشش کی جائے۔[63]

قرآن کی اغلاط سے پاک طباعت

مولانا عبدالحکیم نے مذکورہ ترمیم کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ان کی مکمل تائید کرتا ہوں۔یعنی عربی زبان کو فروغ دیا جائے۔ نہ صرف یہ کہ دستور میں ایک دفعہ شامل کی جائے بلکہ اس حوالے سے عملی قدم اٹھائے جائیں۔پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔اور پاکستان کے عرب اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات انتہائی اہم ہیں۔اس سلسلے میں عربی زبان کے فروغ سے ان ممالک کے ساتھ تعلقات مزید مضبوط ہوں گے۔اور مزید یہ کہ چوں کہ یہ ہمارے دین کی زبان ہے۔قرآن و حدیث کا فہم بھی عربی زبان کا مرہون ِ منت ہے۔عربی زبان کی اتنی استطاعت بہر حال ضروری ہے کہ ہمیں قرآن و حدیث کا فہم حاصل ہو سکے۔ کیوں کہ آج کل جب کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پڑھی جاتی ہے تو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ کیا بات بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی صحیح طباعت و اشاعت پر زور دیا کہ حکومت اس حوالے سے کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔انہوں نے کہا کہ ہمارے ہی ملک سے اخبارات کے ذریعے سے شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ کچھ ادارے قرآن مجید کی غلط طباعت کر رہے ہیں۔اس حوالے سے احتجاج بھی ریکارڈ کرایا گیا۔اور جمعہ کے اجتماعات میں اس کے خلاف قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔ ایسے اداروں کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اسی طرح انہوں نے وزارت اطلاعات سے مطالبہ کیا کہ جن گھروں میں قرآن مجید کے غلط نسخے موجود ہیں ان کا متبادل انتظام کیا جائے۔اس موقع پر انہوں نے ایک ایسے ادارے کی طرف اشارہ کیا جس نے قرآن مجید کی تین سو آیات کو نسخے میں شامل ہی نہیں کیا۔ یہ سوچی سمجھی سازش لگتی ہے۔ایسے اداروں کے خلاف ایکشن لیا جائے اور انہیں ایسی عبرت ناک سزا دی جائے تا کہ آئندہ کوئی اس کی جرأت نہ سکے۔

اسی طرح انہوں نے کہا کہ اوقاف کے زیرِ انتظام مقامی ڈویژنل اور ضلعی سطح پر جو کمیٹیاں بنی ہیں وہ اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتیں۔وہ مسجد کے تقدس کا خیال نہیں کر پاتے۔اس لیے کہ وہ خود نماز نہیں پڑھتے تو انہیں مسجد کے مسائل اور اس کی ضروریات سے بھی ناواقفیت ہوتی ہے۔اس کے تدارک کے لیے اقدامات کیے جائیں۔[64]

مولوی مفتی محمود نے بھی عربی زبان سے متعلق ترمیم کی مکمل تائید کی اور ایوان کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس ترمیم کو منظور کیا۔ چونکہ عربی ہمارے دینی علوم کی زبان ہے۔ اور عرب ممالک کے ساتھ تعلقات بھی عربی زبان

---

63 - Ibid.,p.1316

64 - Ibid.,p.1316-1318

کو سیکھنے سے مزید مضبوط ہوں گے۔ اس کو اسکول، کالج کے نصاب میں بطور لازمی مضمون کے پڑھایاجائے۔ اسی طرح قرآن مجید کی طباعت جو اغلاط سے پاک ہو، اس کا معقول انتظام کیاجائے۔ اور اس سلسلے میں کوتاہی برتنے پر سخت سزا دی جائے۔ اسی طرح مفتی محمود صاحب نے اس ادارے کا ذکر بھی کیا جس کے بارے میں مولانا کوثر نیازی صاحب نے ذکر کیا کہ اس ادارےنے قرآن مجید کی طباعت میں تین سو آیات کوشامل ہی نہیں کیا،اس واقعہ اور ادارے کا سختی سے نوٹس لیاجائے۔ اور ایسے اقدامات کی سفارش کی تاکہ پاکستان میں پریس کو قرآن مجید میں تحریف سے مکمل باز رکھا جائے۔ اسی طرح انہوں نے زکوٰۃ او ر اوقاف کے حوالے سے بھی ذکر کیا۔ کہ ان کی آمدنی کے بارے میں دیکھاجائے کہ یہ واقعی اسلام کے اصولوں کے مطابق خرچ کی جارہی ہے۔ چونکہ اس میں بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ وقف کرنے والا کس مقصد کے لیے وقف کررہاہے۔ اس کو اسی مقصد کے لیے ہی استعمال کیاجاسکے گا۔ اس کے علاوہ ناجائز ہے۔ اس طرح زکوٰۃ سے متعلق بھی فرمایا کہ موجودہ حالات میں چونکہ پورا نظام غیر اسلامی ہے۔ اس لیے حکومت زکوٰۃ کو وصول کرکے متعین مصارف تک پوری طرح پہنچا دے، یہ نا ممکن لگ رہاہے، لہٰذا اس کے لیے پہلے نظام کو درست کیاجائے۔[65]

دینی جماعتوں کے اراکین کی جانب سے قرآن مجید ، اسلامیات اور عربی زبان کی ترویج سے متعلق ترامیم پیش کی گئیں۔اس سلسلے میں ۱۹۵۳ء میں علما کی جانب سے پیش کی گئی دستوری مسودہ میں ترامیم جو اس حوالے سے پیش کی گئیں اگر ان کو رکھ لیا جاتا تو اس کے بہتر نتائج نکلتے۔متعلقہ ترامیم ضمیمہ جات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

محمد ظفر احمد انصاری نے تعصبات کے انسداد کی شق میں ترمیم کرتے ہوئے لسانی تعصبات کو بھی شامل کرنے کی سفارش پیش کی۔ کہ دیگر تعصبات کے ساتھ لسانی تعصبات کو بھی ختم کیاجائے۔ اس لیے کہ زبان کا تحفظ اور چیز ہے اور اس بنیاد پر تعصبات کو پھیلانا اور فتنہ و فساد بپا کرنا الگ ہے، جس کی نفی ہونی چاہیے۔[66]

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے آرٹیکل ۳۹پیرا گراف (H) میں درج ذیل ترمیم شامل کرنے کی تجویز دی:

> Provide free and compulsory secondary education within of period of five years from the commencing day and remove illiteracy within the minimum possible time.[67]

اس دفعہ کے ذریعے مولانا شاہ احمد نورانی نے مطالبہ کیا کہ حکومت پانچ سال کے عرصے میں سیکنڈری کی تعلیم کو لازمی اور بلامعاوضہ فراہم کرنے کا اہتمام کرے۔اور جتنا جلدی ممکن ہو یہاں سے ناخواندگی کو ختم کیا جائے۔

---

65 - Ibid.,p.1319-1322

66 - Ibid.,p.1340

67 - Ibid.,p.1360

نشہ آور مشروبات کی روک تھام دفعہ ۳۹

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے مسودہ آئین کی دفعہ۳۹ کے پیرا (ج) کے بجائے مندرجہ ذیل عبارت شامل کرنے کی سفارش کی :

یوم آغاز کے فوراً بعد عصمت فروشی، قمار بازی اور مضر ادویات کے استعمال، فحش ادب اور اشتہارات کی طباعت، نشرو اشاعت اور نمائش کی مکمل روک تھام کرے۔[68]

اس دفعہ میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ آئین کے پاس ہونے کے فوراً بعد ہر طرح کے خلاف ِاسلام کام مثلاً عصمت فروشی، قمار بازی، فحش ادب وغیرہ پر پابندی عائد کی جائے۔

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے دفعہ ۳۹شق۳سے متعلق تحریک پیش کرتے ہوئے فرمایا

کہ دفعہ ۳۹شق۳ میں نشہ آور مشروبات کے استعمال پر، سوائے اس کے کہ طبی اغراض کے لیے ہو یا غیر مسلم کی صورت میں مذہبی اغراض کے لیے ہو، نفاذ دستور کے بعد مکمل روک تھام ہو۔[69]

اسی طرح محمد ظفر انصاری نے آرٹیکل ۳۹پیرا گراف (h) میں Provenکی جگہ Legally Prohibit شامل کرنے کی سفارش کی۔ [70]

مولانا عبدالحق(اکوڑہ خٹک) نے مسودہ آئین کی دفعہ ۳۹کے پیر ا(ج)کے بعد ذیل میں دیا گیا نیا پیرا شامل کرنے کی سفارش کی :

ملک میں مروجہ نظام و نصاب ِتعلیم کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرے، قومی اور علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان کو مسلمانوں کی مشترکہ دینی زبان کی حیثیت سے فروغ دے۔تمام معروفات کو فروغ دے اور تمام منکرات کو مٹائے۔[71]

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے دفعہ ۳۹ کی مختلف شقوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بالکل آغاز میں یہ جو بات لکھی گئی ہے کہ مملکت کوشش کرے گی ''انہوں نے فرمایا کہ کوشش تو ہر مسلمان کرتا ہے، لیکن حکومت محض کوشش پر اکتفا نہ کرے۔ حکومت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے انہوں نے قرآن مجید کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ﴾ (۲۲:۴۱)

ترجمہ: جن کو ہم زمین پر اقتدار دے دیں ان کاکام یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں بھلائی کی تلقین کریں اور برائیوں سے لوگوں کو روکیں۔

---

[68] - Ibid.,p.1361
[69] - Ibid.,p.1364
[70] - Ibid.,p.1366
[71] - Ibid.,p.1366

لہٰذا حکومت کاکام محض کوشش کرنا نہیں بلکہ حکومت طاقت کے ذریعے اس کا نفاذ کرے۔ دفعہ۳۹میں بیان کردہ چیزوں کی ضمانت دی جائے اور ان کا نفاذ فوری طور پر کیاجائے، مطلب ہر کوشش کے بجائے کوئی ضمانت کے الفاظ آنے چاہئیں، اسی طرح شراب کے حوالے سے فرمایا کہ حکومت محض کوشش نہ کرے کہ شراب بند ہوجائے بلکہ دستور میں اس بات کو شامل کیاجائے کہ دستور کے نفاذ کے فوراً بعد شراب پر مکمل پابندی ہوگی۔ اس طرح اس آرٹیکل کی ذیلی شقوں میں نظام تعلیم کو اسلامی نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کی شق شامل کی جائے۔ نیز ملازم عورتوں کو زچگی سے متعلق سہولیات فراہم کی جائیں۔ اس طرح انہوں نے دفعہ۳۶میں اس بات کی مخالفت کی کہ قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کو یقینی بنایاجائے۔لیکن دفعہ ۳۹میں کہا گیا کہ عورتوں اور بچوں کو ایسے شعبوں میں مامور نہ کیاجائے جو ان کے لیے مناسب نہ ہوں۔ تو اس سے اندازہ ہوگیا کہ عورت ہر وہ کام نہیں کرسکتی جو مرد کرسکتاہے۔ تو بظاہر دونوں دفعا ت ۳۹ اور ۳۶میں تصادم نظر آتاہے۔ اور حقیقت میں ایساممکن نہیں، اگر برابری کی بات کی جائے۔ تو کیا جیسے مردوں کو نان نفقہ دینے کی ذمہ داری لگائی جاتی ہے۔ ایسے ہی کیا عورت مرد کو نان نفقہ دے؟کیا ایسا ہوسکتاہے جیسے عورت بچے جنتی ہے مرد بھی بچے جننا شروع کریں۔ ہر جگہ مساوات مردوں اور عورتوں میں وہ خلاف فطرت ہے۔ اس نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ صلاحیتیں دی ہیں لہٰذا ان کو ان صلاحیتوں کے مطابق ان کے لیے متعین شعبہ جات میں ذمہ داریاں ادا کرنے دی جائیں۔[72]

شراب اور دیگر ممنوعات کی مکمل روک تھا م کا ذکر کیا گیا لیکن یہ کافی نہیں بلکہ اس حوالے سے مکمل قانون سازی کی جائے جس میں معین مدت کے بعد اس ممنوعات پر از خود پابندی عائد کی جائے۔اوراس سلسلے میں حکومت علما کے ذریعے عوام میں آگاہی مہم چلائے جس میں اس کی حرمت اور جسمانی و اخلاقی نقصانات واضح کیے جائیں۔

شراب کی روک تھام کے لیے معینہ مدت

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے شراب سے متعلق دفعات کے متعلق فرمایا کہ اس پر پابندی کے حوالے سے جو دفعات رکھی گئی ہیں وہ ناکافی ہیں۔ حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ شراب پر مکمل پابندی کے لیے ایک معین مدت رکھی جائے تا کہ ایک مسلم ملک میں مسلمانوں کی زندگی قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق گزر سکے۔اور اس کے لیے اقدامات کرنا حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔[73]

محمد ظفر احمد انصاری نے گشتی عدالتوں کے حوالے سے ترامیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے د وردراز دیہاتوں میں خواتین سخت مصیبت میں ہوتی ہیں کہ ان کے چھوٹے چھوٹے معا ملات ہوتے ہیں ،جیسے نکاح ، طلاق، نان نفقہ وغیرہ کے۔غربت کی وجہ سے اور شہروں

---

[72] - Ibid.,p.1368-1370

[73] - Ibid.,p.1374

سے دو ر ہونے کی وجہ سے وہ اسی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارتی ہیں۔ اور دینِ اسلام نے جو بنیادی حقوق انہیں دیے ہیں اس سے محروم رہتی ہیں۔جب کہ ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کے حقوق دلائے جائیں ،اور ان سے کوئی فیس وصول نہ کی جائے۔تو اس سلسلے میں گزار ش ہے کہ ایسی گشتی عدالتیں قائم کی جائیں جو مختلف وقفوں سے مختلف مقامات پر سماعتیں کریں۔اور جس جگہ جائیں وہاں پہلے سے اعلان کر دیں۔ اور اس طرح کے چھوٹے چھوٹے مقدمات کا فیصلہ فوری طور پر وہیں کر دیں۔بہر حال اس کے بعد ان فیصلوں کے خلاف اپیل کی جا سکتی ہے۔ یہ کام پہلی ترجیح کے طور پر کرنا چاہیے۔اور پارلیمنٹ اس حوالے سے قانون وضع کرے۔اور یہ قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہوں۔اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ حکومت کو ایسا نظام قائم کرنا چاہیے کہ عدالتوں میں جانے کی کم سے کم ضرورت پیش آئے۔[74]

یہ ترمیم بھی بہت معقول ہے اور سنت ِ رسول ﷺ کا عمومی مزاج بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اس لیے کہ کسی خاص جگہ پر عدالت کی عمارت کا بننا اور وہاں ججز کا بیٹھنا اور وکیل کے ذریعے سے کیس لڑنا وغیرہ کا تعلق انتظامی طور پر تو ٹھیک ہے ،لیکن شریعت کے عمومی مزاج کے مطابق انصاف کو مظلوم کے دروازے تک پہنچانا ،اس کا بنیادی منشا ہے۔لہذا گشتی عدالتوں کی ترمیم بہت معقول تھی۔لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔

مولوی مفتی محمود نے شراب کی حرمت سے متعلق دفعہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایاکہ شراب پینا دینِ اسلام میں حرام ہے اور یہ شیطانی عمل ہے۔لہذا اس کے بارے میں محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ حکومت جلد از جلد اس پر پابندی لگائے گی، بلکہ اس کے لیے ایک مدت مقر ر کی جائے ،جس کے بعد شراب پر پابندی ہو۔مدینہ منورہ میں بھی چھ سال کے عرصے میں شراب کی مکمل حرمت کا حکم نازل ہو گیا تھا۔اسی طرح انہوں ے منظور حسن کی ترمیم کی حمایت کی،جس میں کہا گیا تھا کہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں فحش پروگرامات پر پابندی عائد کی جائے۔مولانا غلام غوث نے بھی مذکورہ ترمیمات کی حمایت کی۔[75]

ربٰو (سود) پر پابندی

مولانا شاہ احمد نورانی صدیق نے ربٰو(سود) کے حوالے سے ایوان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دینِ اسلام سرمایہ داری نظام کو فروغ نہیں دیتا۔اصل میں سرمایہ داری کی بنیا د ربٰو(سود) ہے۔ جب کہ دینِ اسلام میں ربٰو(سود) حرام ہے۔جب کہ سرمایہ داری سے امیر امیر تر ہوتا ہے جب کہ غریب غریب تر ہوتا ہے۔دینِ اسلام کے مطابق سود کھانے والے کی دنیا و آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔اور دولت چند افراد کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔انہوں نے درخواست کی کہ ربٰو(سود) کے بارے میں جو دفعہ شامل کی

---

[74] - Ibid.,p.1378-1379

[75] - Ibid.,p.1390

گئی ہے۔کہ اسے جتنا جلدی ممکن ہو ختم کیا جائے گا۔ یہ ٹھیک نہیں ،بلکہ اس میں ترمیم یہ ہے کہ یہاں ایک مدت مقرر کی جائےچاہے وہ دو، تین،چار سال ہو۔لیکن معین مدت کے اندر ربٰو کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔[76]

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک نے مسودہ آئین کی دفعہ 40 کے پیر اگراف (ت) کے بجائے مندرجہ ذیل ترمیم پیش کی :

> ربٰو کو زائد سے زائد تین سال میں ختم کرے اور اس کے لیے ماہرین معیشت و اقتصادیات کی ایک کمیٹی ترتیب دے جو موجودہ بنک سسٹم کو غیر سودی بنیادوں پر اسلامی اصول کے مطابق تبدیل کرے''، اس لیے کہ استحصال کو روکنے اور اس کے غضب سے بچنے کا یہی ذریعہ ہے کہ سود کی لعنت کو ختم کیاجائے۔[77]

ربٰو(سود) کو ختم کرنے کے لیے دینی جماعتوں کے اراکین کا مطالبہ یہ تھا کہ اس کے لیے معین مدت رکھی جائے۔ چوں کہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے ربٰو(سود) کا معاملہ ابھی تک جاری ہے۔اس حوالے سے ہم پاکستان میں انسداد ربٰو(سود) کے حوالے کی جانے والی کوششوں کا جائزہ آئندہ باب میں پیش کریں گے ،ان شاءاللہ !

اسمبلی مباحث(تدوین آئین)۱۶/مارچ۱۹۷۳ء

صدر مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے دفعہ۴۴

مولانا عبدلحق (اکوڑہ خٹک) نے مسودہ آئین کی دفعہ ۴۴ کی شق (۲) کے بجائے مندرجہ ذیل شق کی تحریک پیش کی:

> کوئی شخص اس وقت تک صدر کی حیثیت سے انتخاب کا اہل نہیں ہو گا جب تک کہ وہ کم ازکم چالیس سال کی عمر کا مسلمان مرد نہ ہو۔[78]

مولانا غلام غوث نے مسودہ آئین کی دفعہ ۴۴ کی شق(۲) کے حوالے سے تحریک پیش کی کہ :'' مسودہ آئین کی دفعہ ۴۴ کی شق (۲) کی دوسری سطر میں لفظ مسلمان سے پہلے لفظ مرد درج کیا جائے۔ ''[79]

مولانا عبدلحق (اکوڑہ خٹک) نے مسودہ آئین کی دفعہ ۴۴ کی شق (۲) کے اختتام پر مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کرنے کی تحریک پیش کی: '' اور عام آدمی ملکی اور قومی سیاست سے باخبر ہو نیز اسلام کے احکامات کی خلاف ورزی میں مشہور نہ ہو۔''[80]

مولانا عبدلحق (اکوڑہ خٹک) نے اپنی ترمیموں کی وضاحت کرتے ہو ئے فرمایا کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ اسلامی مملکت کا مطلب یہ ہے

---

[76] - Ibid.,p.1404

[77] - Ibid.,p.1406

[78] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.22, The Manager of Publication, Karachi, Friday, March 16.1973,p.1413

[79] -Ibid.,p.1414

[80] - Ibid.,p.1414

کہ اس مملکت کا پور ا نظام دینِ اسلام کے مطابق ہو۔ انہوں نے کہا کہ جیسے پیغمبر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے ،اسی طرح پیغمبر کا نائب مملکت کا سربراہ ہوتا ہے۔ جو کام خلیفہ کے ہوتے ہیں ،وہی اس کے نائب کے ہوتے ہیں۔ لہذا مملکت کا سربراہ مملکت کے آئین،معاہدات،نظام زندگی اور قوانین کے نفاذ سمیت ہر چیز کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب چوں کہ آئین میں سربراہ مملکت کے لیے عمر کی حد ۴۵ سال مقرر کی گئی ہے۔ میری ترمیم یہ ہے کہ اس کو ۴۰سال کر لیا جائے۔ چالیس سال میں انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے۔اور نبی کریم ﷺ کو نبوت بھی چالیس سال کی عمر میں ملی تھی۔اب ان کے نائب یعنی سربراہ مملکت کی عمر بھی ۴۰ سال مقرر کی جائے۔

دوسری ترمیم مولانا نے صدر مملکت کے حوالے سے دی کہ وہ مسلمان ہو اور مرد ہو۔پھر اس کی وضاحت کرتے ہو ئے انہوں نے کہا کہ مسلمان تو اس لیے کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے۔اور اسلامی ملک کے سربراہ کی ذمہ داری ملک میں شریعت کا نفاذاو راسلامی قوانین کو جاری کرنا ہے۔مذکورہ امور کی انجام دہی وہی شخص نبھا سکتا ہے جو خود ان قوانین اور شریعت پر ایمان رکھتا ہو۔اور جس کا عقید ہ اس کے برخلاف ہو وہ پیغمبر کا جانشین نہیں ہو سکتا۔

دوسری قید مولانا نے یہ لگائی کہ وہ مرد ہونا چاہیے یعنی عورت نہ ہو۔ فطری طور پر مرد کے اندر بہادری،تحمل اور دیگر و ہ اوصاف جو سربراہ مملکت کے لیے مطلوب ہیں،وہ مرد کے اندر پائے جاتے ہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا بھاری بوجھ بھی مردوں کے اوپر رکھا نہ کہ عورتوں پر۔انہوں نے مزید کہا کہ جب نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا کہ کسریٰ کی بیٹی تخت نشین ہوئی ہے۔تو آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا :

لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة.[81]

ترجمہ : وہ قوم ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے امور عورت کے حوالے کر دیے ہوں۔

اس لیے مولانا نے صد ر مملکت کے لیے مرد ہونے کی شرط کو لازم قرار دینے کی ترمیم پیش کی۔[82]

اس کے بعد مولانا غلام غوث نے بھی' صدر کے لیے مسلمان مرد ہو نا ' ترمیم کی حمایت کرتے ہو ئے فرمایا ۱۹۵۱ء میں مختلف مکاتب فکر کے علما کے جن بائیس نکات پر اتفاق ہو ا تھا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ پاکستا ن کا صدر مسلمان مرد ہو گا۔[83]

---

[81]- البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة ، أبو عبد الله، صحيح البخاري ،كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر.

[82] - Ibid.,p.1423-1425

[83] - Ibid.,p.1426-1427

صدر مملکت کی عمر کے حوالے سے ہم پہلے تجزیہ پیش کر چکے ہیں۔اس کا حاصل یہ ہے کہ عمر کی قید لگانا مناسب نہیں۔اس کے علاوہ مسلمان مرد ہونا، کی ترمیم پیش کی گئی۔یہ ترمیم دین ِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے۔اس لیے کہ خود نبی کریم ﷺ کی حدیث بھی موجود ہے کہ وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جس کی سربراہ عورت ہو۔مزید یہ کہ خلافت راشدہ ، خلافت بنو امیہ اور خلافت بنو عباس اور قریب کی خلافت عثمانیہ میں سے کوئی بھی عورت سربراہ نہیں رہی۔

صدر مملکت کے اختیارات دفعہ ۳۶

محمد ظفر احمد انصاری نے آرٹیکل ۳۶ کی شق۱ میں صدر مملکت کے اختیارات کے حوالے سے ترمیم پیش کی جس میں انہوں نے فرمایا کہ صدر کا عہدہ اس شخص کو دیا جائے جس کے آئندہ کوئی سیاسی عزائم نہ ہوں۔اس سلسلے میں وہ ممبر اسمبلی نہیں رہے گا۔مزید یہ کہ سیاسی جوڑ توڑ کے عزائم نہ ہوں۔اس کی غیر جانبداری مسلم ہو۔اس سلسلے میں ایک تجویز یہ ہے کہ وہ اپنے عہدے کی مدت کے دوران یا اس کے بعد نہ اندرون ملک کوئی عہدہ رکھ سکتا ہے نہ بیرون ملک۔ تاکہ اس کی غیر جانبداری برقرار رہے۔مزید اس کے گزران اوقات کے لیے اسے پینشن جاری کی جائے تا کہ وہ بقیہ زندگی عزت و وقار کے ساتھ گزار سکے۔اور سیاست سے دور رہے۔[84]

اس ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ صدر ،اپنی صدارت کی مدت کے بعد کوئی سیاسی عزائم یا سیاست میں عملی طور پر شریک نہ ہو۔اگر تو یہ ترمیم موجودہ سیاسی ڈھانچے کے اعتبار سے ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر دین ِ اسلام کے بتائے ہو ئے سیاسی نظام کے بارے میں کیا جائے تو ایسا شخص جس کو اس عہد ہ کا تجربہ ہو ،وہ اپنے تجربات کو دیگر لوگوں تک پہنچانےکے لیے اجتماعی نظام کے ساتھ منسلک رہتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

صدر حدود و قصاص کی سزا کو معاف نہیں کر سکتا دفعہ ۳۸

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے مسودہ آئین کے آرٹیکل ۳۸ سے متعلق ترمیم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مسودہ دستور میں صدر مملکت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ملک کی کسی عدلیہ کی طرف سے کسی مجرم کو دی جانے والی سزا میں کمی یا معطل یا تبدیل کر سکتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہو گا کہ اس مجرم کو سزا کس جرم میں ملی ہے،اگر اس سزا کا تعلق حدودو قصاص سے ہے ،تو صدر کو یہ اختیار بالکل نہیں دیا جا سکتا کہ وہ قرآ ن و سنت کے فیصلے میں کمی بیشی یا اسے معطل کر

---

[84] - Ibid.,p.1440-1441

سکے۔ایسا کرنا قرآن وسنت سے بغاوت کے مترادف ہے۔اس لیے کہ کفار نبی کریم ﷺ سے دینی احکامات میں نرمی کا مطالبہ کرتے تھے ،تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ کو بتا دیا کہ ان کفار کو بتا دیں کہ میں اپنی خواہش سے اس میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ جب یہ کام کوئی نبی نہیں کر سکتا تو صدر مملکت کو بھی ایسا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔انہوں نے مزید بتا یا کہ ہمارے ملک میں آئے روز کئی قتل ہوتے ہیں۔اور بیشتر قاتل اثر رُسوخ کی وجہ سے بازیابی حاصل کر لیتے ہیں، اور اگر ایک آدھ کے بارے میں قصاصاً عدالت پھانسی کی سزا سنائے اور قاتل کسی ذریعے سے صدر تک رسائی حاصل کر کے معاف کرالے تو ورثاء کی دادرسی کون کرے گا۔پھر کسی آدمی کی جان،مال اور عزت محفوظ نہیں رہے گی۔ جب کہ اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ مملکت کے شہریوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے۔لہٰذا صد ر کے اس ختیار کو ختم کیا جائے ہاں کسی تعزیری سزا میں کمی بیشی وغیرہ کا اختیار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر حدود اللہ کے حوالے سے فیصلہ اٹل ہے۔[85]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین)۱۹/مارچ ۱۹۷۳ء

پروفیسر غفور احمد نے آرٹیکل ۴۸سے متعلق ،جس میں صدر مملکت کو سزا معاف ،کمی یا تبدیل کرنے کا اختیار ہے، کی دفعہ پر تین اعتراضات کیے۔پہلا یہ کہ صدر کسی قید ی کی سزا کو اس وقت تک معاف نہیں کر سکتا جب تک قاتل مقتول کے ورثا کو خون بہا نہ دے دے۔خون بہا دیے بغیر قاتل کو معاف کرنا مقتول کے ورثا پر ظلم ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ آئین کے مطابق صدر وزیر اعظم کی ہدایات کا پابند ہے ،تو گویا حقیقت میں سزا کی معافی یا کمی بیشی کا اختیار وزریر اعظم کے پاس ہوا۔اور وزیر اعظم چوں کہ اکثریتی پارٹی کا نمائندہ ہوتا ہے۔تو وہ اپنے پارٹی ارکان سے پہلے یہ ظلم کروائے گا پھر سزا ہونے کی صورت میں صدر سے معاف کرا دے گا۔تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قانون کی نظر میں جب تمام شہری یکساں ہیں تو ایک ہی جرم میں ایک ہی سزا ملنے والوں میں سے کسی ایک کو معاف کر دینا اور دوسروں کو سزا دینا یکسانیت کے خلاف ہے۔ اور یہ انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔لہٰذا انہوں نے اس دفعہ کو ختم کرنے کی درخواست کی کہ صدرکا مذکورہ اختیار ختم کیا جائے۔ [86]

صاحبزادہ صفی اللہ نے بھی مذکورہ ترمیم سے متعلق عرض کیا کہ وہ جہاں تک اسلامی قانون کا تعلق ہے توحدود اور قصاص میں کوئی کمی بیشی نہیں کرسکتا۔ نہ ہی اس کو منسوخ یا تبدیل کر سکتا ہے۔خواہ یہ اختیار

---

[85] - Ibid.,p.1447-1448

[86] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.23, The Manager of Publication, Karachi, Monday, March 19.1973,p.1452

صدر کو دیا جائے یا وزیر اعظم کو ،قرآن و سنت کے مطابق غلط ہے۔اور ایسا کرنا حدود و قصاص کے معاملات میں مداخلت کرنے کے مترادف ہو گا۔اور حدود اللہ کا توڑنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔لہٰذا اس دفعہ کو ختم کیا جائے۔[87]

مولانا غلام غوث نے مذکورہ ترمیم کے حوالے سے بیان کیا کہ صدر کو اختیار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر اس شرط کے ساتھ،کہ بعد میں عدالتی تحقیقات کی جائیں گی، اس لیے کہ ہوسکتاہے کہ سزا کا فیصلہ غلط ہو اہو۔ اسی طرح انہوں نے عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنے کے لیے دو سال کی مدت کی مخالفت کی اور کہا کہ فوراً عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کردیاجائے۔[88]

بہر حال مولانا غلام غوث کے مطابق بھی عدلیہ کے ذریعےسے تحقیقات کے نتیجے میں اگر سزا کا فیصلہ درست ثابت ہو ا تو مجرم کو سزا دی جائے گی۔

مولانامفتی محمود نے بھی مذکورہ ترمیم پر اظہا رخیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ کے ذریعے صدر کو یہ اختیار دیاگیا ہے کہ وہ سزائے موت سمیت ہر طرح کی سزا معاف کر سکتا ہے۔حالانکہ ہم اس ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں۔اور شریعت کی مقرر کردہ سزائیں دینِ اسلام کے مطابق کوئی بھی شخص معاف نہیں کر سکتا۔انہوں نے کہا کہ حدود کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ سزا جو اللہ تعالیٰ نے کسی جرم کی مقرر کی ہو۔اور یہ چار ہیں۔حدزنا، حد قذف، حد سرقہ اور حد خمر ہے۔اس کے علاوہ قصاص کی سزا ہے کہ کوئی آدمی کسی کو قتل کر دے تو قصاصاً اس قاتل کو سزائے موت دی جائے گی۔تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں کو انسانوں میں سے کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے سوائے مقتول کے ورثا کے کہ جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ مذکورہ سزاؤں کو معاف کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھی نہیں دیا۔ جب ایک نبی یا رسول اس سزاؤں کو معاف نہیں کر سکتا تو صدر کو یہ اختیار کس بنیا د پر دیا جا سکتا ہے۔لہٰذا صدر کے اختیار کی اس دفعہ کو کالعدم قرار دیا جا ئے۔[89]

آئین کی دفعہ ۲۲۷کے بارے میں تو اتفاق کر لیا گیا تھا کہ کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں دیا گیا تھا۔اور بیان کردہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ یہ دفعہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔لیکن موجودہ آئین پاکستان کی دفعہ ۴۵ میں اس اختیار کو باقی رکھا گیا ہے کہ صدر کسی بھی عدالت،ٹریبونل کی سزاؤں میں کمی یا انہیں معطل کر سکتا ہے۔اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

---

[87] -Ibid.,p.1452
[88] - Ibid.,p.1454
[89] - Ibid.,p.1477

اس ترمیم پر پہلے بات کی جا چکی ہے کہ صدر کو یہ اختیار کسی طور پر نہیں دیے جا سکتے۔ہاں اگر فیصلہ میں کسی طرح کا سقم ہو تو سربراہ مملکت اس کی مزید تفتیش کا حکم دے سکتا ہے تا کہ کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہو۔

حلف کی خلاف ورزی پر صدر کا نااہل ہو جانا

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے مسودہ آئین کی اس دفعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ جس میں صدر کو جسمانی یا دماغی نا اہلیت کی بنا پر الگ کیاجاسکتاہےاسی طرح انہوں نے تحریک پیش کی :

> میری گزارش یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک لفظ اعتقاد کی خرابی بھی آجائے، اور صدر کے حلف اٹھانے میں جن اعتقادات کا ذکر ہے ان اعتقادات کو چھوڑ دینے کی صورت میں بھی اسے الگ کیاجانا چاہیے۔[90]

مولانا غلام غوث نے بھی مولانا عبدالحق(اکوڑہ خٹک) کی تحریک کی تائید کی۔

صدر و وزیر اعظم کے اختیارات

مولانا عبدالحکیم نے مسودہ آئین کی دفعہ ۵۱کی شق میں ''کہ وہ مسودہ کا پابند ہوگا''حذف کرنے کی تحریک پیش کی۔

مولانا عبدالحق نے دفعہ ۵۱ شق ایف میں مندرجہ ذیل اضافہ تجویز فرمایا:''الایہ کہ صدر آئینی احکام کی پابندی کے سلسلے میں وزیراعظم سے مواخذہ کرسکے گا۔''[91]

پروفیسر غفور احمد نے دفعہ ۵۱ کی شق ۲ کے بارے میں تحریک پیش کی کہ :

> The Question whether any and if so what, advice was tendered to the president by the cabinet or the prime minister shall not be enquired into any court.[92]

مولانا عبدالحکیم نے تجویز پیش کی کہ مسودہ آئین کی دفعہ ۵۱کی شق۳ کے بجائے مندرجہ ذیل الفاظ درج کیے جائیں: ''صدر کا کوئی حکم جب تک وہ وزیراعظم کے مشورے سے جاری نہ کیا گیا ہو باضابطہ نہیں ہوگا۔''[93]

مولانا عبدالحکیم نے مسودہ آئین کی دفعہ ۵۱ کی شق نمبر ۱ کے اس حصے کو حذف کرنے کی تحریک پیش کی جس میں صدر کو وزیراعظم کے مشورہ کا پابند بنایاگیاہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ کیسی بات ہے کہ ملک کی سب سے اونچی شخصیت پر پابندی ہے کہ وہ وزیر اعظم کی ہدایات کی پابند ہے۔اسی

---

[90] - Ibid.,p.1497
[91] - Ibid.,p.1500
[92] - Ibid.,p.1501
[93] . Ibid.,p.1501

طرح مزید قید یہ لگائی گئی ہے کہ صدر کی جانب سے احکامات اس وقت قانونی تصور ہوں گے جب ان میں وزیر اعظم کے دستخط موجو د ہو ں۔

مذکورہ دفعات کی وجہ سے ہماری انتظامیہ اور ملکی معاملات پر منفی اثرات پڑیں گے۔اس لیے کہ ہماری تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اختیارات کسی ایک شخصیت میں جمع ہو تے ہیں تو جو بھیانک واقعات رونما ہوتے ہیں ہم نے اس کا مشاہدہ اپنے ملک میں کیا ہے۔لہذا صدر و وزیر اعظم کے اختیارات کے مابین توازن ہو۔اورسارے اختیارات وزیر اعظم کو منتقل نہ کیے جائیں۔ایسا کرنے سے اس ملک کے اندر اکثریتی پارٹی کے تصورات و خیالات کو ٹھونسا جائے گا اور غیر سیاسی شخصیت کے اپنے خیالات اور ملک دوستی پر مبنی پالیسیاں سیاست کی نظر ہوجائیں گی۔[94]

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے بھی اس دفعہ کی مخالفت کی جس میں صدر کو وزیراعظم کے مشورہ کا پابند بنایا گیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ مشورے کے بارے میں یہ بات طے ہے کہ مشورہ کی پابندی کرنا لازم نہیں، تو انہوں نے تحریک پیش کی کہ اس کی جگہ یہ لکھ لیاجائے کہ صدر وزیراعظم کے احکام کا تابع ہوگا۔ اس لیے کہ صدر چونکہ غیر جانبدار ہوتاہے اور وزیراعظم ایوان میں اکثریتی پارٹی کا نمائندہ ہے اگر صدر وزیراعظم کے ہر مشورے کاپابند ہو تو گویا دونوں صدر اور وزیراعظم مل کر اکثریتی پارٹی کے مفادات کے محافظ بن گئے اور یہ ملک کے لیے زہر قاتل ہے۔[95]

مولوی مفتی محمود نے بھی صدر کو وزیراعظم کے مشورے کا پابند بنانے کی دفعہ کی مخالفت کی اور فرمایا کہ صدر چونکہ غیر جانبدار ہوتاہے، اگر چیف جسٹس آف پاکستان اور چیف الیکشن کمیشن جیسی شخصیات وزیراعظم کی گڈ بک میں ہیں، تو عدلیہ کی آزادی کا معاملہ بھی مشکوک ہوجائے گا لہٰذا صدر کے اختیارات کو بالکل نہ ختم کیاجائے۔[96]

قومی اسمبلی کے اسپیکر،چیئر مین سینٹ کا مسلمان ہونا دفعہ ۵۲

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے آرٹیکل ۵۲ کی شق۱ میں ترمیم پیش کی کہ:

> صدر کا عہدہ جبکہ صدر وفات پاجائے یا مستعفی ہو یا برطرفی کی وجہ سے عہدۂ صدارت خالی ہوجائے تو اس کی جگہ پر قومی اسمبلی کا اسپیکر یا چیئرمین اس کا قائم مقام ہوگا‘‘اس میں ترمیم اس قدر ہے کہ اگر صدر کا عہدہ صدر کی وفات، استعفیٰ یا برطرفی کی وجہ سے خالی ہوجاتاہے، یا وہ عہدۂ صدارت کے فرائض انجام دینے سے قاصر ہے تو قومی اسمبلی کے اسپیکر کا مسلمان ہونا ضروری ہے تاکہ وہ قائم مقام صدر ہو سکے۔[97]

---

[94] - Ibid.,p.1513
[95] - Ibid.,p.1513-1514
[96] - Ibid.,p.1516-1517
[97] - Ibid.,p.1522

اس ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے فرمایا کہ مملکت کا سربراہ چوں کہ صدر ہوتا ہے۔اور یہ ایک اسلامی ملک ہے اور آئین نے بھی پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا ہے۔اور صدر مملکت کی اہلیت میں مسلمان ہونے کی شرط بھی موجود ہے،تو اگر صدر مملکت کا انتقال یا معزول کر دیا جائےیا اور کسی بیرونی سفر کی وجہ سے جب اس کی جگہ کسی شخص کو صدر کے عہد ہ پر بٹھایا جائے گا تو اس کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط رکھی جائے۔عام طورپر چیئر مین سینٹ یا اسپیکر قومی اسمبلی صدر کی غیر موجودگی میں اس عہد ہ کا حلف لیتے ہیں تو ان کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط رکھی جائے۔اس عہد ہ پر رہنا چاہے ایک دن کے لیے ہو،ایک ماہ کے لیے ہو یا سال کے لیے بہر حال یہ مملکت کا سب سے بڑا عہد ہ ہے لہذا چیئر مین سینٹ اور قومی اسمبلی کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بھی آئین میں رکھی جائے۔[98]

اسمبلی کی مدت چار سال کی جائے دفعہ ۵۵

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے آرٹیکل ۵۵میں ترمیم پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> Sir, I beg to move that in Article 55 of the constitution bill, for the word "five" occurring in the second line the word "four "be substituted.[99]

اس ترمیم کے مطابق مولانا نے اسمبلی کی میعاد کو پانچ سال کے بجائے چار سال کرنے کی تحریک پیش کی۔

مولانا ظفر احمد انصاری نے آرٹیکل 55سے متعلق ترمیم پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> Provided that, not withstanding the generality of the above, the first three Assemblies to function, under the constitution shall have a term of three years only with effect from their respective dates of first meeting and shall stand dissolved at the expiration of the said term.[100]

محمد ظفر احمد انصاری نے آرٹیکل ۵۵ سے متعلق ترمیم پیش کی کہ اس دستور کے منظور ہونے کے بعد پہلی تین اسمبلیوں کی میعاد تین تین سال کی جائے اس مدت کے بعد اسمبلی کے ختم ہونے کی مذکورہ مدت تین سال ختم کر کے چار یا پانچ سال کر دی جائے۔

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے آرٹیکل ۵۵میں دی گئی اپنی ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملک میں گزشتہ پچیس سالوں سے انتخابات اور عوامی رائے کو نظر انداز کیا گیا۔اور دستور میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ اب انتخابات آزاد الیکشن کمیشن کی جانب سے منعقد کروائے جائیں گے۔تو اس سلسلے میں انہوں نے اسمبلی کی میعاد پانچ سال کے بجائے چار سال کرنے کی سفارش پیش کی،جس کا مقصد یہ ہے کہ عوام کے سیاسی شعور میں اضافہ ہو اور جس طرح گزشتہ سالوں میں

---

[98] - Ibid.,p.1522

[99] - Ibid.,p.1528

[100] - Ibid.,p.1529

انہی کی آرا کو نظر انداز کیا گیا اس کی تلافی ممکن ہو سکے۔اس کے ذریعے سے رائے عامہ منظم ہو گی۔اور با صلاحیت اور ملک کے خیر خواہ لوگ اس حکومت کے انتظام و انصرام سنبھالیں گے۔[101]

اس کے بعد مولانامحمد ظفر احمد انصاری نے آرٹیکل ۵۵ میں دی گئی اپنی ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ چوں کہ اس ملک کے عوام کو گزشتہ پچیس سالوں سے اس کے جمہوری حق سے محروم رکھا گیا۔اور قیام پاکستان سے ا یسے حالات پیدا کیے گئے کہ عوامی منتخب نمائندوں کو کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔اس لیے انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس دستور کے تحت پہلی تین اسمبلیوں کی میعاد تین تین سال کی جائے۔ تا کہ عوام کو پورا موقع مل سکے کہ کون سی سیاسی پارٹیاں ان کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔اور کون سی پارٹیاں محض زبانی جمع خرچ پر انحصار کرتی ہیں۔یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسمبلی کی میعاد کم سے کم ہو جس کے لیے انہوں نے تین سال کو مناسب میعاد قرار دیا۔پھر انہوں نے فرمایا کہ ان تین اسمبلیوں کی میعاد ختم ہو جانے کے بعد مستقل طورپر سمبلی کی میعاد مقرر کی جائے جو چار سال بھی ہو سکتی ہے اور پانچ سال بھی ہو سکتی ہے۔[102]

یہ بنیادی طور پر انتظامی مسئلہ ہے۔اس سلسلے میں مولانا ظفر احمد انصاری کی ترمیم معقول ہے۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲۰/مارچ ۱۹۷۳ء

ارکانِ اسمبلی کی اہلیت کی شرائط دفعہ ٦٥

مولانا غلام غوث نے دفعہ ٦٥کے پیراگراف (ب) کے بعد حسب ذیل پیرا (ت) شامل کرنے کی تحریک پیش کی :''(ت) وہ ملک کے معاملات سے واقف ہو اور بد کردار، اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب مشہور نہ ہو۔''[103]

مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری نے دفعہ ٦٥کے پیر اگراف (پ) کے بعد حسب ذیل پیر ا(ت) شامل کرنے کی تحریک پیش کی :

> (ت) وہ مسلمان ہو، ایماندار ہو، اور اسلامی احکامات کا صریح مخالف نہ ہو اور وہ اپنے مذہب کا ضروری علم رکھتاہو۔[104]

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے پارلیمنٹ کے ارکان کے لیے مزید شرائط پیش کی کہ:

> اس کا کردار، اس کا اخلاق، اس کا تقویٰ، اس کی دیانتداری، اس کا منصفانہ مزاج ہونا، معاملہ شناس ہونااور اسلام کے بارے میں اس کی بری شہرت نہ ہو، ان خصوصیات کی شرط بھی لگائی جائے۔[105]

---

[101] - Ibid.,p.1533

[102] - Ibid.,p.1534

[103] - The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.24, The Manager of Publication, Karachi, Tuesday, March 20.1973,p.1578

[104] -Ibid.,p.1578

مولانا غلام غوث نے دفعہ ٦٥کے پیر اگراف (ت) کی ترمیم کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسمبلی میں پورے ملک سے منتخب لوگ آتے ہیں۔ جس میں وہ پورے ملک کی قسمت کے فیصلے کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس ایوان یا اسمبلی میں ایسے لوگ آئیں جو ملکی معامالات سے پوری طرح واقف ہوں، اسی طرح یہ ملک جس نظریے پر قائم ہوا ہے اس نظریے کے محافظ کی حیثیت سے کام کریں۔ایسا نہ ہو کہ وہ ایسے لوگ ہوں جنہیں نہ ملکی معاملات سے کوئی سروکار ہو نہ ہی انہیں نظریہ پاکستان سے وابستگی ہو۔صرف ہاں میں ہاں ملانے والے افراد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس ایوان کے ممبر ہوں۔لہٰذا اس دفعہ میں بیان کردہ ترمیم کو منظور کر لیا جائے۔[106]

اسی طرح مولانا مصطفی الازہری نے بھی دفعہ ٦٥ کے پیر اگراف (ت) میں اپنی پیش کردہ ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایوان کے ممبران جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ مسلمان ہیں ، لیکن ان کا عمل مسلمان کے خلاف ہو تو ایسے لوگ اس معزز ایوان کے رکن کیسے ہو سکتے ہیں ! اسی لیے انہوں نے ممبر اسمبلی کی اہلیت کے حوالے سے فرمایا کہ وہ ذاتی حیثیت میں نیک نام اور ایماندار مشہور ہو۔ نظریہ پاکستان کا محافظ ہو۔اور دینِ اسلام کے احکام کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو اس سے یہ توقع کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ ملک اور اس کے نظریے کا محافظ ہے۔[107]

مولانا عبدالمصطفی الازہری نے مسودہ آئین کی دفعہ ٦٦ شق ١کے پیرا (ٹ) کے بعد حسب ذیل پیرا (ث) کے اضافے کی ترمیم پیش کی:

> (ث)مسلمان ہونے کی صورت میں وہ اسلام کےمقتضیات کی تعمیل سے انکار کرے یا قرآن پاک اور سنت کی مقرر کردہ حدود کھلے طور پر جان بوجھ کر اور بار بارکرے یا عقائد اسلا م کی خلاف ورزی کا عادی ہوجانے کی وجہ سے مسلمان نہ رہے۔[108]

اپنی ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اسمبلی ایک آئین ساز ادارہ ہے لہذا س ادارے سے وابستہ لوگ نیک شہرت ہوں۔ اگر وہ ایسے امور میں ملوث پائے جائیں جو نظریہ پاکستان اور اسلام کے خلاف ہوں تو ایسی صورت میں ان کی اسمبلی رکنیت ختم کر دی جائے۔ انہوں نے دوران وضاحت مولانا کوثر نیازی صاحب کا حوالہ دیا جو کہ اس وقت بر سر اقتدار پارٹی کے ممبر ہیں کہ وہ بھی اس اسمبلی میں ایسے افراد کی شمولیت کے خواہش مند ہیں کہ ان کے اندر بددیانتی، منافقت اور خلاف اسلام کوئی چیز نہ پائی جائے۔ لہذا انہوں نے سفارش پیش کی کہ جو ان اوصاف

---

[105] - Ibid.,p.1582
[106] - Ibid.,p.1591
[107] - Ibid.,p.1591
[108] - Ibid.,p.1603

کے برخلاف عمل کرے تو اس کی رکنیت ختم کر دی جائے۔تا کہ پورا ملک تباہی سے بچ سکے۔[109]

رکن اسمبلی کی رکنیت کب معطل ہو گی

دفعہ ٦٣ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی رکن اسمبلی چالیس روز تک اجلا س سے غیر حاضر رہے تو اس کی نشست خالی قرار دی جائے گی۔

مولانا عبدالحق نے اس دفعہ پر ترمیم تجویز کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی رکن اسمبلی چالیس روز تک 'بغیر کسی معقول عذر 'کے اجلاس میں شریک نہیں ہو تو اس کی نشست خالی قرار دی جائے۔معقول عذر کی وجہ سے اس کی نشست خالی قرار نہ دی جائے۔ اس لیے کہ بہت سے معقول عذر ہو سکتے ہیں۔جیسے بیماری اور قید وغیرہ۔اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نشست خالی کروانے کے لیے کوئی اس کو اغوا کر کے چالیس روز تک قبضے میں رکھے اور اس کی نشست خالی قرار دی جانے کے بعد اسے رہا کر دے،تو اس صورت میں جب کہ عذر معقول ہے ، اس کی نشست خالی قرار دینا انصاف کے اصولوں کے خلاف اور رکن اسمبلی پر زیادتی ہو گی۔لہٰذا اس سلسلے میں 'بغیر کسی معقول عذر ' کی قید کا اضافہ جائے۔[110]

جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے یہ تجویز پیش کی کہ سابقہ دساتیرکے مطابق ساٹھ روز تک ممبر اگر اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہورہا ہو تو اس کی رکنیت ختم کی جاسکتی ہے، اس دستور میں بھی چالیس روز کے بجائے ساٹھ روز بحال کیاجائے۔[111]

ممبران ِ اسمبلی کا تحفظ دفعہ ٦٩

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے آرٹیکل ٦٩کی شق ٢ کے حوالے سے ترمیم دیتے ہو ئے فرمایا کہ ممبران اسمبلی کو تحفظ دینے کی ترمیم شامل کی جائے۔ مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ برسراقتدار لوگوں کے لیے جو ارکان ِ اسمبلی قابل قبول نہ ہوں اور ان کی پالیسیوں پر نقد کرتے ہوں تو انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے انہیں جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے اور انہیں اسمبلی اجلا س میں شرکت سے روکا جاتاہے۔اس سے ممبر اسمبلی کی آزادی سلب کر کے حق ِ رائے دہی سے باز رکھا جاتا ہے۔تو ایسی صورت میں یہ ترمیم منظور کر لی جائے کہ ممبر اسمبلی کو پورا تحفظ دیا جائے گا اور اس کی آزادی میں مخل عناصر کے خلاف کارروائی ہو گی تا کہ ممبر اسمبلی اپنے امور باحسن و خوبی سر انجام دے سکے۔[112]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین)٢٢/مارچ ١٩٧٣ء

بجٹ سے متعلق ترمیم دفعہ ٨٧

---

[109] - Ibid.,p.1605
[110] - Ibid.,p.1617
[111] - Ibid.,p.1617
[112] - Ibid.,p.1649

پروفیسر غفور احمد نے آرٹیکل۸۷ پر ترمیم پیش کی اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بجٹ جب حکومت تیار کرتی ہے تو دوران سال کسی مد پر معین رقم سے زیادہ خرچ کرنے کی احتیاج ہو یا کوئی اور نئی مد پر خرچ کرنا پڑے تو اس کے لیے حکومت تما م تفصیلات ایوان میں پیش کر کے اس کی منظوری لینے کے بعد مذکورہ مدات پر خرچ کرنے کی مجاز ہے۔ جب کہ موجودہ دفعہ کے مطابق حکومت مذکورہ مدات پر خرچ کر لینے کے بعد ایوان سے اس کی منظوری لے گی،تو یہ ایک محض رسمی کارروائی ہو ئی۔اب اگر ایوان اس کی منظوری نہیں دیتا تو بھی کیا کرلے گا جب کہ رقم مذکورہ مدات پر خرچ ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو اصولی طور پر طے کرنی چاہیے کہ بجٹ کی تیاری میں ہر پہلو کو دیکھتے ہو ئے پورے ہوم ورک کے بعد تیار کیا جائے تا کہ درمیان سال مدات کی رقم میں کمی بیشی کی ضرورت باقی نہ رہے۔ جب کہ انتہائی ضرورت کی بنا پر پہلے ایوان سے منظوری لینے کے بعد رقم خرچ کی جائے۔[113]

آرڑی ننس قرآن و سنت سے مشروط نافذ کیا جائے دفعہ۹۲

مولانا عبدالحق نے دفعہ۹۲کی شق۱ میں حسب ذیل اضافہ تجویز کیا :''بشرطیکہ وہ اس امر میں کتاب و سنت کی پابند ہو ایسا کوئی آرڈیننس یا احکام قرآن و سنت کی نقیض نہ ہو۔ ''[114]

مولوی مفتی محمود نے دفعہ ۹۲ شق۲ سے متعلق حسب ذیل الفاظ حذف کردینے کی تحریک پیش کی :

لیکن اگر صدر ایسا کرنے سے قاصر رہے تو مذکورہ مدت کے اختتام پر سمجھا جائے گا کہ اس نے دستخط ثبت کردیے ہیں۔[115]

محمد ظفر احمد انصاری نے آرڈیننس سے متعلق ترمیم پیش کی اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت اگر کوئی آرڈیننس جاری کرتی ہے تو اس میں یہ پابندی ضروری ہے کہ حکومت کے پاس یہ اختیار صرف غیر معمولی حالات میں ہو،جیسے حالت جنگ۔اس لیے کہ حکومت کو اپنے عوام پر اعتماد کر نا چاہیے کہ وہ محبِ وطن ہیں۔دوران وضاحت انہوں نے ایوب خان کے زمانے میں بننے والے کمیشن کا ذکر کیا جس نے اس مسئلے سے متعلق رپورٹ پیش کی تھی کہ حکومت کو آرڈیننس کا اختیار صرف حالت جنگ میں دیا جائے گا۔اس کے ساتھ ساتھ اس صورت میں حکومت فوری طور پر اسمبلی کا اجلاس بلائے گی جس میں انہیں اعتماد میں لے

---

113 - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Thursday march 22, 1973,p.1788-1789

114 -Ibid.,p.1811

115 - Ibid.,p.1813

گی۔انتہائی ضرورت کی بنیاد پر ایوان کے کورم کو مختصر کر کے مذکورہ مسئلے پر بحث عمل میں لائے جا سکتی ہے۔[116]
اس کے بعد محمد ظفر احمد انصاری نے جسٹس شہاب الدین کی رپورٹ کا ایک حصہ پیش کرتے ہوئے فرمایا :

> یہ ایک نہایت غیر جانبدار کمیشن کی سفارش ہے، میں سمجھتا ہوں کہ حکومت یہ پارلیمانی جمہوری قدم اٹھائے کہ عوام پر اعتماد کی مناسب فضا پیدا کرے تو یہ ہمارے ملک کے لیے اچھا ہوگا۔[117]

مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) نے بھی آرڈیننس کے متعلق عرض کیا کہ یہ پارلیمانی ایکٹ کے برابر اثر رکھتا ہے۔ لہذا اس کے اجرا میں قرآن و سنت کی پابندی ضروری ہے۔اگر ایسا نہ کیا جائے تو مشاہدے میں آتا ہے کہ جب ایک آرڈیننس جاری ہو جاتا ہے اور قومی اسمبلی اسے قانونی حیثیت دے دیتی ہے ،حالانکہ مذکورہ آرڈیننس قرآن و سنت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں ترمیم منظور کی جائے کہ آرڈیننس اگر قرآ ن و سنت کے خلاف ہو گا تو کالعدم متصور ہو گا۔ہمیں اسلاف سے یہی رہنمائی ملتی ہے۔انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ خلیفہ بنے تھے تو انہوں نے بھی خطبہ کے دوران فرمایا تھا کہ میرے نزدیک طاقتور کمزور ہے جب تک اس سے انتقام نہ لوں اور مظلوم طاقتور ہے جب تک اس کو اس کا حق نہ دلاؤں اور فرمایا تھا کہ جب تک میں قرآن و سنت کا پابند رہوں تو میری پیروی کرو۔اور اگر اس کے خلاف کروں تو میری اصلاح کرو،اس بات میں میری اتباع نہ کر و۔انہوں نے کہا کہ اس سے پہلے بھی صدر کے فرامین اور عائلی قوانین آرڈیننس کے ذریعے نافذ ہو ئے مگر ان کو ابھی تک تحفظ مل رہا ہے۔لہذا آرڈیننس کا قرآن و سنت کے مطابق ہونے کی شرط کو اس دفعہ میں شامل کیا جائے۔[118]

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے آرڈیننس سے متعلق اپنی ترمیم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے ملک میں آرڈیننس جاری کرنا ایک عادت بن گئی ہے۔اب چوں کہ نئے دستور میں ایک سو تیس دن Working Days پارلیمنٹ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو اسمبلی کا اجلاس بلایا جا سکتا ہے۔اب اس صورت میں آردیننس کے اجرا کی احتیاج ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ جس مسئلے سے متعلق قوانین بنانے ہوں اسے اسمبلی کے اجلاس میں زیر بحث لایا جائے اور پارلیمنٹ سے باقاعدہ منظوری لے کر اسے قانونی شکل دی جائے۔لیکن انتہائی ضرورت کی حد تک اگر ملک حالت جنگ میں ہو تو کوئی آرڈیننس جاری کیا جا سکتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس آرڈیننس کے ذریعے کس فرد،اجتماعیت کو نقصان پہنچ رہا ہوں تو قانونی طور پر اس آرڈیننس کو عدالت میں چیلنج

---

116 - Ibid.,p.1817-1818
117 - Ibid.,p.1818
118 - Ibid.,p.1818-1819

کر نے کا اختیار رکھا جائے۔ یہ عوام کا بنیادی حق ہے۔اس لیے کہ حکومت اپنے من مانے فیصلے عوام پر نہیں ٹھونس سکتی۔[119]
اگر مملکت میں سیاسی خلفشار نہ ہو تو اس طرح کے ہنگامی آرڈیننس جاری کرنے کی ضرورت درپیش نہیں آتی۔ اگر غیر معمولی حالات میں ایسا کرنا پڑے تو یہ شرط رکھی جانی چاہیے کہ اس آرڈیننس کو کورٹ میں چیلنج کیا جا سکے اور اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

گورنر غیر سیاسی شخصیت ہو دفعہ ۱۰۴

مولانا ظفر احمد انصاری نے آرٹیکل ۱۰۴کی شق ۲سے متعلق حسب ذیل ترمیمیں پیش کیں۔

(2) A person shall not be appointed a Governor of a Province, if he:
(a) is less than forty years of age;
(b) Is not qualified to be elected as a member of the National Assembly;
(c) Is or has been a member for any political party at any time during a period of five years preceding the date of his appointment; or
(d) belongs to that province.[120]

مولانا ظفر احمد انصاری نے فرمایا کہ کوئی شخص صوبے کا گورنر منتخب نہیں ہو سکتا اگر وہ :

1. اگر وہ چالیس سال سے کم ہو۔
2. قومی اسمبلی کا ممبر منتخب نہ ہوا ہو۔
3. وہ اپنی تقرری سے ماقبل پانچ سال تک کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہ رہا ہو۔
4. اس صوبے سےتعلق رکھتا ہو۔

اپنی ان ترمیمات کی وضاحت کرتے ہوئے ظفر احمد انصاری نے فرمایا کہ پہلی شرط یہ کہ وہ چالیس سال کی عمر کا ہونا چا ہیے تاکہ اس کی عقل اور رائے دہی میں وزن ہو۔اسی طرح انہوں نے فرمایا کہ اس کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی صوبے کا گورنر مقرر کرنا ہے تو وہ سیاسی جماعت سے مستعفی ہو کر گورنر بنا دیا جائے۔اسی لیے انہوں نے یہ شرط رکھی ہے وہ اپنی تقرری سے ماقبل پانچ سال تک کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہ رہا ہو۔کیوں کہ گورنر ایسا ہو کہ سب جماعتوں کا اس پر اتفاق ہو۔وہ صوبے میں ایک متوازن فضا کا ذریعہ بنتا ہے۔صوبے سے تعلق نہ رکھتا ہو ، تا کہ یکجہتی برقرار رہے۔صوبائی اور نسلی امتیازات کو ختم کیا جا سکے۔[121]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲۶/مارچ ۱۹۷۳ء

---

[119] - Ibid.,p.1820
[120] - Ibid.,p.1861
[121] - Ibid.,p.1866

مولانا غلام غوث نےگفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آئین کی اسلامی دفعات سے متعلق ترمیمات وزیرقانون پیرزادہ صاحب کے حوالے کی ہیں، لیکن ابھی تک ہمیں ان کے حوالے سے کی گئی پیش رفت پر اطمینان نہیں ہوا، اس مملکت کے عوام کی خواہش ہے کہ آئین پاکستان اسلامی ہونا چاہیے اور اس ملک میں اسلام کا بول بالا ہو۔[122]

ترمیم دفعہ ۱۴۳

مولانا غلام غوث نے وفاقی اور صوبائی حقوق سے متعلق دفعہ ۱۴۳پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ کے مطابق صوبائی اسمبلی کا پاس کیا ہوا کوئی قانون،وفاقی قانون سے متناقض ہو ،تو متناقض کی حد تک صوبائی قانون باطل متصور کیا جائے گا،اگرچہ صوبائی قانون پہلے بنا ہو یا بعد میں۔اس لیے کہ مشترکہ امور، و قانون سازی میں وفاقی حکومت کا فیصلہ صوبائی حکومت پر فائق رہے گا۔اس سلسلے میں مناسب ترمیم کر لی جائے کہ اگر صوبائی اسمبلی کوئی قانون پاس کرتی ہے۔اور اس معاملے میں وفاقی قانون موجو د نہیں ہے۔ تو اس صورت میں دستور کی دفعہ ساکت ہے اس سلسلے میں قومی اسمبلی کو اس میں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے تو صوبائی قانون کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو نی چاہیے۔[123]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین)۲۸/مارچ ۱۹۷۳ء

ترمیم دفعہ ۲۴۸

دفعہ ۲۴۸ شق ۲ کے مطابق صدر اور گورنراپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کسی بھی طرح کے جرم میں عدالت میں پیش نہیں ہوں گے۔اسی طرح اس دوران ان کی گرفتاری کا کوئی حکم نامہ بھی جاری نہیں کیا جا سکتا۔اس دفعہ میں ترمیم پیش کرتے ہوئے مولانا غلام غوث نے فرمایا کہ اصولی بات یہ ہے کہ شرعی مجرم کے خلاف مقدمہ کھلی عدالت میں لگایا جائے اور اس بارے میں کوئی تفریق نہ برتی جائے۔اور یہی ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس طرح کے مقدمات کی جواب دہی میں اجتماعی امو ر میں فرق واقع ہو گا۔ تو دفعہ میں اس شق کا اضافہ کیا جائے کہ صدر اور گورنر کی میعاد ختم ہو جانے کے بعد ان پر لگائے گئے الزامات پر مقدمات کو کھولا جائے گا۔[124]

---

[122] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday, march 26, 1973,p.1904

[123] -Ibid.,p.1933

[124] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Wednesday, march 28, 1973,p.2052

مولانا غلام غوث ہزاروی کی ترمیم قرآن و سنت کی تعلیمات کے بر خلاف معلوم ہوتی ہے۔اس لیے کہ صدر یا گورنر کی مدت اقتدار کے دوران کسی جرم میں عدالت میں پیش نہ ہونا کسی طور پر ٹھیک نہیں۔ یہ باعث حیر ت ہے!اس لیے کہ خود ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ کے دورِ خلافت میں انہوں نے اعلان کیا کہ ہم کوئی غلط کا م کریں تو ہم سے باز پرس کی جائے اور ایسے کا م کی اتباع نہ کی جائے۔بھرے مجمع میں ایک عورت کا عمر ؓ سے ان کے لباس کی دو چادروں کے حوالے سے سوال کرنا،اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خواہ کیسا ہی عہدہ کیوں نہ ہو، کسی جرم کی بناپر عدالت کا سامنا کرنا اور اس جرم کی سزا کا اس پر جاری ہونا شریعت کے منافی نہیں بلکہ عین شریعت کے مطابق ہے۔اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ اگر سربراہ ریاست کے مقدمے کی سماعت کے دوران ملکی مفاد پر زد پڑنے کا اندیشہ ہو تو کھلی سماعت کے بجائے محدود متعلقہ افراد کے سامنے سماعت بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔

مولانا غلام غوث نے مزید فرمایا کہ چونکہ قومی اسمبلی اس ملک کا اعلیٰ ادارہ ہے، اور اختیارات بھی اس کے پاس سب سے زیادہ ہیں اور اسی ادارہ کے ذریعے انتظامیہ عدلیہ وغیرہ کا تقرر ہوتاہے۔ تو اگر کوئی جج خلاف ورزی کرے تو یہ ایوان اس کے بارے میں جو فیصلہ دے اس کو نافذ ہونا چاہیے۔ سینٹ میں لے جا کر اس کو طول نہ دیاجائے۔ [125]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۲۹/مارچ ۱۹۷۳ء

اردو زبان دفعہ ۲۵۱

مولانا غلام غوث ہزاروی نے اسمبلی میں مسودہ آئین کی دفعہ۲۵۱ کے حوالے سے تحریک پیش کی کہ :

> (الف) شق (1)کی پہلی سطر میں لفظ ''پندرہ ''کی بجائے لفظ ''پانچ'' درج کیاجائے۔
>
> (ب) شق(۲)کے شروع میں حسب ذیل اضافہ کیاجائے یعنی ''فی الحال جہاں جہاں اردو استعمال کی جاسکتی ہے اس کو استعمال کرنے کے انتظاما ت کیے جائیں گے۔ جیسے ٹکٹوں پر اردو تحریر، راستوں پر اردو بورڈ، اسمبلیوں کی تقاریر اردو میں، ذریعہ تعلیم اردو ہو۔عدالتی کارروائی اردو میں ہو۔[126]

یہ دفعہ بنیادی طور پر اردو زبان سے متعلق تھی جس کے مطابق دستور کے یوم آغاز سے 15 سال کے اندر اندر اس کو سرکاری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں گے۔ مولانا نے مختلف واقعات کے حوالے سے بتایا کہ ترقی یافتہ ممالک اپنی ہی ملکی زبان استعمال کرتے ہیں، جب کہ ہمارے ہاں انگریزی رائج ہے جو انگریزوں کے غلامی دور کی بد ترین یادگار

---

[125] -Ibid.,p.2067

[126] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Thursday, march 29, 1973,p.2079

ہے اور یہ انگریزوں سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، لہٰذا اردو کو جتنا جلدی ممکن ہوسکے رائج کیاجائے، اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پانچ سال کا عرصہ رکھاجائے۔[127]

اس ترمیم کے حق میں 5ووٹ ملے، یوں یہ ترمیم رد کر دی گئی۔[128]

متنازعہ مسلم عائلی قوانین کو ختم کیا جائے

پھر مولانا غلام غوث نے تحریک پیش کی :''کہ جدول اول کے حصہ سوئم میں سے مد تین کو حذف کیاجائے۔''

پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مد مسلم عائلی قوانین نمبر۸مجریہ ۱۹۶۱ء ہیں۔ اس بارے میں تمام مکاتب فکر کے علماکا اتفاق ہے کہ یہ قوانین متنازعہ ہیں اور قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔انہوں نے کہا کہ ایوب خان کے دور میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں نے بھی ان قوانین پر بحث کی تھی اور انہیں منسوخ کرنے کی سفارش کی تھی۔ موجودہ حکومت ایک عوامی حکومت ہے اور عوام کی نمائندہ ہےلہٰذا ان قوانین کا نافذ رہنا اور قائم رکھنا عوامی حکومت پر سوالیہ نشان ہے کہ اس نے اس کو ابھی تک منسوخ نہیں کیالہٰذا فوراً ان قوانین کو حذف کر دیا جائے۔[129]

اس ترمیم پر تبصرہ ماقبل کر دیا گیا ہے۔

اسمبلی مباحث(تدوین آئین)۷/اپریل ۱۹۷۳ء

ارکان اسمبلی میں مردوں اور عورتوں کی علاحدہ نشستیں مختص ہوں دفعہ۵۴

مولانا غلام غوث نے مسودہ آئین کی دفعہ ۵۴ الف میں ترمیم پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> مردوں کے ان دو صدر اراکین کے علاوہ دس ارکان خواتین ہوں گی جو اس دفعہ کی ضمن۴ اور۵ کی رو سے منتخب ہوں گی۔

انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ کے مطابق قومی اسمبلی دو سو اراکین پر مشتمل ہوگی لیکن یہ واضح نہیں کہ یہ مرد ہوں گے یا عورتیں یا مخلوط ہوں گے، لہٰذا میری ترمیم یہ ہے کہ یہ دو سو اراکین مرد ہوں، چونکہ خواتین کے لیے الگ نشستیں محفوظ ہیں، اور اگر دو سو میں خواتین بھی شامل ہیں تو الگ سے دس سیٹیں رکھنے کا جواز نہیں۔[130]

وزیر اعظم کب اسمبلی توڑ سکتا ہے

مولانا غلام غوث نے وزیراعظم کے اسمبلی توڑنے کی شق پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وزیراعظم کن وجوہات کی بنا پر اسمبلی توڑ سکتاہے، ظاہر ہے انتخابات میں کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں،

---

[127] -Ibid.,p.2081-2082

[128] - Ibid.,p.2094

[129] - Ibid.,p.2115

[130] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Saturday, April 7, 1973,p.2059-2060

اور وزیراعظم اپنی صوابدید پر یکدم اسمبلی توڑ دے ایسا کسی طور پر درست نہیں، ہاں دو صورتوں میں وزیراعظم کو اسمبلی توڑنے کی اجازت ہو، پہلی یہ کہ سپریم کورٹ کا جج اگر اسمبلی توڑنے کا مشورہ دے تو اس صورت میں اسمبلی توڑ دی جائے اور دوسرا وزیراعظم اپنی پارٹی کی اکثریت کھودے اور اسمبلی میں دو پارٹیاں برابر ہوجائیں اس صورت میں بھی اسمبلی توڑی جاسکتی ہے، مولانا نے فرمایا کہ میری یہ زبانی ترمیم اسمبلی توڑنے کی شرائط میں ضرور لکھی جائیں۔[131]

وزیر اعظم کو ملکی حالات سے باخبر ہونا دفعہ ۹۴

پھر مولانا غلام غوث ہزاروی نے فرمایا کہ مسودۂ آئین کی دفعہ۹۴ کی شق (۳) کے بعد شق۴ کے طور پر اضافہ کیاجائے کہ:

> کوئی شخص وزیراعظم کے طور پر انتخاب کا اہل نہیں ہوگا اگر وہ ملک کے معاملات یا عام سیاست سے غافل ہو یا اپنے خراب کردار یا احکام اسلام کی خلاف ورزی کی شہرت رکھتا ہو۔

پھر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چوں کہ وزیر اعظم مملکت کا آئینی حکمران ہوتا ہے۔اور وہ اس ملک کے عوام کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا ایسے شخص کے لیے اہلیت کا مطلوبہ معیار ہونا لازمی ہے ،جو اس عہدے سے متعلق ہے۔اس لیے انہوں نے وزیر اعظم کے لیے شرط رکھنے کا مشورہ دیا کہ وہ ملکی معاملات کا تجربہ رکھنے والا ہو۔ملکی امور و نظریہ سے گہری وابستگی ہو۔مزید کہ وہ ملک میں اچھی شہرت کا حامل ہو۔بدکردار نہ ہو۔[132]

اسمبلی مباحث(تدوین آئین) ۹/اپریل۱۹۷۳ء

مسودۂ دستور پر جامع تبصرہ

آئین ِ پاکستان کا قومی اسمبلی سے منظوری سے ایک دن قبل مولانا غلام غوث نے مسودۂ آئین پاکستان سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہو ئے فرمایا کہ تدوینِ آئین تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ظاہر ہے کسی ملک کا مستقل آئین بننا ایک اعزاز کی بات ہے۔ورنہ یہ ملک سر زمینِ بے آئین کہلاتا۔

انہوں نے مزید کہا کہ آئین کے اچھے اور برے ہونے کا معیار اکثریت یا اقلیت پر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اسلام میں انسانوں کو گنا نہیں جاتا تولا جاتا ہے۔آئین پاکستان کی دفعات کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اس میں سابقہ آئینوں کی بنسبت اسلامی دفعات بہتر ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اس آئین کو دنیا کے سامنے ایک مکمل اسلامی آئین کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔

---

131 -Ibid.,2184-2185

132 - Ibid.,2192

انہوں نے کہا کہ اسلام مملکت کا سرکاری مذہب ہو گا ،یہ دفعہ سابقہ آئینوں میں نہیں تھی اور بلا شبہ اس دفعہ کا شامل کیا جانا بہت بڑا کارنامہ ہے۔اسی طرح صدر و وزیر اعظم کا مسلمان ہونے کی دفعہ بھی خوش آئند ہے۔اسی طرح دفعہ ۲۲۷میں اس بات کی ضمانت دی گئی کہ کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہیں ہو گی۔ تو اس دعویٰ کی کوئی ضمانت ہونی چاہیے تھی کہ جو قوانین قرآن و سنت کے خلاف ہیں ان کو قرآن و سنت کے مطابق کیا جائے گا۔یہ ضمانت دستور میں موجود نہیں ہے۔اس حوالے سے آئین میں اسلامی کونسل کی دفعہ موجود ہے کہ اگر کسی قانون کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ آیا وہ قرآن و سنت کے مطابق ہے یا نہیں تو اس کو اسلامی کونسل میں بھیجا جائے گا کہ اس قانون کے بارے میں مشاورت کے بعد ایوان کو اپنے موقف سے آگاہ کرے۔اس میں خاص طور پر آئین کی تشکیل کو رکھا گیا ہے۔انہوں نے کہا کہ اس دفعہ کے مطابق اسلامی کونسل کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ارکان پر مشتمل ہو گی۔ جس میں ایک ایک جج ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے لیا جائے گا۔ اسی طرح چار علما اس کونسل کے ممبران ہوں گے۔ یہ تو چھ ہو گئے۔اب اس دفعہ میں مزید نو افراد کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کہ وہ کون ہو ں گے۔اگر کسی دور میں حکومت اپنے من مانے فیصلے کونسل سے کروانا چاہے تو بقیہ نو ارکان کو اپنی مرضی سے منتخب کروا کر اسی اکثریت سے حکومت من پسند فیصلے کروا سکتی ہے۔اس معاملے کی اصلاح ضروری ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے فرمایا کہ میری غیر موجودگی کی وجہ سے ایک ترمیم پیش نہ ہو سکی وہ یہ تھی کہ کونسل کے کل ممبران کی تعداد دس ہو اور ان میں سے پانچ علمااور دو سپریم اور ہائی کورٹ کے جج ہوں اور بقیہ تین کو صدر مملکت منتخب کریں۔اسی طرح کسی متنازعہ مسئلہ کو بھیجنے کے لیے گورنر یا صدر کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مسئلہ کونسل میں بھیجنا چاہیں یا نا چاہیں تو اس میں ترمیم یہ ہے کہ یہ اختیار ہر ممبر اسمبلی کے پا س ہو کہ وہ کسی مسئلے میں اختلاف کرے کہ قرآن وسنت کے مطابق نہیں تو اس کو بھی کونسل کے پاس بھیجا جانا چاہیے۔ کیوں کہ یہ سب عوام کے نمائندے ہیں۔اسی طرح مزید سقم یہ ہے کہ دفعہ ۲۲۹ کے مطابق اگر اسمبلی یہ مناسب سمجھے کہ اس قانون کو فوراً نافذ کیا جائے تو وہ کونسل کی رائے آنے سے پہلے بھی اس کو نافذ کر سکتی ہے۔اور کونسل کے آنے والے فیصلے پر عمل درآمد بھی ضروری نہیں۔ تو یہ بھی ایک طرح کا مذاق ہے۔ اگر کونسل کے فیصلے کا احترام نہیں ہے۔تو کونسل بنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ جو اس دعویٰ کو رد کرتی ہے کہ قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہیں ہو گی۔

انہوں نے فرمایا کہ کیا آئین کے اندر اسلامی احکام کی ضمانت ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں بھی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی۔ کیوں کہ عائلی

قوانین جن کے بارے میں تمام مکاتب فکر کے علما متفق ہیں کہ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہیں تو ان کو اس آئین میں بھی تحفظ دیا گیا ہے۔ انہوں نے بطور مثال کے کہا کہ عائلی قوانین کے مطابق شوہر بیوی میں طلاق کے بعد چئیرمین ان کے درمیان مصالحت کی کوشش کرے گا۔اگروہ صلح پر راضی ہو جائیں تو ان کا پہلا والا نکاح باقی رہے گا۔ جب کہ یہ قرآن وسنت کے مطابق تین طلاق دینے کی صورت میں عورت عدت پوری کر کے دوسری جگہ نکاح کرے گی اور وہاں سے طلاق ہو جانے یا شوہر کے انتقال ہونے کی صورت میں اپنی عدت پوری کرنے کے بعد پھر پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔اسی طرح عدت کو پورے ۹۰ دن مقررکرنا وغیرہ احکا م ایسے ہیں جو قرآن و سنت کے صریح حکم کے برخلاف ہیں۔لیکن اس آئین میں ان کو تحفظ دیا گیا ہے۔

آخر میں انہوں نے آئین کی تیاری میں صدر مملکت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ آئین کا بنایا جانا بلاشبہ قابل تعریف ہے لیکن اس پر نظر ثانی کی ضرورت بہر حال موجود ہے۔لہٰذا وہ چیز ملک میں نافذ کی جائے جو دین اسلام کے مطابق ہو اور جو چیز اسلام کے خلاف ہے اسے کالعدم قرار دیا جائے۔[133]

۱۰/اپریل ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی نے مسودۂ دستور کو منظور کیا۔اور ۱۲/اپریل ۱۹۷۳ء کو صدر قومی اسمبلی آف پاکستان نے اس کی توثیق کی۔اور ۱۴/اگست ۱۹۷۳ءکو یہ ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

حاصل کلام

اس باب میں ہم نے ۲/فروری ۱۹۷۳ء سے ۱۹/پریل ۱۹۷۳ء تک آئین ِ پاکستان کے لیے بننے والے مسودۂ دستور پر قومی اسمبلی میں ہونے والی مباحث میں متفرق مکاتب فکر کے علما کرام کی جانب سے دی جانی والی تجاویز و ترامیم کا جائز ہ پیش کیا ہے۔ ممبران اسمبلی علما کرام کی طرف سے پیش کردہ اہم ترامیم و تجاویزدرج ذیل ہیں :

- اسلام مملکت کا سرکاری مذہب کی دفعہ کاتحفظ
- غلامی اور بیگار کی ممانعت دفعہ ۱۵ میں ملوث عناصر کے لیے سزا
- دستور نظریاتی ہو نہ کہ آمرانہ،معیشت کی بنیاد اسلام ہے نہ کہ سوشلزم دفعہ ۲

---

133 - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday, April 9, 1973,p.2385-2392

(نوٹ :مندرجہ بالا اور دیگر ابواب میں اسمبلی مباحث، نیشنل اسمبلی آف پاکستان کی آفیشل ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیے گئے ہیں :)

National Assembly of Pakistan , NATIONAL ASSEMBLY DEBATES, http://www.na.gov.pk/en/debates.php,visited:02feb-01june,2016.

- تعلیم کا محکمہ مرکز کے پاس ہو تا کہ فکری یکجہتی ہو،دفعہ ۲۲۷کا تحفظ ضروری ہے صدر حدود و قصاص کی سزا معاف نہیں کر سکتا
- قرار داد مقاصد کو دستور کے قابل عمل حصے میں رکھا جائے
- نظریہ پاکستان مخالف جماعتوں پر پابندی لگائی جائے
- دستور کو ۱۹۵۱ء میں علما کے متفقہ بائیس نکات کے مطابق بنایا جائے
- دستور توڑنے کی سزا دفعہ ۵
- بنیادی حقوق وہ ہیں جو دینِ اسلام نے بتائے ہیں دفعہ۷
- شہریوں کو روزگار کی فراہمی دفعہ۸
- امتناعی نظری بندی دفعہ۹
- انسداد غلامی دفعہ ۱۰
- قرآن و اسلامی تعلیمات کی لازمی تعلیم دفعہ۳۱
- اوقاف،زکوٰۃ اور مساجد اور اسلامی قانون سازی کی ضمانت
- عربی زبان کی ترویج
- قرآن مجید کی اغلاط سے پاک طباعت
- نشہ آور مشروبات کی روک تھام دفعہ ۳۹
- شراب کی روک تھام کے لیے معینہ مدت
- ربٰو (سود) میں پابندی
- صدر مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے دفعہ۴۴
- صدر حدود و قصاص کی سزا کو معاف نہیں کر سکتا دفعہ ۴۸
- حلف کی خلاف ورزی پر صدر کا نااہل ہو جانا
- قومی اسمبلی کے اسپیکر،چیئر مین سینٹ کا مسلمان ہونا دفعہ ۵۲
- ارکانِ اسمبلی کی اہلیت کی شرائط دفعہ ۶۵
- آرڑی ننس قرآن و سنت سےمشروط نافذ کیا جائے دفعہ۹۲
- اردو زبان کو رائج کیا جائے دفعہ ۲۵۱
- متنازعہ مسلم عائلی قوانین کو ختم کیا جائے
- ارکان اسمبلی میں مردوں اور عورتوں کی علاحدہ نشستیں مختص ہوں دفعہ۵۴

یہ وہ نمایاں ترامیم و تجاویز ہیں جو متفرق مکاتب فکر کے علما کی جانب سے ایوان میں پیش کی گئیں۔بیشتر ترمیمات کا تعلق اسلامی دفعات کے حوالے سے ہے۔ہم نے اپنے مقالے کے باب چہارم میں ان میں سے منتخب اسلامی دفعات کا تجزیہ پیش کریں گے جو آئین ِ پاکستان میں موجود ہیں۔اس سے یہ بھی اندازہ ہواکہ مسودۂ دستور میں علما کی ترامیم و تجاویز کو کس حد تک منظور کیا گیا ہے۔بہر حال یہ علما کرام کی کوششوں کا سنہری باب ہے،اور اس دوران جب کہ حزب اقتدار پارٹی کی کو ئی اسلامی سوچ نہیں تھی ،اس کے باوجود کافی حد تک اسلامی دفعات کو دستور

میں جگہ دی گئی۔ اگرچہ ان میں سقم ضرور ہے لیکن ان کا اس حالت میں بھی آئین میں موجود ہونا بلا شبہ انہی علما کرام کامرہون منت ہے۔اس سلسلے میں مباحث آئین کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ علما کی طرف سے ترامیم پیش کرتے ہوئے تمام دینی جماعتوں سے مشاورت کے بعد متفقہ ترمیم پیش کرنے کے لیے منظم کام میں فقدان پایا گیا، اگر یہ کام منظم کیا جاتا اور مختلف دفعات میں ترامیم دینی جماعتوں کی جانب سے متفقہ طور پر پیش کی جاتیں تو اس سے بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی تھی۔

چوتھا باب

چوتھا باب

۱۹۷۳ء کے منتخب دستور اور اس میں تا حال ہونے والی ترامیم کا جائزہ مذہبی دفعات کے تناظر میں

تمہید

اس باب میں ہم اسلامی جمہوریہ پاکستا ن کے آئین کی منتخب اسلامی دفعات اور آئین پاکستان میں آج تک ہونے والی ترامیم جن کا تعلق اسلامی دفعات سے ہے، کا تجزیہ پیش کریں گے۔اس ضمن میں آئین پاکستان کی اسلامی دفعات کا موازنہ ۱۹۵۱ء میں دینی مسالک کے ۳۱ علما کی طرف سے پیش کردہ متفقہ ۲۲نکات،۱۹۵۳ء میں انہی علماکی طرف سے دستوری مسودۂ پر متفقہ ترامیم و تجاویز،۱۹۵۶ءاور ۱۹۶۲ء کے دساتیر اور ۲۰۱۱ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے پیش کردہ ۱۵ متفقہ نکات سے کیا جائے گا۔ جس سے اندازہ ہو گا کہ مذکورہ دفعات کس حد تک اسلامی ہیں۔اور ان میں کس حد تک کمی بیشی کی گنجائش ہے، اور کن کن حوالوں سے ترامیم کی محتاج ہیں۔

پہلی فصل :آئین پاکستا ن کی اسلامی دفعات

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور (آئین)، تمہید

۱۔تمہید: -Preamble

۱۹۷۳ء کے آئین میں قرار داد مقاصد کو بطور تمہید شامل کیا گیا ہے،جس کا مقصد یہ ہے کہ پورا دستور اسی تمہید میں بیان کردہ اصولوں کا آئینہ دا ر ہو گا۔

قرار دادِ مقاصد ۱۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے منظور کی،جس کے بیشتر ارکان تحریک پاکستان کے قائدین تھے۔اس قرار دار کے آغاز میں ہی اس بات کا اقرار کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنا ت کا حاکم ہے۔اور پاکستان کے حکمران اسی کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کو بطور امانت کے استعمال کریں گے۔

بلا شبہ اس کے ذریعے پاکستان کا قبلہ متعین ہو گیاکہ پاکستان کے قیام کا مقصد اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عادلانہ نظام کو نافذ کرنا ہے۔اسی کے احکام اس سرزمین میں جاری و ساری ہوں گے۔

اس کے بعد پیرا دو سے نو تک اس بات کا اقرار کیا گیا کہ پاکستان کے عوام اپنے اختیارات منتخب نمائندوں کو دیں گے جو اس ملک میں اسلام کے عدل عمرانی کے مطابق جمہوریت،آزادی،مساوات اور رواداری کو قائم کریں گے۔یہاں پر یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کی گئی کہ جمہوریت ،مساوات،آزادی ،رواداری کا وہ مفہوم جو دینِ اسلام کی تعلیمات سے ماخوذ ہو گا وہ مراد لیا جائے گا،نہ کہ وہ مفہوم جو آج معاشرے میں رائج ہے۔ان منتخب نمائندوں کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ مملکت کے مسلمانوں کو اس قابل بنائیں گے کہ وہ انفرادی و اجتماعی طور پر اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق بسر کر سکیں۔ یہاں پر بھی انفرادی کے ساتھ اجتماعی نظام کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کا عہد کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اقلیتوں کے حقوق کا ذکر ہے کہ وہ اپنے عقیدے ومذہب کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد ہیں۔ اور اپنی ثقافت کو ترقی دے سکیں گے۔اور پاکستان میں شامل علاقہ جات یا شامل ہو نے والے علاقہ جات میں

ایک وفاق بنے گا جو اسلام کی عائد کردہ حدود اور پابندیوں کے ساتھ خودمختار ہوں گے۔ یہاں اس بات کا اقرار ہے کہ منتخب نمائندوں کے پاس اختیارات دائرہ اسلام کے مطابق ہوں گے ،اس کو وہ آزادانہ طور پر نافذ کر سکیں گے اور کسی کی ڈکٹیشن کے مطابق حدود سے متجاوز نہیں ہوں گے۔اور شہریوں کو بنیادی حقوق کی فراہمی یقینی بنائیں گے۔اقلیتوں کے جائز مفادات کا تحفظ کریں گے۔یہاں واضح کیا کہ غیر مسلموں کو اس ریاست میں آزادی کچھ حدودو قیود کے مطابق ہو گی۔وہ کھلے عام اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتے وغیرہ۔ عدلیہ آزاد ہو گی۔

منتخب نمائندے ملک کی بری ،فضائی اور بحری حدودکے محافظ ہوں گے۔ تا کہ مملکت خدادادِ پاکستان اقوام عالم میں نمایاں مقام حاصل کر سکے۔اور نو عِ انسانی کو ظلم و استبداد سے نجات دلا کر امن و خوشحالی قائم کرنے میں کردار ادا کریں گے۔گویا منتخب نمائندے اسلام کے عادلانہ نظام کو پوری دنیا کے لیے نمونہ بنا کر پیش کریں گے۔تا کہ انسانیت امن اور خوشحالی کے ساتھ رہے۔

اور آخر میں بیان کردہ اصولوں کو منظور کر کے اسے دستور تسلیم کیا گیا۔[1]

بعد ازاں صدارتی فرمان کے ذریعےقراردادِ مقاصد کو آرٹیکل ۲(الف) کے تحت دستور کے احکا م کا مستقل حصہ بنا دیا گیا۔[2]

۱۹۵۱ء میں تمام مکاتب فکر کے معتمد علیہ علما کی طر ف سے جو ۲۲نکات متفقہ طورپر دستور سازی کے لیے حکومت کو دیے تھے ان میں پہلا نکتہ یہ تھا کہ ہمارا حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔[3] اور قرار دادِ مقاصد کے آغاز میں ہی اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہےکہ ہمارا حاکم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور منتخب نمائندے اسی اللہ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کو بطور امانت استعمال کریں گے۔۱۹۵٦ء اور ۱۹٦۲ء کے دساتیر میں بھی قرار دار مقاصد کو آئین کے دیباچے کی حیثیت سے شامل رکھا گیا۔

قراردادِ مقاصد کی دفعہ محض نظری ہے یا بالادست دفعہ ہے ؟

قرار دادِ مقاصد جو اب آئین کی مستقل دفعہ ۲(الف) میں شامل ہے۔اس کی حیثیت محض نظری ہے یا اسے بالاتر حیثیت حاصل ہے ؟ اس بارے میں دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض

---

[1]۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور ، تمہید ،وزارتِ قانون و انصاف و انسانی حقوق اسلام آباد، ۲۰۱۲ء

[2]۔ ایضاًفرمان صدر ۱۴مجریہ ،۱۹۸۵ء ، آرٹیکل ۲(الف)

[3]۔ تھانوی ، احتشام الحق ،مولانا، ماہنامہ چراغ راہ،کراچی ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول'' جلد ۳،شمارہ ۳ ،مارچ ۱۹۵۱ء ،مرتب : نعیم صدیقی ،ناشر ،دفتر چراغ راہ کراچی۔ ص۔۲۵،۳۳،۳۸،۴۷(نوٹ :دیگر اسلامی دفعات کے تجزیے میں۲۲نکات کا حوالہ یہیں سے لیا گیا ہے۔)

نظری ہے۔اور اس دفعہ کی بنا پر کسی قانون یا دستور کی کسی دفعہ کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ آئین کا مستقل حصہ ہے اور اس کی بنا پر کسی قانو ن یا دستور کی کسی بھی دفعہ کو چیلنج کیا جا سکتا ہے جو اس دفعہ یعنی قراردادِ مقاصد کے خلاف ہو۔

قرار دادِ مقاصد کے آخر میں جملہ نکات کا حاصل یہ بیان کیا گیا کہ :

> تا کہ اہل پاکستان فلاح و بہبود حاصل کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور بین الاقوامی امن اور بنی نوع انسان کی ترقی اور خوشحالی میں اپنا پورا حصہ ادا کر سکیں۔[4]

ان حاصلات کا تجزیہ کیا جائے تو کہیں بھی یہ مقصد بیان نہیں ہوا کہ ان نکات کے ذریعے پاکستان میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے گا۔جو پوری دنیا کے لیے اللہ کا عطا کردہ عادلانہ نظام ،دینِ اسلام کی دعوت کا مؤثر ذریعہ بنے گا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہو ئے ڈاکٹر شہزاد اقبال شام لکھتے ہیں :

> اس حاصل کو دنیا کے کسی بھی لادین دستور میں داخل کر دیا جائے تو کسی ملحد کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حاصل کے حصول کے لیے جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اسے اسلام کہہ لیں، قرآن وسنت کہہ لیں،اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔دیکھنا یہ ہے کہ اسلام یا قرآن و سنت کو کسی شخص، ادارے،نظام یا ریاست نے کس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ورنہ اسلام یا اس کے مظاہر کے استعمال کی توکئی مثالیں ہیں۔اسی قرآن کو استعمال کرتے ہو ئے لوگ فال بھی نکالتے ہیں لیکن اس طرح یہ نہیں کہا جاتا کہ اسلام یا اسلامی تعلیمات کا مدعا فال نکالنا ہے۔اسلامی تعلیمات تجارت کو عبادت قرار دیتی ہے لیکن خود اس قرآن کے الفاظ میں اللہ کے نیک بندوں کو ان کی تجارتی سرگرمیاں اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتیں۔اصل صورت یہ ہے کہ قرآن وسنت کی جملہ تعلیمات کا محور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ لوگوں کی فلاح و بہبود،اقوام عالم میں جائز اور باعزت مقام کا حصول، اس کا ایک معمولی جزو ہے۔اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ قرارداد کا یہ حصہ ناقص ہے جس سے قرآن و سنت کا مدعا ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس سے پاکستان کے لوگوں کے معاشی، سماجی اور سیاسی حیوان ہونے کا عندیہ ملتا ہے۔[5]

بلا شبہ دینِ اسلام کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول و اخروی نجات ہے۔اور دینِ اسلام پرپر کاربند اور اس پر مبنی نظام قائم کرنے کا بنیادی

4۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین۱۹۷۳ء، تمہید

5۔ شام ، شہزاد اقبال ،ڈاکٹر ، دساتیر پاکستان کی اسلامی دفعات ایک تجزیاتی مطالعہ ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ، ۲۰۱۱ء،ص ۶۲۔۶۳

مقصد بھی اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر قرآن مجید میں اس نظام ِ اسلام کی دنیاوی برکات کا ذکر کرتے ہو ئے فرمایا ہے :

﴿وَلَوۡ أَنَّ أَهۡلَ ٱلۡقُرَىٰٓ ءَامَنُواْ وَٱتَّقَوۡاْ لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِم بَرَكَٰتٖ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ وَلَٰكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذۡنَٰهُم بِمَا كَانُواْ يَكۡسِبُونَ﴾ (۷:۹۶)

ترجمہ:اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کرلیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لیے ان کی مسلسل بدعملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔

﴿وَلَوۡ أَنَّهُمۡ أَقَامُواْ ٱلتَّوۡرَىٰةَ وَٱلۡإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِم مِّن رَّبِّهِمۡ لَأَكَلُواْ مِن فَوۡقِهِمۡ وَمِن تَحۡتِ أَرۡجُلِهِمۚ مِّنۡهُمۡ أُمَّةٞ مُّقۡتَصِدَةٞۖ وَكَثِيرٞ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُونَ﴾ (۵:۶۶)

ترجمہ :اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو کتاب (اب) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتے تو وہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے۔ (اگرچہ) ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں کہ ان کے اعمال خراب ہیں۔

سورہ اعراف اور سورہ مائدہ کی ان آیات میں ایمان اور کتاب وحی کو قائم کرنے کا دنیا وی فائدہ بھی بیان فرمایا کہ یہ دین ِ اسلام کی دنیاوی برکات ہیں۔تو قرار دادِ مقاصد کے اس آخری حصے میں انہی دنیاوی برکات کا ذکر ہے۔اور اس کو اسی پس ِ منظر سے دیکھا جانا چاہیے کہ سب سے پہلے اس میں اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مقاصد کا مطلب کلی طور پر ایک سیکولر و بے دین حکومت کے مقاصد سے مختلف ہے،بلکہ یہ نظام ِ اسلام کی دنیاوی برکات کا ذکر ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس عبارت میں ان الفاظ کا اضافہ مطمع نظر کو واضح کر دیتا کہ اس قرار داد کا مقصد پاکستان میں قرآن وسنت پر مبنی نظام قائم کر کے پوری دنیا کے لیے ایک مؤثر دعوت ِ دین ِ اسلام ہے۔تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام کو حق جان کر اس پر ایمان لائیں۔

موجودہ آئین میں قرار دادِ مقاصدکے دستور کے قابل عمل حصہ اور اس کے غیر مؤثر ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر شہزاد اقبال شام نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں سپریم کورٹ کے اس فیصلے کا ذکر کیا ہے جس میں جسٹس نسیم حسن شاہ نے لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو کالعدم قرار دیا جس میں سائل نے آئین پاکستان کی دفعہ ۴۵ میں صدر کو کسی حدود و قصاص کے مجرم کی سزا میں تخفیف یااسے کالعدم کرنے کا اختیار دیا گیاتھا،ہائی کورٹ نے اسے آئین ِپاکستان کی دفعہ۲(الف) یعنی قراد دادِ مقاصد سے متصادم قرار دیا۔ ہائی کورٹ نے اس کے مطابق ہی فیصلہ کیا کہ دفعہ ۴۵ کو کالعدم قرار دے دیا۔چناں چہ سپریم کورٹ میں اس حوالے سے اپیل کی گئی۔ تو سپریم کورٹ کے جج نسیم حسن شاہ نے ہائی کورٹ کے فیصلے کو رد کر دیا۔اور اس دفعہ کو برقرار رکھا۔اور وضاحت میں فرمایا کہ آئین کی دفعہ ۲ (الف) کی دیگر دفعات کی طرح ہے اسے کوئی بالا تر حیثیت

حاصل نہیں مزید دو دفعات کے مابین تضادات کے حل کے لیے پارلیمنٹ کی طرف رجوع کیا جائے وغیرہ۔[6]

اس فیصلے سے یہی لگ رہا ہے کہ قرار دادِ مقاصد کی حیثیت بظاہر نظری ہے۔اسی لیے مختلف شریعت بلوں میں قرار دادِ مقاصد کو آئین ِ پاکستان کی دیگر دفعات سے بالا تر حیثیت دینے کی سفارشات پیش ہوتی رہیں۔ایسی صورتِ حال میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ آئین پاکستان میں قرار دادِمقاصد کو دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت دی جائے تو تب ہی یہ قابل عمل ہو سکے گی۔اور اس قرار داد کی بنا پر پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت اور نفاذِ اسلام کی راہ ہموار ہو سکے گی۔دوسرا یہ معاملات اسی وقت در پیش آتے ہیں جب کہ ہمارے فاضل ججوں کو دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے عدم واقفیت ہوتی ہے۔اس لیے کہ عدلیہ کو آئین کی تشریح کا حق دیا گیا ہے۔ ایسے میں وہ جج صاحبان جنہیں اس ملک و ملت میں اسلامی نظام کے قیام سے چڑ ہے وہ اس طرح کے فیصلے صادر کرتے ہیں۔ہمیں پورا یقین ہے کہ مندرجہ بالا فیصلہ اگر کسی ایسے جج کے سامنے آتا جو دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقف ہوتا اوراسے نظریہ پاکستان سے وابستگی ہوتی تو فیصلہ اس کے بر عکس ہوتا۔ سب سے زیادہ ضرورت اس کی محسوس ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ہماری اعلیٰ عدالتوں کے فاضلین ججوں کے لیے اسلامی قانون کا ایک باقاعدہ کورس اس کی پوری روح سے ساتھ پڑھایا جائے۔ تا کہ اس طرح کے معاملات جو ملکی تاریخ کے دھاروں کو بدل کر رکھ دیں شریعت کی روشنی میں طے پائیں۔ واقفان شریعت اور وابستگان نظریہ ججوں کا تقرر کیا جائے اور ان کی مناسب تعلیم کا اہتمام بھی کیا جاتا رہے۔

۲۔ملک کا نام

ملک کا نام'اسلامی جمہوریہ پاکستان 'رکھا گیا۔[7]

آئین ِ پاکستان کے حصہ اول کے ابتدائیہ میں مملکت کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان ' تجویز کیا گیا۔نام کسی شخصیت کا آئینہ دار ہو تا ہے۔نام کے اثرات انسان کی شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں۔اسی طرح کسی مملکت کا نام اس مملکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔تو پاکستان کے نام کے ساتھ اسلامی لگایا جانا بلا شبہ اس مملکت کا دینِ اسلام کا علمبردار ہونے کی علامت ہے۔اور نظریہ پاکستان دراصل نظریہ اسلام ہے۔اور پاکستا ن کا مطلب کیا ،لا الہ الا اللہ کی عملی مثال ہے۔۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر میں بھی مملکت کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان ' رکھا گیا تھا۔اگرچہ ۱۹۶۲ء کے آئین

---

6 . Sham, Shahzad Iqbal (2007) *(Urdu) Dustoor Pakistan 1973 Ki Islami Difat Tutbeeq Kay Tees Sal Intizami Aur Adalati Decisions (1973-2003 Kay Tanazir Ma).* PhD thesis, Allama Iqbal Open University, Islamabad.p.105-107, http://eprints.hec.gov.pk/4098/1/3339H.htm,Visited:Feb.09,2016.

7۔ آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، حصہ اول، ابتدائیہ ، آرٹیکل ۱

میں ابتداءً 'جمہوریہ پاکستان'رکھا گیا مگر عوامی دباؤ کے نتیجے میں ایوب خان نے دوبارہ 'اسلامی جمہوریہ پاکستان 'رکھ دیا۔
۱۹۵۳ء میں ۳۳ مشاہیر علما کی طرف سے دستوری سفارشات پر جو متفقہ ترامیم پیش کی تھیں۔[8]ان میں متفقہ ترمیم پیش کی تھی کہ مملکت کا نام ' جمہوریہ اسلامیہ پاکستان ' رکھا جائے۔اسی کی وضاحت بھی یہ کی گئی تھی کہ یہاں پر جو جمہوریت رائج ہو گی وہ انہیں اصولوں پر ہو گی جو دینِ اسلام نے ہمیں سیاست کے حوالے سے بتائے ہیں۔جس سے واضح ہو گیا کہ مغرب کی مادر پدر آزاد جمہوریت کی یہاں کو ئی گنجائش نہیں ہے۔پس دستور میں مذکور جمہوریت کے تعارف اور اسلامی نظریے کے تحت تعریف کی بھی ضرورت ہے۔

۳۔ملک کا مذہب

ملک کا سرکاری مذہباسلام قرار دیا گیا۔[9]

آئین پاکستان کے ابتدائیہ کی دفعہ ۲ میں مملکت کا سرکاری مذہب اسلامقرار دیا گیا۔اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے کا مقصد اس بات کا واضح اقرار ہے کہ مملکت کا انفرادی و اجتماعی نظام اسلام کے مطابق چلایا جائے گا۔ہماری اجتماعی زندگی کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق چلایا جائے گا۔اس سے واضح ہو گیا کہ اس ملک کے سیاسی نظام میں مغربی جمہوریت کی کوئی جگہ ہے،نہ معاشی اعتبار سے سوشلزم اور کمیونزم نظامِ معیشت کی ضرورت ہے۔بلکہ پوری انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق مملکت کا نظام چلایا جائے گا۔ یہ بڑی اہم پیشرفت ہے۔اس لیے کہ اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے کی دفعہ سابقہ دساتیر میں نہیں ملتی۔

۴۔بنیادی حقوق

آئین پاکستان کے حصہ دوم کا پہلا باب بنیادی حقوق سے متعلق ہے۔دفعہ ۸تا ۲۸یعنی ۲۱ دفعات میں بنیادی حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ جو مملکت کے شہریوں کو حاصل ہوں گے۔ان بنیادی حقوق میں ،بنیادی حقوق سے متصادم قوانین کا کالعدم ہونا، قانون کے اندر فر د کی آزادی،نظر بندی تحفظ،غلامی و بیگار کی ممانعت،دوہری سزا سے تحفظ،نقل و حرکت کی آزادی، پرامن اجتماع،انجمن سازی کی آزادی،تجارت اور کاروبار کی آزادی، تقریر وتحریر کی آزادی،اقلیتی مذاہب کو قانون کے دائرے میں آزادی،مذہبی عبادت گاہوں کا تحفظ،کسی خاص مذہب کی اغراض کے لیے محصول سے

---

[8]۔ مجددی ،حافظ ، مکان۔۳ڈی ،بلاک آئی ، شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳،مشہور آفسٹ لیتھو پریس ،کراچی ،ص۲۔۲۰
(نوٹ : اسلامی دفعات کے تجزیہ میں ۱۹۵۳ء میں مشاہیر علماء کی دستوری سفارشات پر متفقہ ترامیم یہیں سے لی گئی ہیں۔)
[9]۔آئین پاکستان ۱۹۷۳ء، حصہ اول، ابتدائیہ، آرٹیکل ۲

تحفظ،جائیداد کا تحفظ،قانونی مساوات،ملازمتوں میں امتیازات کا تحفظ اور علاقائی زبانوں کا تحفظ وغیرہ شامل ہیں۔

اب ان بنیادی حقوق میں سے چند دفعات کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

۵۔فرد کی سلامتی

قانون کے دائرے میں ہر شہری کو آزادی حاصل ہو گی۔[10]

اس دفعہ میں مملکت کے شہریوں کو قانون کے دائرے میں ہر طرح کی آزادی دی گئی ہے کہ وہ ملک کے جس حصے میں جانا چاہیں اور کوئی سا بھی پیشہ اختیار کرنے وغیرہ میں آزاد ہیں۔

٦۔شرفِ انسانی، گھر کی خلوت

بنیادی حقوق کی دفعہ ۱۴میں قانون کے تحت گھر کی چاردیواری اور تنہائی کے تقدس کی ضمانت دی گئی ہے۔[11]

شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔اور اس کی آزادی کا تحفظ ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ بہر حال اس ضمن میں وہ ان حدود و قوانین کا پابند ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد کی گئی ہیں اور جو ریاست کے قانون کی طرف سے بھی اس پر عائد کی گئی ہیں۔یہی بات ۱۹۵۱ء میں علما کی طرف سے پیش کیے گئے متفقہ نکات میں سے ساتواں نقطہ ہے کہ ریاست کے شہریوں کو وہ تما م حقوق حاصل ہوں گےجو دینِ اسلام نے انہیں عطا کیے ہیں۔ان حقوق میں قانون کے دائرے میں جان و مال کا تحفظ،مذہب و مسلک کی آزادی، عبادت، ذات، اظہار رائے،نقل و حرکت ، اجتماع،حصول رزق اور یکساں ترقی کے مواقع کا حصول شامل ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس نکتہ میں وہ تما م حقوق بتائے گئے جو آئین کی دفعہ ۸تا ۲۸ میں بیان کیے گئے ہیں۔

۷۔اجتماع کی آزادی

قانون کے دائرے اور ملکی مفاد میں ہر شہری پر امن طور پر کوئی اجتماع منعقد کر سکے گا۔[12]

اس دفعہ میں مملکت کے شہریوں کو اجتماع کی آزادی دی گئی ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قانون کے دائرے میں ہو اور پر امن ہو۔۲۲نکات کے ساتویں نکتہ میں اس کو بنیادی حقوق میں شامل کیا گیا ہے۔یہی بات ۲۰۱۱ء میں ملی مجلس شرعی کے زیر اہتما م 'اتحاد امت کانفرنس ' میں پاکستان کے متفرق مکاتب ِ فکر کے ۵۵علما نے ۱۹۵۱ء میں علما کے ۲۲ نکات کی توثیق کے ساتھ پندرہ نکات متفقہ طور پر پیش کیے۔ان نکات میں

---

[10]۔ حصہ دوم، بنیادی حقوق اور حکمت عملی کے اصول ، باب ۱۔بنیادی حقوق ،آرٹیکل ۹

[11]۔ایضاً، آرٹیکل ۱۴

[12]۔ایضاً، آرٹیکل ۱۶

سے تیسرا نکتہ یہ ہے کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ اسی بنیادی حق کے تحت ہو کہ وہ پرامن ہو،مطالبات کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد کی آئین پاکستان نفی کرتا ہے۔اور یہ کہ شریعت کے نفاذ کا تقاضا تمام دینی مکاتب فکر کا مشترکہ مطالبہ ہے۔[13]

۸۔انجمن سازی کی آزادی

قانون کے دائرے اور ملکی مفاد میں ہر شہری کو انجمن (جماعت) بنانے کی اجازت ہو گی۔[14]

اس دفعہ کے مطابق مملکت کے شہریوں کو انجمن (جماعت) بنانے کی اجازت ہے۔جس کے ذریعے سے وہ اپنے مطالبات قانونی طریقے سے منوا سکتےہیں لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ وہ جماعت قانون کے دائرے میں ہونی چاہیے۔ اور اس کی سرگرمیاں ملکی مفاد کے خلاف نہ ہوں۔۲۲نکات کے ساتویں نکتہ میں اس کو بنیادی حقو ق میں شامل کیا گیا ہے۔

۹۔تقریر کی آزادی

مملکت کے شہریوں کو اسلام اور پاکستان کی سالمیت وقانون کے تحت اظہارِ خیال کی آزادی ہو گی۔اور پریس کی آزادی ہو گی۔[15]

اس دفعہ کے ذریعے سے مملکت کے شہریوں کو اظہار خیال،تقریراورتحریر کی آزادی دی گئی ہے۔اور پریس کو بھی آزادی ہو گی۔ لیکن یہ آزادی اسلام کی عظمت اور پاکستان کی سالمیت اور قانون کے تابع ہو گی۔ ایسا نہیں ہو گا کہ جو زبان پر آئے بول دے بلکہ مذکورہ پابندیوں کے ساتھ آزادی ہے۔ جیسا کہ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے :

> عن أبي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال مثل المؤمن كمثل الفرس على آخيته يجول ثم يرجع إلى آخيته وإن المؤمن يسهو ثم يرجع إلى الإيمان.[16]

> ترجمہ : ابو سعید خدری ؓ نبی کریم ﷺسے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:مومن کی مثال اس گھوڑے کی مانند ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہو۔وہ گھومے پھرے گا پھر اپنے کھونٹے کی طرف آئے گا۔

---

[13]۔ ماہنامہ الشریعہ ،جلد۲۳،شمارہ ۲ ،فروری ۲۰۱۲ء،الشریعہ اکیڈمی گوجر نوالہ ،ناشر :حافظ محمد عبدالمتین خان زاہد ، ص۹۔۱۲

(نوٹ : دیگر اسلامی دفعات کے تجزیے میں ملی مجلس شرعی کے متفقہ ۱۵ نکات کا حوالہ یہیں سے لیا گیا ہے۔)

[14]۔محولا بالا، آرٹیکل ۱۷

[15]۔ محولہ بالا،آرٹیکل ۱۹

[16]۔ حنبل،أبو عبد الله أحمد بن محمد ،مسند الامام احمد بن حنبل ،الناشر: مؤسسة الرسالة،الطبعة: الثانية ۱۴۲۰ھ ، 1999م،الجزء السابع عشر ،ص۔۴۳۵،حدیث :۱۱۳۳۵.

گویا مومن کی آزادی کی حدود ہیں۔ وہ ان حدود کو پھلانگ نہیں سکتا۔ جیسا گھوڑا اپنے کھونٹے سے بندھی رسی کی لمبائی تک تو آزاد ہے۔اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔مملکت کا شہری ملک میں اسلام کی عظمت کے خلاف ، ملکی سالمیت کے خلاف کوئی لب کشائی نہیں کر سکتا۔آزادی مشروط بہ اسلام اور ملکی سالمیت و قانون ہے۔اسی طرح پریس (میڈیا) چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا انہیں بھی آزادی مذکورہ پابندیوں کے ساتھ ہے۔اسلامی نقطہ نگاہ سے واقعتاً یہ ایک اہم دفعہ ہے۔

علما کے ۲۲ نکات میں سے انیسواں نکتہ بھی اس دفعہ کی تائید کرتا ہے جس میں بتایا گیا کہ مملکت میں ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت پر پابندی ہو گی جو اس ملک کے اسلامی اصولوں اور بنیادوں کو نقصان پہنچائیں۔

عملاً اس دفعہ پر عمل درآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔اسی لیے ملی مجلس شرعی کی جانب سے متفقہ ۱۵ نکات میں سے نواں نکتہ بھی اس دفعہ کی باقاعدہ تنفیذ کا مطالبہ کرتا ہے۔اس نکتہ میں کہا گیا ہے کہ ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی جائے۔اور ایسی ثقافتی پالیسی وضع کی جائے جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو،جس میں مغربی اور بھارتی فکر و تہذیب کے اثرات کی مکمل روک تھام ہو۔ پریس کے لیے ضابطہ تیار کروایا جائے اور ان کے وابستگان کی اسلامی نقطہ نگاہ سے تربیت کا معقول انتظام کیا جائے۔ پرائیویٹ چینلز اور کیبل آپریٹر ز کی مؤثر نگرانی کی جائے۔اسلام اور ملکی سالمیت کے خلاف پروگرام نشر کرنے پر پابندی عائد کی جائے۔ اور مملکت کے شہریوں کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ علمی و تفریحی پروگرام پیش کیے جائیں۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علما نے متفقہ ترمیم پیش کی تھی کہ:

> مملکت کے لیے لازم ہونا چاہیے کہ وہ پاکستانی مسلمانوں میں سے جغرافیائی، قبائلی، نسلی، لسانی اور اسی قسم کے دوسرے غیر اسلامی جذبات دور کرنے اور ان میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ وہ ملت اسلامیہ کی سا لمیت ووحدت و استحکام اور اس طرز فکر کے لوازمات اور اس مقصد کو سب سے مقدم رکھیں جس کی تکمیل کے لیے پاکستان قائم ہو اہے۔

مزید سفارش کی تھی کہ ''دہریت و الحاد کی تبلیغ اور قرآن و سنت کی توہین و استہزاءکا بذریعہ قانون سازی انسداد کیاجائے۔''اسی ضمن میں مزید سفارش کی تھی کہ'' اسلامی علوم و ثقافت کے فروغ کا موثر انتظام کیاجائے۔''پاکستان نظریہ اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے تو یہاں پر اسلامی جذبات اور اسلامی علوم و ثقافت کا فروغ مملکت کی بنیادی ترجیح ہو نی چاہیے۔

۱۰۔مذہب کی پیروی اور مذہبی اداروں کے انتظام کی آزادی

ہر شہری کو قانون کے دائرے، ملکی مفاد اور اخلاق کے تحت اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔نیز قانون

کے دائرے اور ملکی مفاد کے تحت مذہبی گروہوں کو اپنے مذہب کے مطابق ادارے قائم کرنے اور ان کو منظم کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔[17]

دستور ِ پاکستان کی یہ بہت اہم دفعہ ہے۔جس میں مختلف گروہوں کو اپنے مذہب پر عمل کی پیروی اور نشر و اشاعت کی آزادی اس طور پر دی گئی ہے کہ وہ ملکی مفاد، اخلاق اور ملکی قانون کے تابع ہونا چاہیے۔اور انہی شرائط کے ساتھ وہ اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور ان کی ترویج میں آزاد ہوں گے۔

اصلاً اس دفعہ کا تعلق تو غیر مسلموں کے لیے ہے۔کہ وہ اس ملک میں اپنے مذہبی عقائد، عبادات اور عبادتگاہوں کے حوالے سے مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ آزاد ہیں۔اس لیے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ اس طور پر نہیں کر سکتے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے مذاہب کی طرف راغب کرنے کے لیے تبلیغ کریں۔نیز وہ کھلے عام تبلیغ نہیں کر سکتے ،جس کی وجہ سے نظریہ پاکستان کی بنیادوں کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ انہیں اپنی کمیونٹی اور اپنی مخصوص جگہوں ،جہاں ان کا دائرہ ہے ،وہیں تک محدود رکھا جائے گا۔ تبلیغ کا لفظ بھی مناسب نہیں اس لیے کہ اس میں دوسرے طبقات تک پیغام پہنچانے کا تصور از خود موجود ہے۔جب اقلیت کے لیے اسلامی اصول یہ ہے کہ وہ اپنی نسلوں کو دین سکھا سکتے ہیں اس کے لیے مناسب لفظ تعلیم و تربیت یا محض تربیت ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔

مزید یہ کہ مسلمان فرقوں کے اپنے مذہبی پروگرام بھی اسی حدود وقیود کے ساتھ ہوں کہ وہ ملکی سالمیت، اخلاقی حدود اور ملکی قانون کے مطابق ہو ں۔

یہی بات اسلامی مملکت کے 22 رہنما اصولوں میں سے نویں اصول میں کہی گئی کہ مسلمہ اسلامی فرقوں کو قانون کے دائرے میں پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔اور وہ اپنے ماننے والوں کو مذہب کی تعلیم و تربیت کرنے اور اپنے خیالات کی نشرو اشاعت کرنے میں پوری طرح آزاد ہوں گے۔اسی طرح مسلمہ اسلامی فرقوں میں سے جو اقلیتی فرقے ہیں ،قانون کے مطابق ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کی اپنی فقہ کے مطابق کیے جائیں گے۔او راس سلسلے میں عدالتوں میں اس بات کا انتظام کیا جائے کہ ان اقلیتی فرقوں کے معاملات کے فیصلے ان کے اپنے مذہب کے قاضی و مفتی سر انجام دیں۔

۱۱۔شہریوں سے مساوات

ملک کے شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں۔اور تمام شہریوں کو برابری کی بنیاد پر قانونی تحفظ حاصل ہو گا۔[18]

---

[17]۔محولہ بالا ، آرٹیکل ۲۰

[18]۔ آرٹیکل ۲۵

اس آرٹیکل کے مطابق مملکت کے تما م شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور سب شہریوں کو برابر قانونی تحفظ ملے گا۔دین اسلام نے بھی اسی مساوات کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور نبی کریم ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع مساوات انسانی کا درس دیتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا :

یا أیها الناس ألا إن ربکم واحد وإن أباکم واحد ألا لا فضل لعربي على أعجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على أسود ولا أسود على أحمر إلا بالتقوى.[19]

ترجمہ :اے لو گو جان لو تمہارا رب ایک ہے۔اور تمہارا باپ ایک ہے۔جان لو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ،نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے۔کسی کالے کو گورے پر،نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔

اسلامی مملکت کے ۲۲رہنمائے اصولوں میں سے سترویں نمبر میں یہ بیان کیا گیا کہ حکمران اور ملک کے نمائندے اور عام شہری قانو ن کی نظر میں یکساں ہیں۔ اور دونوں پر عام عدالتیں احکامات کا نفاذ یکساں کریں گی۔جیسا کہ صحیح بخاری میں ایک واقعہ ملتا ہے :

أن امرأة سرقت في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة الفتح ففزع قومها إلى أسامة بن زيد يستشفعونه قال عروة فلما كلمه أسامة فيها تلون وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أتكلمني في حد من حدود الله قال أسامة استغفر لي يا رسول الله فلما كان العشي قام رسول الله خطيبا فأثنى على الله بما هو أهله ثم قال أما بعد فإنما أهلك الناس قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد والذي نفس محمد بيده لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها ثم أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بتلك المرأة فقطعت يدها فحسنت توبتها بعد ذلك وتزوجت قالت عائشة فكانت تأتي بعد ذلك فأرفع حاجتها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم.[20]

ترجمہ :عہد رسالتﷺ میں غزوہ فتح کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی۔اس کی قوم کے لوگ اسامہ بن زید ؓ کے پاس آئے اور التجا کی کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ سے اس کی سزا کالعدم کرنے کی سفارش کریں۔ عروہ فرماتے ہیں کہ جب اسامہ ؓ نے آپﷺ سے اس حوالے سے بات کی تو آپﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کہا کہ تم مجھ سے اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔تو اسامہ ؓ نے اللہ کے رسولﷺ سے درخواست کی کہ میرے لیے استغفار کریں۔شام کے وقت اللہ کے رسولﷺ منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہو ئے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے

---

[19]۔ حنبل ، أبو عبد الله أحمد بن محمد ،مسند الامام احمد بن حنبل ، الجزء الثامن والثلاثون ،حدیث :23489،ص ۴۷۴.

[20]۔ البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة ، أبو عبد الله، صحيح البخاري ، كِتَاب الْمَغَازِي ،بَاب ،حدیث :۴۳۰۴،ص:۱۱۶۱،۱۱۶۰،مطبوعه : الطاف اینڈ سنز،کراتشی باکستان ،الجز الثالث ،۲۰۰۸ء.

کہ اگر کوئی طاقتور چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔اور جب کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کی جاتی۔اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔پھر اللہ کے رسول ﷺنے اس عورت پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔اس کے بعد اس نے بہترین توبہ کی اور نکاح کیا۔حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعدجب کبھی وہ عورت آتی تو میں اس کی حاجت اللہ کے رسول ﷺتک پہنچاتی تھی۔

اس حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قانو نِ اسلام میں امیر غریب،حکمران اور عوام الناس سب برابر ہیں۔کسی کو کسی پر اس معاملے میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔اس دفعہ میں بھی یہ بات بیان کی گئی کہ قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہیں،اور سب کو یکساں قانونی تحفظ حاصل ہو گا۔لیکن قانون میں استثناءات موجود ہیں ،جو کہ غلط ہیں۔

۱۲۔اسلامی طریق زندگی

حکومت مسلمانانِ پاکستان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق گزار سکیں۔

- قرآن مجیداور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دے گی۔
- عربی زبان کو فروغ دے گی۔
- اور قرآن مجید کی اغلاط سے پاک طباعت اور اشاعت کرے گی۔
- باہم اتحاد و اتفاق اور اخلاقی اقدار کو فروغ دے گی۔
- زکوٰۃ ،عشر،اوقاف اور مساجد کے نظام کو اجتماعی طور پر منظم کرے گی۔[21]

آئین پاکستان کے حصہ دوم کا باب نمبر دو میں حکمت عملی کے اصول بیان کیے گئے۔ جس میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ مملکت کے شہریوں کی قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی راہ ہموار کرنا حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔مزید وہ کیا پالیسیز ہوں گی جو اس ملک میں رائج کی جائیں گی تا کہ ممکت کے شہر ی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے مطابق گزار سکیں۔ ان میں سب سے پہلے قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دے گی۔ ظاہر ہے دین اسلام کی بنیاد قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ ہے۔حکومت ملک میں ایسے ادارے کھولے گی اور ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی کرے گی جو قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو عام کر رہے ہوں۔انہیں عام کرنے کے لیے حکومت اپنے وسائل کا معتدبہ حصہ خرچ کرے گی۔ اسی طرح تعلیمی اداروں میں قرآن مجید اور اسلامیات کے مضامین بطور لازمی مضامین کے شامل ہوں گے۔

---

[21]۔باب ۲۔ حکمت عملی کے اصول،آرٹیکل ۳۱

قرآن سنت کی زبان چوں کہ عربی ہے اس لیے حکومت اس کی تریج اور اس کے سکھانے کے لیے مناسب انتظامات کرے گی۔ مزید یہ کہ عرب اسلامی ممالک کے ساتھ روابط کو مضبوط کرنے میں بھی کلیدی کردار ادا کرے گی۔ اسی طرح مملکت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ملک میں قرآن مجید کی اغلاط سے پاک طباعت و اشاعت کا اہتمام کرے گی۔ مملکت کے پاس چوں کہ وسائل ہوتے ہیں۔اور وہ انہیں بروئے کار لا کر اہتمام کے ساتھ یہ فریضہ سر انجام دے سکتی ہے۔

اس آرٹیکل کے مطابق مملکت کی یہ بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ملک میں ایسی پالیسیاں رائج کرے جس میں شہریوں کے مابین اتحاد و اتفاق کو فروغ ملے۔احساس کم تری پیدا نہ ہو۔ اور ملک میں اسلام کے اخلاقی نظام و اقدار کو فروغ و تحفظ بھی مملکت کی بنیاد ی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ غیر اخلاقی حرکات و سکنا ت کی کڑی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کے قلع قمع کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

اس آرٹیکل کے آخر میں مملکت کی یہ ذمہ داری بیا ن کی گئی کہ وہ ملک میں اجتماعی طور پر زکوٰۃ و عشر کا نظام بنائے گی۔جس کے ذریعے سے وہ زکوٰۃ و عشر کو جمع کرنے اور مملکت کے مستحق شہریوں تک اس کو پہنچانے کا اہتمام کرے گی۔ اسی طرح اوقاف کا ایک محکمہ قائم کیا جائے گا جس کے زیر اہتمام مساجد اور مکاتب قائم کیے جائیں گے۔

مملکت کے چوتھے رہنمااصول میں مملکت کا فریضہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ملک میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کرے اور منکرات کا خاتمہ کرے گی۔اور اسلامی شعائر کو زندہ کر کے اس کی ترویج کا اہتما م کرے گی۔

ملی مجلس شرعی کے پندرہ نکات میں سے پہلا نکتہ یہی بیان کیا گیا۔ کہ حکمرانوں کی یہ دینی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ فر د اور معاشرے کو شریعت اسلامی کے تابع بنانے کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔ اسی طرح دینی جماعتوں کا بھی فریضہ ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے عوام الناس تک دینی تعلیمات پہنچانے کا اہتمام کریں۔اور نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت قانون کے دائرے میں حکمرانوں کو بھی اس بات پر مجبور کرے کہ وہ شریعت کے نظام کی تنفیذ کریں۔اور ہر مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی پابندی کا ہر ممکن اہتمام کرے۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علما کی طرف سے دستوری سفارشات پر جو متفقہ ترامیم پیش کی تھیں۔ ان میں سے بھی ایک یہ تھی کہ :

> مسلمانوں کے لیے قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیاجائے اور ملک کے نظام تعلیم میں ایسی اصلاحات کی جائیں جن سے مسلمان اپنی زندگی کو قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق ڈھالنے کے قابل ہوسکیں۔

اس ترمیم میں پورے نظامِ تعلیم کی اصلاح کا ذکر ہے۔ جبکہ موجودہ آئینی دفعہ میں نظام تعلیم میں محض قرآن مجید اور اسلامیات کے مضامین کو شا مل نصاب کرنے کی ضمانت ملتی ہے۔

۱۳۔معاشرتی انصاف کا فروغ اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ

دفعہ ۳۷ میں حکمت عملی کے اصولوں کے ضمن میں بتایا کہ مملکت قحبہ گری اورجوئے کی روک تھام کرے گی۔ نقصان دہ ادویات اور فحاشی پر مبنی لٹریچر اور اشتہارات اور ان کی نشرو اشاعت پر پابندی عائد کرے گی۔

مسلمانوں کے لیے طبی مقاصد یا غیر مسلموں کے لیے ان کے مذہبی مقاصد کے علاوہ نشہ آور مشروبات (شراب) کے استعمال پر مکمل پابندی ہو گی۔[22]

اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ معاشرے سے منکرات کو ختم کرے۔اسی طریقے سے مملکت کے شہریوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنا ممکن ہو گا۔ جیسا کہ سورہ حج میں اسلامی حکومت کے بارے میں بیان کیا گیا :

﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ﴾ (۲۲:۴۱)

ترجمہ : جن لوگوں کو ہم زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز و زکوٰۃ کا نظام قائم کریں۔اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

اس آیت کی تفیسر میں إمام قرطبي لکھتے ہیں :

وقال الضحاك: هو شرط شرطه الله عز و جل على من آتاه الملك. و هذا حسن. قال سهل بن عبد الله : الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجب على السلطان۔[23]

مفہوم :اور ضحاک نے کہا کہ یہ شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے رکھی ہے جنہیں اقتدار دیا ہے۔یہی قول صحیح ہے۔اور سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نیکی کا حکم کرنا اور برائیوں کو ختم کرنا سلطان پر واجب ہے۔

شراب کی روک تھا م بھی حکومت کی ذمہ داری ہے ،چوں کہ شراب بہت سی برائیوں کی جڑ ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ٩٠﴾﴿إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ٩١﴾ (۵:۹۰،۹۱)

---

[22]۔ایضاً، آرٹیکل ۳۷

[23]۔ القرطبي ، أبو عبد الله ،محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح ،الجامع لأحكام القرآن(تفیسرطبي)، الجزءالثانی عشر ،دار احیاء التراث العربی ،بیروت ،لبنان ،الطبعة الاولیٰ ۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء،ص۵۱۔

ترجمہ :اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً شراب،جوا،بت اور پانسے گندگی ہیں اور شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہذا ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔بے شک شیطان تمہارے مابین شراب و جوئے کے ذریعے سے دشمنی اور بغض ڈالنا چاہتا ہے۔اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکتا ہے۔تو اب بھی تم ان سے باز نہیں آؤ گے ؟

گویا شراب معاشرے میں برائیوں کی جڑ ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انتہائی تاکیدی اسلوب میں اس کی حرمت بیان کی۔اور اس کے تباہ کن نتائج سے آگاہ فرمایا۔

گویا اس دفعہ کے ذریعے سے مملکت کے فرائض میں مذکورہ منکرات کو ختم کرنا شامل ہے۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علما نے متفقہ ترمیم یہ پیش کی تھی کہ’’ہر قسم کی مسکرات،جوئے اور عصمت فروشی کا تاریخ نفاذ دستورکے بعد زیادہ سے زیادہ تین سال کے اندر قانون سازی کے ذریعہ مکمل انسداد کیاجائے۔‘‘جب کہ موجود ہ دفعہ میں ان سب چیزوں کے روک تھام کی ضمانت تو ملتی ہے لیکن اس کے لیے کوئی معین مدت نہیں لکھی گئی۔جس کی بناپرآئین پاکستان بننے سے اب تک چالیس سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے ،اور مندرجہ بالا منکرات کی روک تھام کے لیے کوئی مناسب اقدامات نہیں کیے جا سکے۔

۱۴۔ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کا فروغ

دفعہ ۳۸ میں ہے کہ سود کو جتنا جلدی ممکن ہو سکے ختم کیا جائے گا۔[24]

اس دفعہ میں حکومت نے یہ عہد کیا ہے کہ مالیات سے سود کو جتنا جلد ی ممکن ہو ختم کیا جائے گا۔قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ﴾ (۲:۲۷۸)

ترجمہ :اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ربٰو (سود) میں سے جو باقی رہ گیا ہے اسےچھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

اس دفعہ میں سود کو ختم کرنے کا عہد تو ہے لیکن اس کے لیے کوئی معین وقت نہیں بتایا گیا۔وقت کا تعین کیے بغیر، جبکہ حکومت بھی اس معاملے میں سنجیدہ نہ ہو تو یہ ناممکن ہوتا ہے۔اس کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ ۱۹۷۳ء سے آج تک ۴۰سال سے زائد عرصہ گزر چکا،اس ربٰو(سود) کو ختم نہیں کیا جا سکا۔اور نہ کسی حکومت کی طرف سے کوئی سنجید ہ کوشش نظر آئی۔آگے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی دفعات کے ضمن میں سود کے خاتمے کے حوالے سے آج تک کی جانے والی کوششوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا ان شاء اللہ۔جس

---

[24]۔ایضاً، آرٹیکل ۳۸

سے ایک طرف تو منصفانہ فیصلے پر ان اداروں کے مؤثر ہونے اور دوسری طرف حکومت کے رویہ اور کردار کا اندازہ ہو سکے گا۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علما کی طرف سے متفقہ ترمیم پیش کی گئی تھی کہ'' (قرآن و سنت کے) احکام کا اطلاق مالی مسودات قانون پر تاریخ نفاذ دستور سے پانچ سال کی مدت کے اختتام پر ہوگا۔'' اس دفعہ میں ملکی مالی (معاشی) معاملات کو آئین کے آغاز سے پانچ سال کے اندر اسلا می احکامات میں ڈھالنے کا ذکر ہے۔ جبکہ موجودہ دفعہ میں سود کو ختم کرنے کے لیے کوئی متعین مدت کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۱۵۔عالم اسلام سے رشتہ استوار کرنا اور بین الاقوامی امن کا فروغ

حکمت عملی کے اصولوں کے ضمن میں آخری دفعہ ۴۰ میں کہا گیا کہ مملکت اسلامی اتحاد کے تحت اسلامی ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے گی اور انہیں وسعت دے گی۔ مزید یہ کہ دیگر غیر مسلم ممالک کےساتھ مشترکہ مفادات کے تحت برابری کی بنیاد پر تعلقات قائم کرے گی۔اور بین الاقوامی نزاعات کو پر امن طور پر حل کرنے اور اقوام عالم میں امن و سلامتی کے لیے بھرپور کردار ادا کرے گی۔[25]

اس دفعہ میں ملک کی خارجہ پالیسی بیان کی گئی کہ مملکت پاکستان چوں کہ اسلامی ریاست ہے۔لہذا وہ اسلامی ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے مسلمانوں کو باہم متحد رکھنے کی کوشش کرے گی۔ یہ ہماری دینی ذمہ داری بھی ہے ، جس کے تحت مسلمان جہاں کہیں کا بھی رہنے والا ہو،وہ ہمارا بھائی ہے۔اس کی تکلیف کو محسوس کرنا مسلمان ہونے کا تقا ضا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره وحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم.[26]

ترجمہ :ابو ہریرہ ؓسے روا یت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔نہ وہ اس کے ساتھ ظلم کرتا ہے، نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ اسے کم تر سمجھتا ہے۔ کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو برا سمجھے۔

اسی طرح باہم ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

مثل المؤمنين في توادهم وتعاطفهم وتراحمهم مثل الجسد إذا اشتكى منه شيء تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى.[27]

---

[25] ۔ایضاً، آرٹیکل ۴۰

[26] ۔ حنبل ، أبو عبد الله أحمد بن محمد ،مسند الامام احمد بن حنبل ، الجزء الثالث عشر ،حدیث:۸۱۰۳، ص۴۶۶.

[27] ۔ حنبل ، الجزء الثلاثون ،حدیث :۱۸۳۷۳،ص۳۲۳.

ترجمہ : اہل ایمان کی آپس میں محبت ، الفت اور نرمی کی مثال ایک جسم کی مانند ہے۔اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم رات جاگنے اور بخار کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

ان احادیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین ِ اسلام مسلمانوں کے باہم تعلقات کو کس حد تک اہمیت دیتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ممالک کے مابین تعاون و دوستانہ تعلقات دین ِ اسلام میں مطلوب ہیں۔اس کے علاوہ اس دفعہ میں دیگر غیر اسلامی ممالک کے ساتھ برابری کی بنیاد پر تعلقات رکھنے کی اجازت دی ہے۔ خود نبی کریم ﷺنے ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ کی داخلی سلامتی کے لیے یہود قبائل کے ساتھ معاہدات کیے۔لیکن اس معاملے کی حدود کا بہر حال خیال رکھا جائے گا۔کسی ایسے ملک کے ساتھ تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی جس سے ملکی کی نظریاتی و جغرافیائی حدیں پامال ہوتی ہوں۔ اس مقصد کے لیے مذکورہ دفعہ میں''مشترکہ مفادات ''کے الفاظ کے ساتھ مزید صراحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ملی مجلس شرعی کی جانب سے بھی مشترکہ ۱۵ نکات کے ضمن میں نکتہ ۱۳ میں اس کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ خارجہ پالیسی کو متواز ن بنا یا جائے۔ اقوام ِعالم کے ساتھ اپنی خود مختاری کی شرط کے ساتھ تعاون اور اچھے تعلقات قائم کیے جائیں۔ ملک کے ایٹمی اثاثوں کا تحفظ کیا جائے۔ مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کیا جائے۔اس سلسلے میں بنائی گئی تنظیم اوآئی سی (مسلمان ممالک کی تنظیم) کو مضبوط اور فعال کیا جائے۔

۱٦۔صدر کا مسلمان ہونا

دستور ِ پاکستا ن کے حصہ سوم (وفاق ِ پاکستان) کے باب اول میں صدر سے متعلق دفعہ ۴۱کے مطابق ملک کا صدر وہ شخص ہو گا جو پینتا لیس سال سے کم نہ ہو،مسلمان ہو اور قومی اسمبلی کے رکن کی اہلیت رکھتا ہو۔[28]

اس دفعہ میں سربراہ مملکت کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ مملکت ِ خداد ِ پاکستان کا سربراہ صدر کہلاتا ہے۔اس کی عمر کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ پینتالیس سال کا ہونا چاہیے۔اگرچہ مباحث ِ اسمبلی میں اس دفعہ پر دینی جماعتوں کے اراکین کا مطالبہ تھا کہ اس کو چالیس سال کیا جائے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کو نبوت بھی چالیس سال میں دی گئی۔ مزید اس عمر میں آدمی کی عقل کامل سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس مطالبہ کو منظور نہیں کیا گیا۔دوسری شرط صدر ِ مملکت کے لیے یہ رکھی گئی کہ وہ مسلمان ہو۔ ظاہر ہے یہ مملکت نظریہ اسلام پر حاصل کی گئی۔ اس کے نام کے شروع میں بھی اسلامیلکھا گیا اور مملکت

---

[28]۔ حصہ سوم، وفاق پاکستان، باب ۱۔صدر،آرٹیکل ۴۱(۲)

کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا تو اس مملکت کے سربراہ کا مسلمان ہونا بہر حال بدیہی تھا۔اس لیے کہ کوئی غیر مسلم نظریہ اسلام اورپاکستان کا محافظ بنے گا،یہ بعید از قیاس ہے۔ آئین کی یہ دفعہ مسلمان کے بعد مرد و عورت کی جنس سے متعلق خاموش ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں میں سے کوئی بھی مملکت کا سربراہ بن سکتا ہے۔ جب کہ دینی جماعتوں کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ مملکت کے سربراہ کے لیے مسلمان مرد کی شرط عائد کی جائے۔ جسے قبول نہیں کیا گیا۔تیسری شرط صدرِ مملکت کے لیے یہ رکھی گئی کہ وہ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔آگے دستورِ پاکستان کی دفعہ ٦٢ میں ممبر اسمبلی کی اہلیت بیان کی گئی ہے ،جسے وہیں پر بیان کیا جائے گا۔

اسی حوالے سے اسلامی مملکت کے رہنما اصولوں میں سے بارھویں نکتہ میں اسی بات کا مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا لازمی ہے اور اس کی اہلیت سے متعلق مطالبہ کیا کہ اس کی صلاحیت، قابلیت اور اہل الرائے ہونے کے حوالے سے منتخب جمہوری نمائندوں کو اعتماد ہو۔ امور مملکت کی انجام دہی کے لیے وہ مختلف اشخاص یا جماعتوں کو اختیارات تفویض کر سکتا ہے۔

١٧۔ممبر اسمبلی کے لیے اہلیت

وفاقِ پاکستان کی دفعہ ۶۲ میں پارلیمنٹ کے ممبران کی اہلیت کے بارے میں ہے کہ پارلیمنٹ کا ممبر وہ شخص ہو گا جو:

- اچھے کردار کا حامل ہو،احکام اسلام کا پابند ہو۔
- وہ شریعت کا بنیادی فہم رکھتا ہو،فرائض کا پابند اور گنا ہ کبیرہ سے بچنے والا ہو۔
- وہ سمجھدار اور نیک صفت ہو ، ایماندار ہو اور عدالت نے اس کے بارے میں ایسا فیصلہ نہ کیا ہو جو اس کی ایمانداری کی صفت کو مجروح کرے۔
- ملک کی سالمیت کا تحفظ کرنے والا ہو اور نظریہ پاکستان یعنی نظریہ اسلام کا مخالف نہ ہو۔[29]

اس دفعہ میں ممبر اسمبلی کی اہلیت بیان کی گئی۔ یہاں خاص طور پر ان صفات کو بیان کیا گیا جو کسی درجے میں اسلامی کہلاتی ہیں۔اصل بات یہ ہے یہ اشخاص پوری قوم کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ان کا ان صفات سے متصف ہونا بے حد ضروری ہے۔

١٩٥٣ء میں مشاہیر علما نے متفقہ تجویز پیش کی تھی کہ ممبر اسمبلی کی اہلیت میں یہ بات شامل کی جائے کہ وہ اسلام کے عائد کردہ

---

[29]۔ ایضاً،آرٹیکل ۶۲

فرائض کا پابند اور فواحش سے اجتناب کرنے والا ہو۔ اس دفعہ میں تما م بنیادی اہلیت کی باتوں کا احاطہ کر دیا گیا۔

۱۸۔وزیر اعظم کا مسلمان ہونا

دفعہ ۹۱ (۳) کے مطابق اراکین اسمبلی میں سے کسی مسلمان رکن کو بطور وزیر اعظم نامزد کیا جائے گا۔[30]

پارلیمانی نظام حکومت سے اختیارات کا سرچشمہ وزیر اعظم ہی ہوتا ہے۔صدر بھی وزیر اعظم کے مشورہ کا پابند اور اس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے۔ تو وزیر اعظم کا مسلمان ہونا اس دفعہ میں ضروری قرار دیا۔

۱۹۔اسلامی احکام

دفعہ ۲۲۷ کے مطابق موجودہ تمام قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا۔اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے جو قرآن وسنت کے منافی ہو۔[31]

اس آرٹیکل میں اس بات کا عہد کیا گیا ہے کہ ملکی قوانین قرآن و سنت کے مطابق بنائے جائیں گے اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ دستور پاکستان کی یہ اہم ترین دفعہ ہے۔جس میں مملکت کے قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق کرنے کا عہد کیا گیا ہے۔
اسلامی مملکت کے رہنما اصولوں میں سے دوسرا اصول یہ ہے کہ ملکی قانون کتاب و سنت کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی حکم انتظامی طور پر نہیں دیا جا سکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ مزید فرمایا کہ اگر ملک میں کچھ قوانین ایسے ہوں جو کتاب و سنت کے منافی ہوں تو ان کو واضح کیا جائے اور انہیں تدریجاً ایک معین مدت میں منسوخ یا قرآن سنت کے منافی قانون کی حد تک تبدیل کر کے شریعت کے مطابق کیا جائے۔

اسلامی مملکت کے آخری اصول میں بھی یہی مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی کوئی ایسی تعبیر متعبر نہیں ہو گی جو قرآن وسنت کے منافی ہو۔

ملی مجلس شرعی کی جانب سے پندرہ متفقہ نکات میں سے چوتھا نکتہ یہی ہے کہ دستور پاکستان کے قابل نفاذ حصہ میں واضح لکھا جائے کہ قرآن وسنت ہی مسلمانوں کا سپریم لاء ہے اور اس کی تعبیر و تشریح کے خلاف قوانین منسوخ متصور ہوں گے۔اسی طرح عدلیہ کی طرف سے بھی دستور کی کوئی ایسی تعبیر قابل قبول نہیں ہو گی جو شریعت کے منافی ہو۔اور مقننہ ،عدلیہ اور انتظامیہ کے کسی بھی فیصلے او ر دستور کی کسی شق کے خلاف،اگر وہ شریعت کے منافی ہو اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کی جا سکے گی۔اور ترامیم دستور کی ناقابل تنسیخ دفعات قرار دی جائیں۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علما نے متفقہ ترمیم پیش کی تھی کہ '' کہ موجودہ قوانین کو پانچ سال کے اندر کتاب و سنت کے مطابق تبدیل کر دینے کا

---
[30]۔ باب ۳۔وفاقی حکومت،آرٹیکل ۹۱
[31]۔ حصہ نہم ، اسلامی احکام ، آرٹیکل ۲۲۷

مناسب انتظام کیاجائے۔'' موجودہ دفعہ میں اس بات کی ضمانت تو ہے کہ ملکی قوانین کتاب و سنت کے مطابق ڈھالے جائیں گے ،لیکن اس کے لیے کوئی مدت مختص نہیں کی گئی۔ جس کی وجہ سے آج چالیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ملکی قوانین کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں حکومت کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کی بنیادی وجہ حکومتوں کا اسلامی قوانین سے عدم دلچسپی اور آئینی طور پر مدت کا عدم تعین ہے۔ اسی لیے علما نے پاکستان بننے کے ابتدائی سالوں میں ہی یہ تجویز پیش کی تھی کہ پانچ سال کی مدت میں قوانین کو کتاب و سنت میں ڈھالنے کے لیے انتظامات کیے جائیں۔اسی طرح یہ ترمیم بھی پیش کی کہ '' مملکت کے قوانین کے ماخذا ساسی(چیف سورس) قرآن و سنت ہونگے۔'' اس ترمیم میں صراحتاً ذکر کر دیا گیا کہ ماخذ اساسی کی قوانین کی تشکیل میں بنیادی حیثیت کے حامل ہوں گے۔

۲۰۔اسلامی کونسل

دفعہ ۲۲۸ کے مطابق آئین پاکستان کے نفاذ کے دن سے نوے دنو ں کے اندر اندر اسلامی نظریاتی کو نسل تشکیل دی جائے گی۔ جو کم از اکم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ اراکین پر مشتمل ہو گی ،جو صدر ان لوگوں میں سے منتخب کرے گا جنہیں قرآن مجید اور سنت نبویﷺ کا گہرا فہم ہو اور ملکی اقتصادی،سیاسی اور انتظامی مسائل سے آ گاہ ہوں۔[32]

اسلامی کونسل سے مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) وغیرہ کی مشورہ طلبی

دفعہ ۲۲۹ کے مطابق اگر صدر،گورنر یا ایوان کے اراکین کا دو بٹا پانچ حصہ اگر چاہے کہ یہ قانون اسلام کے منافی ہے تو اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس مشورہ کے لیے بھیجا جائے گا۔ کہ آیا یہ قانون اسلام کے منافی ہے یا نہیں۔[33]

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ایسی بھی صورت حال آسکتی ہے جس میں اسمبلی میں ایک ہی جماعت قابض ہو۔ تو ایسی صورت میں گویا وہ جماعت جس قانون کے بارے میں چاہے گی اسے اسلامی کونسل بھیجے گی۔یہ بالکل مناسب نہیں۔اس لیے کہ اس جماعت کے خیالات و افکار سے سب کا متفق ہو نا ضروری نہیں ہے۔

اسلامی کونسل کے کارہائے منصبی

دفعہ ۲۳۰ کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو ایسے وسائل و ذرائع کی

---

[32]۔ آرٹیکل ۲۲۸
[33]۔ آرٹیکل ۲۲۹

سفارش کرے جو مملکت کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق گزارنے میں معاون ثابت ہوں۔

اسی طرح مذکورہ کونسل صدر،گورنر یا ایوان کی طرف سے طلب کیے جانے والےقانون پر مشورہ کے سلسلے میں پندرہ دن کے اندرجوابی اطلاع دے گی کہ اس مشورہ کے لیے انہیں کتنا وقت درکار ہو گا۔

اسی طرح اسلامی کونسل کے جواب آنے سے پہلے اگر صدر، گورنر ،قومی یا صوبائی اسمبلی مفاد عامہ میں اس قانون کی تنفیذ کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔

لیکن اس دوران اگر اسلامی کونسل کا مشورہ یہ آیا کہ مذکورہ حکم قرآن وسنت کے خلاف ہے تو صدر،گورنر،قومی و صوبائی اسمبلیاں مذکورہ قانون پر دوبارہ غور کریں گے۔[34]

اس سلسلے میں قانون یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی حکم کے بارے میں اسلامی کونسل کا مشورہ آئے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو اس پر دوبارہ غور کے بجائے اسے کالعدم قرار دیا جائے۔

ملی مجلس شرعی نے اپنےمتفقہ پندرہ نکات کے چوتھے نکتہ میں مطالبہ کیا کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں تمام مکاتب ِ فکر کے علما کو شامل کیا جائے۔اور ہر مکتبہ فکر اپنے حلقہ سے مشاورت کے بعد مجوزہ لائحہ عمل پیش کرے۔اور جن نکات پر اکثریت کا اتفاق ہو جائے انہیں حکومت چھ ماہ کے دورانیے میں قانون بنا کر نافذ کر دے۔

۲۱۔مسلمان کی تعریف

دفعہ ۲۶۰ (۳) الف میں مسلم اور غیر مسلم کی تعریفیں بیان کی گئیں جو مندرجہ ذیل ہیں :

> (الف) مسلم سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو وحدت و توحید قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہو اور پیغمبر یا مذہبی مصلح کے طور پر کسی ایسے شخص پر نہ ایمان رکھتا ہو نہ اسے مانتا ہو جس نے حضرت محمدﷺ کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا جو دعویٰ کرے۔
>
> اور
>
> (ب) غیرمسلم سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو مسلم نہ ہو اور اس میں عیسائی،ہندو،سکھ، بدھ یا پارسی فرقے سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا (جو خود کو 'احمدی' یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) کوئی شخص یا کوئی بہائی،اور جدولی ذاتوں میں سے کسی سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص شامل ہے۔[35]

---

[34]۔ آرٹیل ۲۳۰

[35]۔ آرٹیکل ۲٦۰(۳) الف،ب

دوسری فصل :جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں آئین پاکستان کی اسلامی دفعات میں ترامیم

جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دور ِحکومت (۱۹۷۹-۱۹۸۵ء)میں آئین پاکستان میں فرامین ِ صد رکے عنوان سے ۲۴ ترامیم پیش کیں جن میں سے ۱۶ ترامیم کا براہ راست تعلق اسلامی دفعات سے ہے۔ان میں سے ۱۱ ترامیم وفاقی شرعی عدالت سے متعلق ہیں۔اور ۳ ترامیم کا تعلق اسلامی نظریاتی کونسل سےہے۔اور ایک ترمیم کا تعلق ہائی کورٹس میں شریعت بنچوں کے ساتھ ہے۔اور ۱۹۸۵ء میں میں قومی اسمبلی نے ان فرامین صدر کی منظوری دے دی جس سے یہ ترامیم قانونی طور پر آئین ِ پاکستان میں شامل ہو گئیں۔

۱۔وفاقی شرعی عدالت

آئین ِ پاکستان کے حصہ ہفتم (نظام عدالت) کے باب ۳۔الف میں وفاقی شرعی عدالت کا بیان ہے۔ابتداءً یہ فرمان صدر نمبر ۱مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت دستور میں شامل کیا گیا ، جس میں وقتا فوقتاً ترمیمیں ہوتی رہیں۔اس وقت ہمارے پیش نظر آئین ِ پاکستان کا ترمیم شدہ لغایت ۲۸/فروری،۲۰۱۲ء کا ایڈیشن ہے۔ جس کے تحت آرٹیکل ۲۰۳(الف تا ی) میں وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ سے متعلق تفصیلات درج ہیں۔

ہم سب سے پہلے وفاقی شرعی عدالت سے متعلق دفعا ت کا خلاصہ پیش کریں گے،جس سے اس عدالت کا ڈھانچہ،طریقہ کار،دائرہ کار اور یہ کس حد تک اثرانداز ہیں،اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

اس دفعہ کے مطابق وفاقی شرعی عدالت تشکیل دی جائے گی۔جس کے احکام دستور میں شامل کسی امر کے باوجودمؤثر ہوں گے۔

دستور،مسلم شخصی قانون، عدالت یا ٹریبونل سے متعلق ضابطۂ کار کے احکامات وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں شامل نہیں ہیں۔اسی طرح اپنے قیام (۱۹۸۰ء)سے دس سال تک کوئی مالی قانون، محصولات،فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے،بنکاری اوربیمہ وغیرہ کے عمل اور طریقہ کار سے متعلق کوئی حکم جاری نہیں کر ے گی۔

یہ عدالت چیف جسٹس سمیت آٹھ ججوں پر مشتمل ہو گی۔جن کا تقرر صدر آرٹیکل ۱۷۵(الف) کے تحت کرے گا۔ ان آٹھ میں سے تین جج ایسے علما ہوں گے جو اسلامی قانون، تحقیقی اور تدریس کا کم از کم پندرہ سالہ تجربہ رکھتے ہوں۔ ان کے عہدے کی مدت تین سال کے لیے ہو گی۔اور انہیں اپنے عہدوں سے نہیں ہٹایا جا سکے گا سوائے عدالت عظمیٰ کے جج کو ہٹانے کی صورتوں کے۔ مدت عہدہ کا تقابل سپریم کورٹ کے ججز کے ساتھ ہونا چاہیے بار بار بدلنے سے بھی کارگردگی میں فرق آتا ہے اور حکومت غلط فائدہ اٹھاتی ہے جیسے مشرف نے سود کیس میں کیا کہ علما کو الگ کر کے اپنا کام کرا لیا۔

اختیارات کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ عدالت خود اپنی کسی تحریک پر ،یا پاکستان کے کسی بھی شہری یا وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کی درخواست پر کسی سوال کا جائزہ لے سکے گی، اور فیصلہ کر سکے گی کہ آیا یہ قانون یا قانون کا کوئی حکم قرآن سنت کے احکام کے منافی تو نہیں ہے۔

قانون کے غیر شرعی ہونے یعنی قرآن وسنت کے منافی ہونے کی صورت میں عدالت وفاقی حکومت یا صوبائی حکومت کو اگر وہ معاملہ وفاقی قانون سازی کی فہرست میں شامل نہ ہو، ایک نوٹس بھیجے گی ،جس میں انہیں مذکورہ قوانین کی وضاحت کے لیے مناسب وقت دیا جائے گا۔ متعلقہ حکومت کی وضاحت کے بعد اگر شرعی عدالت کا فیصلہ من و عن رہا یا وہ قانون جس حد تک قرآن و سنت کے منافی ہے، کے بارے میں عدالت حکومت کو ایک متعین تاریخ دے گی جس میں عدالت کا فیصلہ مؤثر ہو گا۔

فیصلہ کے نفاذ کی معین تاریخ سے پہلے اگر حکومت اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر دے تو وہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ مؤثر نہیں رہے گا۔ اگر اپیل نہیں کی گئی تو وفاقی قانون سازی کی فہرست کی صورت میں صدر اور صوبائی فہرست قانون سازی کی صورت میں گورنر مذکورہ قانون میں ترمیم کے پابند ہو ں گے تا کہ وہ اسلامی احکام کے مطابق ہو جائے،اور عدالت کی مقرر کردہ تاریخ پر سابقہ قانون غیر مؤثر ہو جائے گا۔

اسی طرح عدالت حدود کے نفاذ سے متعلق فوجداری عدالت کے کسی فیصلے کا ریکارڈ طلب کر سکے گی تا کہ وہ اس بات کا جائز لے کہ آیا یہ فیصلہ قرآن و سنت کے منافی تو نہیں۔ اس کے جائز ہ لینے تک اس فیصلے کی روشنی میں دی جانے والی سزا کو روک دیا جائے گا۔اور اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت مذکورہ فیصلہ کو کالعدم یا سزا میں اضافہ وکمی وغیرہ کرنے کا اختیار رکھے گی۔سزا میں اضافہ کی صورت میں ملزم کو اپنی صفائی بیان کر نے کا پورا اختیار دیا جائے گا۔

عدالت کو اپنے کا رہائے منصبی کی انجام دہی میں وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کے تحت دیوانی عدالت کو حاصل ہوتے ہیں۔اور اسے اپنی مرضی سے کارروائی کے لیے طریقہ کار منضبط کرنے کا اختیار ہو گا۔

عدالت کی توہین کی صورت میں اسے سزا دینے کے لیے عدالت عالیہ کے اختیارات حاصل ہوں گے۔عدالت میں کسی درخواست دہندہ کے لیے ماہر قانون ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک عام شخص جسے احکام اسلام کا جس حد تک علم ہے،وہ کسی بھی حوالے سے عدالت میں اپنی درخواست کو احکام اسلامی کی تصریح و وضاحت کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔

عدالت سے استفسار کی غرض سے وہ ملک یا بیرون ملک سے کسی بھی اسلامی قانون کے ماہر کو مدعو کر سکتا ہے۔ عدالت میں درخواست وغیرہ جمع کروانے کی کوئی فیس وصول نہیں کی جائے گی۔اور عدالت کو اپنے کسی فیصلہ پر نظر ثانی کا اختیار حاصل ہو گا۔

عدالت کے فیصلے پر کسی فریق کی ناراضی کی صورت میں قطعی فیصلے کے خلاف ساٹھ دنوں میں سپریم کورٹ میں اپیل کا اختیار حاصل ہے،جب کہ وفاقی یا صوبائی حکومت کی طرف سے اپیل چھ ماہ کے اندر اندر کی جاسکے گی۔

۲۔شریعت اپیلیٹ بنچ

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی صورت میں عدالت عالیہ ایک بنچ تشکیل دے گی جو شریعت اپیلیٹ بنچ یا شریعت مرافعہ بنچ کے نام سے موسوم ہو گا۔ یہ بنچ سپریم کورٹ کے تین مسلمان ججوں اور صدر کی طرف سے دو علما کو وفاقی شرعی عدالتوں کے ججوں یا چیف جسٹس کی مشاورت سے، بغرض خاص اس بنچ میں شامل کرے گا۔ جن کے عہدے کی مدت کا فیصلہ صدر کرے گا۔

یہ بنچ مذکورہ فیصلہ کی سماعت کرے گا اور اسے وہی اختیار حاصل ہوں گے جو سپریم کورٹ کے کسی جج کو حاصل ہوں گے۔اور اس فیصلہ سے متعلق سپریم کورٹ سمیت اور کسی عدالت کو سماعت کا اختیار نہیں ہو گا۔

اس بنچ کا فیصلہ عدالت عالیہ اور ماتحت عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہو گا۔زیر سماعت کارروائی سے متعلق عدالت کوئی حکم امتناعی یا عبوری حکم جاری نہیں کر سکے گی۔[36]

بلا شبہ یہ ادارہ ملکی قوانین کو شریعت ِ اسلامی سے ہم آہنگ کرنے میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے مطابق مملکت کے کسی شہری کو قوانین کے حوالے سے اختلاف ہو کہ وہ قرآن و سنت سے منافی ہیں تو بلا کسی معاوضہ و وکیل کے از خود درخواست سادہ پیپر پر ڈاک کے ذریعے یا بذات خود عدالت میں جمع کروا سکتا ہے۔بعد میں اس پر جرح اور دیگر دلائل کے لیے عدالت خود فریقین کونو ٹس دے کردلائل کے لیے ضابطہ تیار کرے گی۔اور اس کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں قائم کردہ صرف شریعت اپیلیٹ بنچ ہی سماعت کر سکے گا۔ جس میں صدر اسی عدالت کے دوجج یا چیف جسٹس کی مشاورت سے نامزد کردہ علما کو بطور جج شامل کرے گا۔

اس دفعہ میں قابل اعتراض پہلو یہ ہے کہ کچھ احکامات کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا ہے جن میں دستور،مسلم شخصی قانون، عدالت یا ٹریبونل سے متعلق ضابطۂ کار کے احکامات وفاقی شرعی عدالت

---

[36]۔ آئین پاکستان ، حصہ ہفتم،نظامِ عدالت، باب۳۔الف۔وفاقی شرعی عدالت ،آرٹیکل ۲۰۳(الف تا ی)

کے دائرہ اختیار میں شامل نہیں ہیں، اس شق پر نظرثا نی کی ضرورت ہے۔اس لیے کہ اس عدالت کا بنیادی مقصد قانون و سنت کی بالادستی ہے۔اور مملکت خدادادِ پاکستان جو کہ نظریہ ِ اسلام پر قائم ہوا ہے، پر تمام احکامات کا قرآ ن وسنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔لہٰذا عدالت کے دائرہ اختیار کو ملک کے کسی بھی قانو ن اور قانون پر حکم کو عدالت کے دائرہ اختیار میں رکھا جائے۔

مزید یہ کہ شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج علما کی مدت ملازمت ،تقرری و برطرفی وغیرہ کا دیگر عدالتوں کے ججوں کے مطابق نہیں۔اس سے حکومت کسی وقت کوئی فیصلہ رکوانے کے لیے کسی جج کو برطرف یا اسے مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اور مطلوبہ اراکین کی عدم موجودگی میں وہ بنچ کا فیصلہ تاخیر کا شکار ہو جائے گا۔اس کاازالہ کیا جائے۔مزید اس بنچ کے تین ججز جو عدالتِ عالیہ کے تین مسلم جج ہوں گے ، ان کے بارے میں بھی یہ شرط رکھی جائے کہ انہیں اسلامی قانون و فقہ پر مہارت ہو۔ظاہر ہے ایسے جج ہی شریعت کے کسی فیصلہ کو قرآن و سنت کے منافی یا مطابق قرار دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف حکومت کو سپریم کورٹ میں جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے البتہ اپیل کا حق ضرور دیا جائے لیکن وہ وفاقی شرعی عدالت کا خصوصی بنچ کرے جس میں خصوصی طور پر ماہرین کی خدمات حاصل کی جا سکیں نیز وفاقی شرعی عدالت خود کسی معاملے کو نظریاتی کونسل میں بھجوا سکے اسے اسمبلی کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔

ملی مجلس شرعی کی جانب سے متفقہ پندرہ نکات میں سے چوتھا نکتہ اسی دفعہ سے متعلق ہے۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ کے ججوں کی مدت ملازمت اور دیگر شرائط دیگر عدالتوں کے ججوں کے برابر کی جائیں۔اسی طرح کچھ قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنٰی قرار دیا گیا،ان پر نظر ثانی کی جائے اور ہر طرح کے قوانین پر نظرثانی کا اختیار دیا جائے۔اسی طرح مذکورہ عدالت اور بنچ کو پابند کیا جائے کہ وہ پٹیشنوں اور اپیلوںپر مناسب وقت پر فیصلہ کریں۔اسی طرح صوبائی، ضلعی اور تحصیل کی سطح پر بھی علما ججوں کا تقرر کیا جائے۔

۱۹۵۳ء میں مشاہیر علما کی طرف سے مندرجہ ذیل تجویز میں بنیادی طور پر وفاقی شرعی عدالت کی طرز پر ہی ایک ادارہ قائم کرنے کی سفارش پیش کی تھی۔جو قوانین کو قرآن وسنت کے منافی یا موافق ہونے کا فیصلہ کر سکے۔چناں چہ اس رپورٹ میں تجویز دی گئی کہ :

> قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جو دستوری اعتراضات یا تعبیر دستور کے مسائل پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرنے کےلیے سپریم کورٹ میں پانچ علما مقرر کیے جائیں گے جو سپریم کورٹ کے کسی ایسے جج کے ساتھ جسے امیر مملکت تدوین و تقویٰ اور واقفیت علوم و قوانین اسلامی کے پیش نظر اس مقصد کے لیے نامزد کرے گا ملکر

اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔
۱)ان علما کا تقرر اسی طریقے سے ہوگا جو سپریم کورٹ کے ججوں کے لیے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات میں تجویز کیاگیاہے۔
۲) اس منصب کے لیے صرف ایسے ہی علما اہل ہوں گے جو
(الف)۔کسی دینی ادارے میں کم از کم دس سال تک مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہوں یا
(ب)۔کسی علاقے میں کم از کم دس سال تک مرجع فتویٰ رہے ہوں یا
(ج)۔کسی باقاعدہ محکمہ قضا شرع میں کم از کم دس سال تک قاضی کی حیثیت سے کام کرچکے ہوں یا
(د)۔کسی دینی درسگاہ میں کم از کم دس سال تک تفسیر حدیث یا فقہ کا درس دیتے رہے ہوں۔
یہ انتظام پندرہ سال کےلیے ہوگا اور اگر ضرورت ہو تو رئیس مملکت اس مدت میں توسیع کرسکتاہے۔

اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے ججوں اور سپریم کورٹ میں شریعت اپیلیٹ بنچ کے ججوں کے معیار اور اہلیت کے حوالے سے ان تجاویز سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔جدول سوم عہدوں کے حلف

ضمیمہ میں صدر اور وزریر اعظم کے عہدوں کے حلف نامہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتا ہے۔اور اس کے بعد صد ر اور وزیر اعظم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ،کتب سماوی اور آخری کتاب قرآن مجید، نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت،قیامت اورقرآن و سنت کے مقتضیات و تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں۔
آخر میں وہ پاکستان کا حامی و وفادار ہونے کا عہد کرتے ہیں۔[37]
تمام مناصب کے عہدوں کے حلف نامے کے آخر میں فرمان صدر ۱۴مجریہ،۱۹۸۵ء کے آرٹیکل ۲ اور جدول کی رو سے مندرجہ ذیل الفاظ کا اضافہ کیا گیا۔''[اللہ تعالیٰ میری مدد اور رہنمائی فرمائے (آمین)۔]'' [38]

تیسری فصل :نفاذِ اسلام کے لیے آئین پاکستان(۱۹۷۳ء) کی تدوین سے اب تک ہونے والی کو ششوں کا جائزہ

نفاذ شریعت ایکٹ 1990ء

13/جون 1985ء کو سینٹر مولانا سمیع الحق اور سینٹر مولانا قاضی عبدالطیف نے سینٹ میں پرائیویٹ طور پر تیار کردہ شریعت بل

---

[37]۔ ضمیمہ ،جدول سوم عہدوں کے حلف ،صدر [آرٹیکل 42]، وزیر اعظم [آرٹیکل 91[5]
[38]۔ جدول سوم ، عہدوں کے حلف

منظوری کے لیے پیش کیا۔ تقریباً پانچ سال کے بعد 13/مئی 1990ء کو سینٹ نے متفقہ طور پر اس بل کی منظوری دی۔ان پانچ سالوں کے دوران متعدد کمیٹیوں میں مسودہ شریعت بل زیر بحث رہا۔اور ان کی طرف سے متعدد ترامیم تجویز کی گئیں۔مزید سینٹ سیکرٹریٹ کی جانب سے اس بل کی عوامی سطح پر تشہیر کی گئی تا کہ عوام الناس کی رائے بھی لی جا سکے۔ مختلف حلقوں کی جانب سے بھی اس بل میں ترامیم تجویز کی گئیں۔بہرحال متعدد ترامیم کے بعد سینٹ نے بل کی منظوری دی۔اس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں :

بل کے آغاز میں لکھا گیا کہ چوں کہ قرار دادِ مقاصد پاکستان میں شریعت کے نظام کی تنفیذ چاہتی ہے اور اس قراردادکو آئین پاکستان کے قابل عمل حصے میں شامل کر لیا گیا ہے لہٰذا شریعت کا نفاذ ہماری آئینی ذمہ داری ہے۔اس کے نفاذ کے لیے قوانین ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں :

یہ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء کہلائے گا۔ اس کا دائرہ پورا پاکستان ہو گا۔اور یہ فوری نافذ العمل ہو گا۔اور اس میں شامل قوانین کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہو گا۔

اس کے بعد تعریفات کے ضمن میں ایکٹ میں بیان کردہ مختلف عبارات کا مفہوم متعین کیا گیا۔

مملکت خدادادِ پاکستان میں شریعت کی بالا دستی ہو گی اور یہ ملک کا سپریم قانون ہو گا۔

ملک کی عدالتیں اس بات کی پابند ہو ں گی کہ وہ شریعت کے مطابق فیصلے کریں۔اسی طرح آیا کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی ہے یا نہیں اس کے لیے عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے گا۔ جس پر عدالت عالیہ اس سوال کو وفاقی شرعی عدالت کی رائے معلوم کرنے کے لیے بھیجے گی اگر وہ اس کے دائرہ اختیار میں آتا ہو اور مذکورہ ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی کہ قانو ن قرآن سنت کے منافی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی معاملہ اس کے دائرہ سے باہر ہےتو عدالت عالیہ اس پر امر تنقیح طلب کر کے ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کر ے گی۔

مزید یہ کہ عدالت عالیہ خود اپنی کسی تحریک پر ، یا قومی اسمبلی ، صوبائی اسمبلی ، یا کسی بھی فرد کی طرف سے کسی سوال کا جائزہ لے گی کہ آیا کو ئی شخصی قانون، عدالتی قانون وغیرہ کے بارے میں فیصلہ کر سکےگا کہ آیا یہ قانون شریعت کے منافی ہے یا نہیں۔ لیکن ان میں سے جس معاملہ کا تعلق وفاقی شرعی عدالت سے ہو گا ،اس کے فیصلہ کا اختیار صرف وفاقی شرعی عدالت کو ہو گا۔

انتظامیہ کا کوئی فرد جس میں صدر ، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ شامل ہیں کو ئی بھی شریعت کے خلاف احکامات نہیں دے سکے گا۔اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا جو شریعت کے منافی تھا تو اسے سپریم کورٹ

میں چیلنج کیا جا سکے گا۔حکومتی عمال بھی آئین کے تابع رہتے ہو ئے ذمہ داریاں سر انجام دیں گے۔اور بلا تفریق ان کا عدالتی احتساب کیا جا سکے گا۔

مستند علما اور قانون کے ماہرین جو مفتی بننے کی اہلیت رکھتے ہوں عدالتوں اور معاون عدالتوں کے جج مقرر کیے جائیں گے۔

اسی طرح اس بل میں یہ بات بھی بیان کی گئی کہ صدر پاکستان ، چیف جسٹس ، چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش سے مفتیان کرام کا تقرر کیا جائے گا جو عدالت عالیہ اور وفاقی شرعی عدالت کے معاون ہوں گے جو اس معاملہ میں رہنمائی فراہم کریں گے کہ آیا یہ قانونِ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔

اسلامی قانون کے ماہر ین تیار کیے جائیں گے۔ جس کے تحت وفاقی جو ڈیشنل اکادمی اسلام آباد اور دیگر اداروں میں ایسے تدریسی پروگرام تشکیل دیے جائیں جو ایسے ماہرین پیدا کر سکیں۔ذرا ئع ابلا غ کے ذریعے سے اسلامی اقدار کو فروغ دیا جائے گا۔اور فحاشی اور بے حیائی اور اسلامی اقدار کے منافی پروگرام نشر کرنے پر پابندی ہو گی۔

تعلیم کو نظریہ اسلام کے مطابق بنانے اور ذرائع ابلاغ کو اسلامی اقدار کے موافق بنانے کے لیے حکومت ساٹھ دن میں ایک کمیشن بنائے گی۔جس میں مذکورہ شعبوں کے ماہرین کے ذریعے سے سفارشات مرتب کر کے حکومت اس پر عمل در آمد کرائے گی۔

مملکت کے تما م شعبوں مقننہ ، عدلیہ اور انتظامیہ کے اراکین کے لیے شریعت کی پابندی لازمی ہو گی۔اور یہ کہ وہ فرائض کی بجاآوری اور کبائر سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

قانون کی وہ تعبیر و تشریح قابل قبول ہو گی جو کتاب و سنت کے مطابق ہو گی۔[39]

اس بل کے مندرجات سے اندازہ لگا یا جا سکتا ہے کہ اس کے بیشتر نکات کا تعلق آئین ِ پاکستان کی دفعات میں مذکور ہے۔بلا شبہ یہ بل نیک نیتی سے بنایا گیا تھا۔اور اس کے ذریعے سے مملکت میں شریعت کے نفاذ کے لیے اہم بنیادی ترامیم درکار تھیں۔لیکن اس بل کا انداز تکنیکی وفنی طور پر دستور میں آئینی ترامیم کے اسلوب کے برخلاف تھا۔جس میں اس کی خاطر خواہ افادیت نہ تھی۔بہر حال اس بل کے ذریعے سے مملکت میں شریعت کے نفاذ کے حوالے سے عوام الناس ، میڈیا اور دیگر اہل علم میں اس مطالبہ کو خوب پذیر ائی حاصل ہو ئی۔[40]

نویں ترمیم ۱۹۸۵ء

39۔ سمیع الحق ، مولانا ، اقتدار کے ایوانوں میں شریعت بل کا معرکہ ، مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ ،اکوڑہ خٹک ،جنوری ۱۹۹۱ء،ص۱۶۷۔۱۶۸

40۔ غازی ، محمود احمد ، ڈاکٹر ،پروفیسر ،پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل ،شریعہ اکیڈمی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ،اسلام آباد ، جنوری ،۲۰۱۱ء،ص۳۳

جب غیر سرکاری شریعت بل سینٹ میں پیش کیا گیا تھا تو اس دوران حکومت نے سینٹ میں نواں دستوری ترمیمی ایکٹ پیش کیا جو۸ جولائی ۱۹۸۶ء میں منظور کر لیا گیا جس کے مطابق قرآن و سنت ملکی قانون کے ماخذ ہوں گے۔جن کا نفاذ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے وضع کردہ قوانین کے ذریعے سے ہو گا۔وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات میں محدود توسیع کی گئی۔ابھی اس بل کو قومی اسمبلی سے منظور ہونا تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے اسمبلی اور کابینہ کو توڑ دیا جس کی وجہ سے یہ بل غیر مؤثر ہو گیا۔[41]

نفاذ شریعت آرڈیننس۱۹۸۸ء

جنرل ضیاء الحق نے ۲۹/مئی ۱۹۸۸ء کو جب اسمبلی اور کابینہ کو توڑدیا توایوان بالا سینٹ کو برقرار رکھااور نگران کابینہ تشکیل دے دی اور حکومتی امور کی دیکھ بھال خود اپنے ہاتھوں میں رکھی۔آئین کے مطابق انہیں ۹۰ دنوں کے اندر انتخابات کروانے تھے ،اس سلسلے میں انہوں نے لیت و لعل سے کام لیا اور اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین ڈاکٹرعبدالواحد جے ہالے پوتاکی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جو مملکت کے لیے شریعت آرڈیننس تیار کرے۔اس کمیٹی نے بڑی محنت سے متفقہ مسودہ تیار کیا جو جنرل ضیاء الحق نے ۱۵/جون ۱۹۸۸ء کو نفاذ شریعت آرڈیننس ۱۹۸۸ کے نام سے جاری کر دیا۔اس آرڈیننس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں :

قرارداد مقاصدکو آئین کا حصہ بنانے کی توثیق کے ساتھ عدالتیں اس بات کی پابند ہوں گی کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں۔

قرآن و سنت ہی ملکی قانون کے ماخذ اصلی ہیں۔ اور ریاستی پالیسی کے لیے ہدایت کا درجہ رکھتے ہیں۔

عدالتی نظام کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے کہ کسی قانون کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے یا نہیں تو اسے وفاقی شرعی عدالت کے پاس فیصلہ کے لیے بھیجا جائے گا اور جو امور اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں انہیں ہائی کورٹ میں بھیجا جائے گا اور وہاں قا نونِ اسلامی کی رہنمائی کے لیے مفتیان کرام کا تقرر کیا جائے گا۔ اور یہ عدالتیں دو ماہ کے اندر مذکورہ معاملہ میں فیصلہ کی پابند ہوں گی۔اسی طرح علما کو بطور جج اور وکیل کے تقرر کیا جا سکے گا اور موجودہ عدالتی ججوں اور متعلقہ عملے کو قرآن وسنت کی تعلیم دینے کا ہتمام کیا جا ئے گا تا کہ انہیں پیش آمدہ مسائل میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے واقفیت حاصل ہو سکے۔[42]

---

[41]۔ غازی ، جنوری ۲۰۱۱ء ، ص ۳۳

[42]۔ محمد امین ، ڈاکٹر ، عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون ،ادارہ ترجمان القرآن ،لاہور ،نومبر ۱۹۸۹ء،ص۲۳۷۔۲۳۸

۱۷/اگست ۱۹۸۸ء کو ضیاء الحق جہاز کے ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔ان کے بعد سینٹ کے چیئر مین غلام اسحاق خان نے قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھالا۔تو انہوں نے اس کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی اس آرڈیننس کی عبوری توسیع کر دی۔اس دوران انتخابات کے ذریعے بے نظیر بھٹو نے ۲/دسمبر ۱۹۸۸ء کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا۔ ۱۴/فروری ۱۹۷۹ء کو نفاذ شریعت آرڈیننس کی مدت اختتام پذیر ہو رہی تھی لیکن حکومت نے اس میں توسیع نہیں کی جس کی وجہ سے یہ آرڈیننس خود بخود ختم ہو گیا۔[43]

شریعت بل ۱۹۹۱ء

۱۹۹۱ء میں محمد نواز شریف وزیر اعظم تھے۔ان کی وزارت عظمیٰ میں شریعت بل قومی اسمبلی سے منظور ہوا۔ اس بل کے آغاز میں قرار دادِ مقاصد کو بنیاد بنا کر ایک ایسے نظام کی ضرورت محسوس کی گئی جو اسلامی اقدار کے موافق ہو۔اس مقصد کے لیے ایک قانون بنایا گیا جسے نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کا نام دیا گیا۔جس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہو گا۔اور فوری نافذالعمل ہو گا۔اس ایکٹ کے احکامات کا اطلاق غیر مسلموں کی نجی زندگی مثلاً پرسنل لاء،مذہبی آزادی،روایات اور رسوم و رواج پر نہیں ہوگا۔اس بل کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں :

آغاز میں بتایا گیا کہ شریعت سے مراد قرآن و سنت کے احکامات ہیں۔اور ان کی توضیح و تشریح کےلیے مسلمہ اصولوں اور فقہاء کی آراء پر عمل کیا جائے گا۔ اور کسی فرقہ کے پرسنل لاء میں قرآن وسنت کی وہ تعبیر مراد لی جائے گی جو اس فرقہ کے اپنے مذہب کے مطابق ہو گی۔

قوانین کی ایک سے زائد تعبیرات کی صورت میں وہ تعبیر لی جائے گی جو قرآن و سنت کے مطابق ہو گی۔مملکت کے شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کی پیر وی کریں۔ شریعت کی تعلیم کی غرض سے حکومت شہریوں کے لیے علوم اسلامیہ کی تعلیم کا مناسب بندوبست کرے گی۔اور تعلیم کو نظریہ اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لیے ایکٹ کے نفاذ کے بعد ۳۰ دنوں میں اس مقصد کے لیے ماہرین پر مشتمل کمیشن بنایا جائے گا جو اس بارے میں حکومت کو سفارشات بھیجے گا۔

پاکستان کے معاشی نظام کو اسلامائز کرنے کے لیے ایکٹ کے نفاذ سے ۳۰ دنوں میں ایک کمیشن تشکیل دیا جائے گا جو ماہرینِ اقتصادیات، بنکاروں اور اسلامی قانون و فقہ کے جاننے والے علما پر مشتمل ہو گا۔جو اس بارے میں سفارشات مرتب کر کے حکومت کو پیش کرے گا اور ربوٰ(سود) کے خاتمہ کو یقینی بنائے گا۔

ذرائع ابلاغ کو اسلامی اقدار کے مطابق ڈھالنا، مملکت کے شہریوں کی جان ، مال اور عزت کا تحفظ، رشوت و بد عنوانی کا

---

[43]۔ محمد امین ، ص۲۴۰۔۲۴۱

خاتمہ،سماجی برائیوں کی روک تھام اور عدالتی نظام کو اسلام کے نظام ِ عدل کے مطابق ڈھالنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔[44]

اس بل کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس بل کی بیشتر شقوں کا تعلق آئین پاکستان کی دفعات سے ہے۔ جس میں حکومت نے ایسا غیر مؤثر بل منظور کیا جس میں اسلامی حوالے سے کچھ اقدامات کرنے کا عہد کیا اور کچھ امور کے لیے کمیشن بنانے کی تجاویز سامنے آئیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ۱۹۹۰ ء کے انتخابات میں نفاذ شریعت اہم انتخابی موضوع تھا۔ حکومت اس سے عہدہ برآہونا چاہتی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس بل کے ذریعے حکومت آئین پاکستان کی اسلامی شقوں میں مناسب ترامیم کرتی،لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔نتیجتاً بل کی منظوری سے نظام کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکی۔

پندرہویں ترمیم ایکٹ ۱۹۹۸ء

محمد نواز شریف کی وزارتِ عظمیٰ میں آئین میں پندرھویں ترمیم پیش کی گئی جو ایکٹ ۱۹۹۸ء کہلاتا ہے۔اس ایکٹ کو قومی اسمبلی نے پاس کر دیا تھا۔ اور یہ ایکٹ ایوان بالا سینٹ میں زیر غور تھا کہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ کو فوج کے سالار اعظم جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر کے قومی اسمبلی اور سینٹ کو تحلیل کر دیا۔جس کی وجہ سے یہ ایکٹ قابل عمل نہیں رہا۔

اس ایکٹ کے آغاز میں قرار دادِ مقاصد کو بنیاد بنا کر اسلامی نظام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ایک اقدام کیا گیا تھا،کہ قرار دادِ مقاصد کو جو پہلے سے آئین ِ پاکستان کی دفعہ 2A کے تحت آئین پاکستان کے قابل عمل حصہ میں شامل تھی اس دفعہ میں مزید اضافہ کرتے ہوئے 2B میں قرآن وسنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دینے کی سفارش کی۔اس کے تحت حکومت کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ ملک میں نظام صلوٰة ، زکوٰة قائم کرے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی بجاآوری کرے۔اسی کے ساتھ دفعہ ۲۹۳ میں بھی ترمیم تجویز کی گئی۔[45]

یہ بل پیش کرتے ہو ئے وزیر اعظم نواز شریف نے اظہار ِ خیال فرمایا کہ ہم قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کا بل پیش کر رہے ہیں، اور یہ کہ عدالتوں میں جو آئین و قانون کی الگ الگ تشریحات کی جاتی ہیں اور اس کے ذریعے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ،اس بل کے ذریعے سے ان کا ازالہ ہو جائے گا۔اسی طرح انہوں نے واضح کیا کہ اس بل سے غیر مسلموں کے شخصی قوانین، مذہبی آزادی اور رسم ورواج پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہو سکے گی۔ اسی طرح انہوں نے سورہ حج کی آیت ۴۱ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ وہ

---

[44]۔ محمود ، صفدر ، ڈاکٹر ، آئین پاکستان تجزیہ و موازنہ ،جہانگیر بکس لاہور ،ص۱۹۳۔۲۰۰

[45]۔ محمود ، ص۲۰۷۔۲۰۹

ملک میں نظام صلوٰۃ اور زکٰوۃ قائم کرے اور نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، تو پندرہویں ترمیم میں اس بات کو شامل کیا جائے گا کہ مذکورہ امور حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہیں۔[46]

چوتھی فصل : اسلامی دفعات کی مؤثریت

آئین کی اسلامی دفعات کی مؤثریت کس حد تک ہے ؟اس حوالے سے ہم بطور مثال انسدادِ ربٰو(سود) کے مسئلہ میں اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ کے کردار کا جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے ان اسلامی دفعات کی مؤثریت کا اندازہ لگایا جا سکے گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا انسدادِ ربٰو(سود) کے مسئلہ میں کردار

۱۹۶۲ء کے آئین کی ایک دفعہ کے تحت اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کا قیام عمل میں آیا جسے مختصراً اسلامی مشاورتی کونسل کہا جاتا ہے۔ربٰو(سود) کے حوالے سے سب سے پہلے مارچ ۱۹۶۳ء میں وزارت خزانہ ،حکومت ِ پاکستان کی طرف سے کونسل کو ایک ریفرنس موصول ہو ا جس میں حکومت نے کونسل سے استفسار کیا کہ کیا عوام میں مروجہ سودی صورت اسلامی اصولوں سے مطابقت رکھتی ہے ؟ اگر نہیں تو آئین کے آرٹیکل (۲۰۴)(۱)الف کے تحت کونسل اسلامی قوانین سے مطابقت کے ذرائع کی سفارشات ارسال کرے۔

اسلامی مشاورتی کونسل کے لیے ۱۹۶۲ء کے آئین کے قاعدہ۸ کے مطابق کسی مسئلے سے متعلق غور و خوض کے لیے ادارہ تحقیقات ِ اسلامی سے مواد و رائے حاصل کرنا لازمی ہو گا۔ چنانچہ جون ۱۹۶۳ ء کو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی طرف سے ضروری مواد اور رائے کونسل کو موصول ہوئی جس پر کونسل کے اراکین کے مابین طویل بحث و مباحثہ کیا گیا۔ اس دوران گورنر سٹیٹ بنک، ڈپٹی چئیرمین منصوبہ بندی کمیشن، مسٹر اختر حسین چیف الیکشن کمشنر کی تحریری آراء بھی کونسل کو موصول ہو گئیں۔ [47]

بہر حال ادارہ تحقیقات ِ اسلامی کی طرف سے جو رائے موصول ہوئی اس میں سب سے پہلے ربٰو کی تعریف بیان کی گئی۔ اس کے بعد'ربٰو اور قرآن'کے حوالے سے مشہور آیات ربٰو پیش کی گئیں۔اس سلسلے میں قرآن مجید کی سورۃ الروم آیت ۳۹،آل عمران آیت ۳۰،سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵تا ۲۸۰ کی روشنی میں ربٰو کی وضاحت پیش کی۔ اس کے بعد احادیث میں ربٰو کی جن اقسام کا ذکر ہے اس کا ذکر کیا گیا۔ جن میں خاص طور پر ربا النسیئہ اور رباالفضل کا ذکر کیا۔ اس کے بعد دور

---

[46] . National assembly Of Pakistan Debates , Official Report Friday, 28th August,1998,Vol.IV,No.3,The Manager Of Publication, Karachi:1998,page 292-295

[47] . Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. I, p.3

حاضر میں شرح سود کا کردار بیان کیا گیا۔اور اس سلسلے میں ادارہ کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید جس ربٰو کی حرمت کی بات کرتا ہے تو رائج سود اس سے مختلف ہےچناں چہ ہم ادارہ تحقیقات ِ اسلامی کی رائے کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ان کے موقف کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا :

> ہمیں یقین ہے کہ ربوٰ کی خصوصی ممانعت کو چھوڑ کر قرآن کی عام تعلیم کا منشا یہ ہے کہ امدادِ باہمی کی روح سماجی و اقتصادی انصاف اور فلاحی ریاست بیش از بیش ترقی کریں۔ اور اس مقصد کے لیے آخر کار سود کا خاتمہ یقیناً پسندیدہ ہو گاہم پر زور طریقہ پر اس بات کو پھر دوہراتے ہیں کہ سود کو آخر میں امکانی حد تک ختم کر دینے کا تعلق پھر بھی براہ راست قرآن کے منع کیے ہوئے ربوٰ سے نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں مختلف ہیں۔[48]

اسی طرح ادارہ نے جو سود سے متعلق نتائج اخذ کیے ان کے مطابق رائج الوقت شرح سود قرآن میں بیان کردہ ربا المحرم کے بر عکس ہے۔ اور آجکل بنکوں میں جو سود رائج ہے اس کا تعلق قرآن میں حرام کردہ ربوٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ تاہم انہوں نے کہا کہ اسلام ایسی معیشت جس میں سود رائج ہو اس کے بجائے ایک فلاحی مملکت قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ جس کی بنیاد باہمی تعاون اور سماجی انصاف پر ہو۔[49]

ادارہ تحقیقات اسلامی کی رائے بہر حال جمہور فقہا کی رائے کے بر خلاف تھی۔اس لیے کہ جمہور فقہاکے نزدیک بنک کا سود اسی ربا المحرم کے تحت آتا ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی رائے پر ممبران کونسل میں سے عبدالھاشم صاحب و دیگر نے تفصلی محاکمہ کیا۔اور بنکوں کے سود اور قرآن کے رباالمحرم کو ایک ہی قرار دیا۔[50]

اس کے بعد کونسل کے ممبران نے سود کے مسئلہ پر علاحدہ علاحدہ رپورٹ مرتب کر کے کونسل میں جمع کرائیں۔ جنہیں کونسل نے حکومت کو بھیج دیا۔حکومت نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ آئین کے مطابق کونسل ان علاحدہ علاحدہ رپورٹس کا جائزہ لے کر انہیں ایک جگہ مرتب کر کے پیش کرے۔ اس مقصد کے لیے کونسل نے 13 /جنوری 1964ء کو کراچی میں اجلاس منعقد کیا ،جس میں کونسل کی طرف سے مندرجہ ذیل فیصلہ کیا گیا :

---

48 . Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. I, p.27-32

49 . Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. I, p.33

50 . Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. I, p.35-37

اسلامی مشاورتی کونسل اس بات پر متفق ہے کہ ربٰو ممنوع ہے مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا قرآن میں ربٰو سے متعلق جو تصور پیش کیا ہے اس میں وہ سود بھی شامل ہے جو عوام الناس میں مروج ہے۔تو کونسل کے نزدیک وہ بھی ربا المحرم میں شامل ہے۔اسی طرح اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ اسلامی معاشرتی انصاف اور بھائی چارے کی تکمیل کے لیے غیر سودی معاشی نظام کی تعمیر ضروری ہے۔ گو کہ اس حقیقت سے کونسل اتفاق کرتی ہے کہ اچانک یا فوری تبدیلی بہت سی مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔تاہم کونسل سفارش کرتی ہے کہ غیر سودی معاشی نظام کے لیے کوششوں کو طول نہ دیا جائے۔[51]

جب یہ رپورٹ حکومت کو پیش کی گئی تو اسے جامع و واضح نہیں سمجھا گیا۔۱۴/جولائی ۱۹۶۴ء کو ربٰوسے متعلق استفسار دوبارہ کونسل کو بھیجا گیا۔ کونسل نے اس بارے میں حکومت سے چند نکات کی تفصیل جاننا چاہی جو حکومت کی طرف سے ۲۲/دسمبر ۱۹۶۴ء کو کونسل کے حوالے کی گئیں۔ اور دوبارہ یہ معاملہ ممبرانِ کونسل کے سپرد کیا گیا۔اس دوران کونسل کی ہیئت میں تبدیلی آئی اور یہ معاملہ اب نئے ممبران کو منتقل ہو ا۔۴/فروری ۱۹۶۶ء کو کونسل کے منعقدہ اجلاس بمقام لاہور میں اس معاملہ پر غور کیا گیا۔چوں کہ یہ معاملہ باریک بینی اور تفصیلی غور و خوض کا متقاضی تھا اس لیے اس کو اگلے اجلاس کے ایجنڈے میں شامل کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ڈھاکہ میں کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں اس معاملہ پر دو پہلوؤں سےغور کیا گیا۔ اول یہ کہ موجودہ معاشی نظام کے تحت سودی اور غیر سودی معاملات کو الگ کرنا۔دوم یہ کہ اگر یہ طے پا جائے کہ موجودہ پورا نظام ربٰو کے تحت ہے تو اس کا متبادل نظام کیا ہو گا۔

چوں کہ یہ معاملہ صرف پاکستان تک محدود نہیں ہےبلکہ دوسرے اسلامی ممالک کا بھی ہے۔اس لیے کونسل نے یہ مناسب سمجھا کہ ربٰو(سود) سےمتعلق دیگر اسلامی ممالک کے علماءاور سکالرز کے فیصلوں اور آراء کو جمع کیا جائے۔ اور ان ممالک کے طریقوں کو دیکھا جائے جن کا دعوٰی ہے کہ انہوں نے معیشت سے سود کو پاک رکھا ہے۔اجلاس میں یہ بھی طے کیا کہ اس معاملہ میں فی الحال کوئی حتمی فیصلہ نہ کیا جائے۔اس معاملہ سے متعلق مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے ایک سوالنامہ مرتب کر کے پاکستان سمیت دیگر اسلامی ممالک کے علما اور سکالرز کو ارسال کیا جائے۔کونسل نے یہ بھی سفارش کی کہ حکومت ایک وفد ان اسلامی ممالک میں بھیجے جن کا دعوٰی ہے کہ ان کی معیشت سود سے پاک ہے، وہ ان کے نظام کی جانچ پڑتال کریں اور ٹھوس ثبوت حاصل کریں۔اگر کونسل مطلوبہ مواد سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ موجودہ

---

[51] . Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. II, p.183-184

معاشی نظام کو غیر سودی معاشی نظام سے تبدیل کرنا ضروری ہے تو اس سلسلے میں مستند ماہرین قانون اور موجودہ معاشی نظام کے ماہرین معاشیات اور بنکاروں پر مشتمل ملکی و غیر ملکی ماہرین کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ جو اس بارے میں عملی لائحہ عمل پر غور و خوض کرے۔[52]

کونسل کی طرف سے ۹/دسمبر ۱۹۶۶ء کو دوبارہ اجلاس منعقد کیا گیا جس میں ربٰو(سود) سے متعلق غور وخوض کیا گیا۔اور متفقہ طور پر طے پایا کہ موجودہ رائج سود اپنی تمام تر صورتوں میں قرآن سنت کے مطابق رباالمحرم ہے۔پھر وزارت خزانہ حکومت پاکستان نے پبلک ٹرانزکشن سے متعلق کونسل کی وضاحت کے بعد جس میں حکومتی اور عوامی سطح پر رائج سود کو ربا المحرم قرار دیا گیا، مندرجہ ذیل رائج سودی صورتوں سے متعلق حتمی رائے طلب کی جن پر حکومت سود دیتی یا لیتی ہے :

1. جن میں بنک کی طرف سے قرض کی رقم میں لیا جانے والا اضافہ
2. خزانہ کی طرف سے تھوڑی مدت کے قرضے میں دی جانے والی چھوٹ
3. سیونگ سر ٹیفکیٹ پر دیا جانے والا اضافہ
4. انعامی بونڈ پر دیا جانےوالا انعام
5. پروویڈنٹ فنڈ اور پوسٹل بیمہ زندگی
6. ملازمین کو دیے جانے والے قرض پر اضافہ وغیرہ

غور و خوض کے بعد کونسل کی یہی رائے بنی کہ موجودہ بنکنگ نظام سود پر ہی مبنی ہے اور یہ مکمل تبدیلی کا متقاضی ہے۔اور کونسل اس مسئلے پر اپنی حتمی رائے دینے سے پہلے غیر سودی نظام معیشت کے نفاذ کی راہ میں حائل مشکلات سے متعلق ایک جامع سوالنامہ مرتب کرے گی اور حکومت کے ذریعے سے یہ بیرون ملک پاکستانی سفارت خانوں میں بھیجا جائےجہاں علما، سکالزر اور ماہرین سے اس کا جواب حاصل کیا جائے۔اور سود سے پاک معیشت کے ممالک کی تفصیلات و طریقہ کار سے متعلق معلومات حکومت سے ذریعے سے کونسل کو مہیا کی جائیں۔اس سلسلے میں کونسل کے اراکین کو بھی مسلم ممالک میں غیر سودی معیشت کا معائنہ کرنے اور ان ممالک کا ،جن کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے معیشت کی بنیاد سود سے پاک رکھی ہے،دورہ کرنے کے لیے بھیجا جائے۔اس کے بعد حکومت اس سلسلے میں اعلیٰ کمیشن بنائے جس میں قانونِ اسلامی ، ماہرین معاشیات اور بنکاروں کے ذریعے غیر سودی بنیادوں پر کام کیا جائے۔اس سلسلے میں کونسل نے مجوزہ افراد کی ایک فہرست بھی تیار کی جن کو سوالنامہ بھیجا جانا تھا۔[53]

---

52 . Ibid. p.184-185
53 . Ibid .p.185-187

بالآخر اسلامی مشاورتی کونسل کا اجلاس دسمبر ۱۹۶۹ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہوا جس میں سود کے حوالے سے اپنی فائنل رپورٹ مرتب کی۔ جس کے مطابق ربٰو(سود) اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود میں کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہو تی۔ افراد و اداروں کے مابین لین دین کی بہت سی صورتوں کے بارے میں جن سے متعلق حکومت نے استفسار کیا تھا، کونسل نے فیصلہ سنایا کہ وہ رباالمحرم ہیں ،جن میں بنک کی طرف سے قرض کی رقم میں لیا جانے والا اضافہ، خزانہ کی طرف سے تھوڑی مدت کے قرضے میں دی جانے والی چھوٹ، سیونگ سر ٹیفکیٹ پر دیا جانے والا اضافہ، انعامی بونڈ پر دیا جانےوالا انعام، پرووِیڈنٹ فنڈ اور پوسٹل بیمہ زندگی، ملازمین کو دیے جانے والے قرض پر اضافہ وغیرہ سب سود میں شامل ہیں۔ یہ رپورٹ حکومت کو پیش کی گئی۔اور بتایا گیا کہ مذکورہ چیزیں سود میں شامل ہیں۔لہذا کونسل کی طرف سے حکومت کو مشورہ ہے کہ اس نظام کی اصلاح کے لیے کونسل کی مشاورت سے اکابر فقہا، ماہرین معاشیات و ماہرین قانون پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اصلاح احوال کے لیے سفارشات مرتب کرے۔[54]
اس کے بعد دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۲۲۸ میں آئین پاکستان سے ۹۰ دن کے اندر اندر اسلامی نظریاتی کونسل بنانے کا اعلان کیا گیا۔جسے جنرل ضیاءالحق نے ایک ترمیم کے ذریعے مزید فعال بنایا۔

انہوں نے ۱۹۷۷ء میں اقتدار سنبھالنے کے بعد بہت سے اسلامی پہلو ؤں پر کام کیا۔ جن میں سے معیشت سے سود کے خاتمہ کے لیے ۲۹/ستمبر ۱۹۷۷ کو اسلامی نظریاتی کونسل کو سفارشات مرتب کرنے کا کام تفویض کیا۔اور اس مقصد کے لیے تین سال کی مدت طے کی اور انہوں نے قوم سے خطاب میں کہا کہ تین سال کے عرصے میں معیشت کو سود سے پاک کر لیا جائے گا۔[55]

اس مقصد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں ملک کے معاشی نظام کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے ماہرین معاشیات ، بنکاروں، کاروباری حضرات اور اسلامی قانون کے ماہرین پر مشتمل پندرہ رکنی پینل تشکیل دیا ،جس کا سربراہ ڈاکٹر احسان رشید پروفیسر معاشیات و ڈائر یکٹر اپلائیڈ اکانومک ریسرچ سینٹر کراچی یونیورسٹی کو بنایا گیا۔ پینل کا مقصد کونسل کو معاشی نظام کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے رپورٹ پیش کرنا تھا۔ پینل کے پیش نظر معیشت کا ایسا نمونہ تھا جو اسلامی اصولوں کے مطابق عصری تقاضوں سے ہم آہنگ

---

[54] . Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. II, 1967-1969, p.140

[55]۔سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء، اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان ، اسلام آباد ،مئی ۲۰۱۲ ،ص۱۱۱۔۱۱۲

ہو۔اس پینل کے آٹھ اجلاس ہوئے۔ ۴/جنوری ۱۹۷۸ء کے اجلاس میں پینل نے تین ماہرین بنکاروں کی رپورٹ کا جائزہ لیا۔ جو بنکوں سے سود کے خاتمہ کے حوالے سے تھی۔ یہ رپورٹ بنیادی اہمیت کی حامل تھی۔اس لیے کہ بعد کی مباحث کے لیے یہ بنیاد فراہم کر رہی تھی۔اس رپورٹ سے پینل اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ سود کو تدریجاً ختم کرنے کی حکمت عملی کے تحت کام کیا جائے۔اس پینل نے نومبر ۱۹۷۸ کو اپنی عبوری رپورٹ پیش کی جس میں مذکورہ مقصد کے لیے اقدامات تجویز کیے۔عبوری رپورٹ میں سود کے خاتمہ کے سلسلے میں مشکلات،غیر سودی طریقوں کا نفاذ اور تدابیر اور مختلف شعبہ جات سے متعلق سود کے خاتمہ کے حوالے سے سفارشات پیش کیں۔[56]

یہ عبوری رپورٹ سالانہ رپورٹ۱۹۷۸۔۷۹ء کے صفحہ ۲۳۱تا ۳۷۸ تک ایک سو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں مختلف اداروں اور شعبہ جات سے سود کے خاتمہ کی حکمت عملی و تجاویز درج ہیں۔

مذکورہ پینل نے اپنی فائنل رپورٹ فروری ۱۹۸۰ء کو اسلامی نظریاتی کونسل میں پیش کی۔جس کا جائزہ لینے کے لیے کونسل کے متعدد اجلاس منعقد ہو ئے۔ان اجلاسوں میں رپورٹ پر تفصیلی جائزہ لیا گیا اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہو ئی اس میں حذف و اضافہ اور تبدیلی کی گئی۔ مقصد پیش ِ نظر یہی تھا کہ یہ رپورٹ نظامِ معیشت کو شرعی احکام کے مطابق جدید خطوط پر ہموار کر سکے۔کونسل کا اجلاس ۱۵جون ۱۹۸۰ء کو کراچی میں منعقد ہو ا جس میں اس رپورٹ کو حتمی شکل دی گئی۔[57]

بلا شبہ انسدادِ سود کے حوالے سے یہ بہت ہی اہمیت کی حامل رپورٹ تھی۔جسے ماہرین قانون اسلامی، ماہرین معاشیات، ماہرینِ بنکاری اور صاحب ِ بصیرت علما نے تیار کیا۔اور انتہائی دقیق و فنی مسائل کو باہم مشاورت سے حل کیا۔ اس رپورٹ کو تمام اہل علم اور اہل فن کی حمایت حاصل تھی جسے نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں پذیرائی ملی۔اس لیے کہ معیشت سے متعلق اس طرح کے کام کی مثال دنیا میں نہیں ملتی جس میں ہر شعبہ کے اہل فن حضرات شریک رہے ہوں۔

کونسل کی یہ رپورٹ تعارف کے بعد پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔اور آخر میں اختتامیہ موجود ہے۔ جس میں کونسل کی طرف سے نتائج ِ تحقیق اور سفارشات پیش کی گئیں۔ تعارف میں نظام معیشت میں سود کی حرمت کے عقلی و نقلی دلائل بیان کیے گئے مزید ان حکمتوں کو بیان کیا گیا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرا ر دیا۔ اس کے بعد پہلے باب

---

[56]۔سالانہ رپورٹ ۱۹۷۸۔۷۹ء،اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اسلام آباد ،جولائی ۱۹۹۳ء، مطبع : پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس ،اسلام آباد ،ص۲۲۷۔۲۳۱

[57]۔ سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء ،ص۱۱۲

مین نظام ِ معیشت سے سود کے خاتمہ کے مسائل و مشکلات کا ذکر کیا گیا اور ان کا مجوزہ حل بتا یا گیا۔ان میں خاص طور پر سرمایہ کاری میں نفع و نقصان کی بنا پر شرکت کے طریقے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ،کہ اس کے نفاذ میں کیا مشکلات آسکتی ہیں۔اور ان کا حل کیا ہے۔اور دیگر نئے متبادل طریقے بھی بیان کیے جو سود کے متبادل کے طور پر اختیار کیے جا سکتے ہیں۔تیسرے باب کا خاص موضوع تجارتی بنکوں سے انسداد ِ سود کے حوالے سےہے۔ اس میں بنکوں کو سرمایہ کاری کے لیے وہ اصول تجویز کیے گئے جو سود سے پاک ہیں۔ جس میں صنعت،تجارت،زراعت،تعمیرات سمیت کئی شعبہ جات میں سرمایہ کاری کے سود سے پاک طریقے تجویز کیے۔تیسرے باب میں دیگر مالیاتی اداروں سے سود کے خاتمہ کے مسائل اور متبادل تجاویز پر بحث کی گئی۔ چوتھے باب میں نظام معیشت میں مرکزی سٹیٹ بنک اور زرعی پالیسی کے طریقے بیان کیے گئے جو سود سے پاک ہیں۔ پانچویں باب میں سرکاری لین دین سے سود کے خاتمے کے مسائل اور ان کا حل تجویز کیا۔ اور اختتامیہ میں حاصل نتائج اور مجوزہ لائحہ عمل حکومت کو پیش کیا گیا جس کے ذریعے وہ تدریجاً مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتی ہے۔[58]

۲۵/جون ۱۹۸۰ء کو چیئر مین اسلامی نظریاتی کونسل نے فائنل رپورٹ حکومت کو پیش کی اور کونسل کی جانب سے تجویز بھی دی کہ حکومت دسمبر ۱۹۸۰ء کے آخر تک اس رپورٹ کی روشنی میں ایک عملی نقشہ تیا ر کرے جس کے ذریعے سودی نظام ختم کر کے اسلامی اصولوں کے مطابق نیا نظام جاری کیا جا سکے۔ کونسل کی بنیادی تجویز یہی تھی کہ سودی نظام کامتباد ل اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ سرمایہ کاری نفع و نقصان کی بنیاد پر شرکت اور مضار بت اور قرض ِ حسنہ ہی ہیں۔ بہر حال کونسل نے ماہرینِ معاشیات و بنکاروں کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ فوری طور پر اس متبادل میں مشکلات پیش آسکتی ہیں لہذا نظام بنکاری میں بعض دوسرے طریقے جاری رہیں گے جیسے پٹہ داری، بیع مؤجل سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری وغیرہ طریقے واضح شرط کے ساتھ سرمایہ کاری کے حقیقی نفع و نقصان معلوم ہو جانے پر لین دین بے باک کیا جائے گا، لیکن کونسل کو یہ خطرہ ضرور تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ طریقے سودی نظام کے چور دروازے بن جائیں ،اس لیے تجویز دی کہ منصوبہ بندی میں یہ بات رکھی جائے کہ بتدریج سود کو حقیقی متبادل کے طریقوں یعنی شرکت، مضاربت اور قرض حسنہ وغیرہ کی طرف لے جایا جائے اور اور دیگر طریقوں کو ختم کر دیا جائے گا۔

اسی طرح کونسل کی مزید تجویز یہ تھی کہ نظام معیشت کو سود سے پاک رکھنا یہ ایک حصہ ہے۔اسی طرح نظام معیشت سے دیگر

---

[58]۔سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء ،ص۱۱۳۔۱۱۴

منکرات کا خاتمہ بھی ناگزیر ہے۔اسی طرح یہ بھی تجویز دی کہ پہلے مرحلے میں اندرون ملک سے سود کا خاتمہ کیا جائے۔اس لیے کہ فوری طور پر بیرونی قرضوں اور تجارتی رقوم سے سود کا خاتمہ فوراً ممکن نہیں۔لہذا اسے تدریجاً دوسرے مرحلےمیں ختم کیا جائے۔کونسل نے امید ظاہر کی کہ حکومت کونسل کی رپورٹ پر نیک نیتی سے اس کے عملی نفاذ کے لیے تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے گی۔اور حکومت کے لیے تین مرحلوں میں سود کے خاتمہ کے لیے اقدامات تجویز کیے۔[59]

اس کے بعد جنرل ضیاء الحق نے بنکوں کو حکم نامہ جاری کر دیا کہ وہ اپنے سسٹم کو PLS کے مطابق کریں۔ اس حوالے سے سٹیٹ بنک نے اپنے اجلاس منعقدہ یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو اجلاس میں بنکوں کو نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔ اس میں مارک اپ کے تحت بنکوں میں کام ہونے لگا۔ جو اصل میں سود ہی کی ایک شکل تھی۔اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چئیر مین نے ۲/فروری ۱۹۸۱ء کو صدر مملکت کو خط لکھا جس میں مارک اپ سے پیدا ہونے والے مسائل سے آگاہ کیا اور وقتاً فوقتاً اس حوالے سے تنقیدی مضامین بھی حکومت کو ارسال کیے جاتے رہے۔[60]

کونسل کی جانب سے مزید کیے جانے والے اقدامات

اس کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کے چئیر مین نے ۱۵/ فروری ۱۹۸۱ء کو ماہرین کا ایک ورکنگ گروپ تشکیل دیا جو کونسل کی سابقہ رپورٹ کی روشنی میں آئندہ مالی سال کے لیے سود کے خاتمے کی ٹھوس حکمت عملی وضع کر سکے۔ اس گروپ کے کنوینر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ڈپٹی گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان کراچی کو بنایا گیا۔ اس گروپ میں تمام مالیاتی اداروں کا ایک ایک نمائندہ،وزیر خزانہ کا ایک نمائندہ اور دو علما شامل کیے گئے۔ لیکن وزارت خزانہ نے اپنا نمائندہ شامل کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ آخر میں اس رپورٹ پر عمل در آمد اسی کی ذمہ داری ہے لہذا وہ اپنا نمائندہ شامل نہیں کرے گا۔ جس کے لیے چئیر مین اسلامی نظریاتی کونسل نے صدر مملکت کو ۱۹/اپریل ۱۹۸۱ ء کو بذریعہ خط آگاہ کر دیا تھا۔

اس گروپ کا پہلا اجلاس ۲۱/مارچ ۱۹۸۱ کو کراچی میں منعقد ہوا جس میں چئیرمین اسلامی نظریاتی کونسل نے ورکنگ گروپ کے اغراض و مقاصد پر گفتگو کی اور مزید فرمایا کہ حکومت کی طرف سے بنکوں میں بلا سود کاؤنٹر کا قیام اور سابقہ سودی نظام کو برقرار رکھنا انسدادِ سود کے لیے مناسب نہیں۔ جبکہ حکومت یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو کاؤنٹر کھول چکی تھی اور مارک اپ سسٹم بھی رائج کر چکی تھی۔ جو دراصل سود ہی کی صورت تھی۔ بحث میں شریک بعض نمائندوں کی طرف

---

[59]۔ سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء ،ص۱۱۴۔۱۱٦

[60]۔سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء ،ص۱۲٦

سے یہ بات سامنے آئی کہ انہوں نے ابھی تک اپنے ادارے میں سود کے انسداد کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔اسی طرح بعض کا یہ کہنا تھا کہ،مارک اپ‌بھی سود ہی ہے۔اور مارک اپ‌اور بلا سود کاؤنٹر کی تجویز بھی دراصل حکومت کی تھی جسے بنکوں نے عملی جامہ پہنایا۔

گروپ کا دوسرا اجلا س ۲۹/اپریل ۱۹۸۱ء کو سٹیٹ بنک بلڈنگ کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں چئیر مین کونسل نے نمائندوں کو وزار ت خزانہ کے جواب سے مطلع فرمایا کہ وہ اس میں شامل نہیں ہو رہے۔بیشتر نمائندوں کا خیال تھا کہ وزارت خزانہ کے نمائندے کی عدم شمولیت سے گروپ کے کام میں مشکلات آئیں گی۔ بہر حال اس اجلاس میں مارک اپ سسٹم پر بحث کی گئی جو یکم جنوری ۱۹۸۱ءسے بنکوں میں جاری کیا گیا ،جسے متفقہ طور پر ماہرین نے سود ہی قرار دیا۔[61]

ایک سال کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کا اجلاس ۲۷/جون ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوا۔ جس میں ان اقدامات کا جائزہ لیا گیا جو حکومت نے سال ۱۹۸۰ء-۱۹۸۱ءکے دوران سود کے خاتمہ کےلیے کیے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ان اقدامات پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔اور اس مقصد کے لیے ایک قرارداد منظور کی۔ اس قرار داد کا متن پیش خدمت ہے :

> کونسل نے ۱۹۸۰ء-۱۹۸۱ء میں کیے جانے والے ان اقدامات کا جائزہ لیا جو حکومت نے اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دئیے ہیں۔ان میں خاتمہ سود کے لیے کیے جانے والے اقدامات،ان سفارشات کے باکل بر عکس ہیں جو کونسل نے تجویز کیے تھے۔
>
> کونسل نے اپنی رپورٹ میں سود کے خاتمے کے ہر ہر مرحلے کو منطقی ترتیب دے کر واضح کر دیا تھا اور ان خطرات سے آگاہ کر دیا تھا جو اس تجربے کی ناکامی پر منتج ہو سکتے ہیں۔
>
> حکومت کی طرف سے وضاحت اور تنبیہہ کو مسترد کر دیا گیا اور وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو مقصد کو فوت کرنے کا سبب بن گیا ہے۔
>
> کونسل نے شراکت و مضاربت اور قرض حسنہ کو ہی سودی نظام کا اصل اور حقیقی بدل قرار دیا تھا۔البتہ عبوری دور کے لیے اور ناگزیر حالات میں بعض دیگر طریقوں کی سفارش بھی کی تھی۔حکومت نے اپنی سکیم میں مارک اپ اور مارک ڈاؤن کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ سود کے سوا کچھ نہیں۔
>
> اس طرح ہنڈیوں کی کٹوتی کے سلسلے میں حکومت نے سود کو اضافہ قیمت کے نام سے اور بعض جگہ کمی قیمت کے نام استعمال کر کے سود کو برقرار رکھا۔کو نسل کی طرف سے تعزیری سود کے طریقہ کی مخالفت کے باوجود اس کو علیٰ حالہ

---

[61]۔ سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء،ص۱۲۷-۱۲۹

برقرار رکھا گیا۔ اس کے بجائے تعزیری جرمانہ عائد کیا جاناچاہیے تھا جو متعلقہ حکومت کے خزانہ میں جمع ہو۔[62]

اس قرارداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت نے کونسل کی مرتب کردہ رپورٹ کے مطابق معیشت سے سود کے خاتمے کے لیے کتنی لا پرواہی برتی۔ حالانکہ یہ رپورٹ علما ، ماہرین معاشیات، مشہور بنکاروں اور کاروباری طبقوں کی مشترکہ کاوش تھی۔ اس میں حکومت کے پاس یہ عذر نہیں تھا کہ یہ رپورٹ محض نظری طور پر علما کی طرف سے تیار کی گئی ہے۔اور اس کا قابل عمل ہونا ممکن نہیں۔ اس میں ہر طبقہ کے ماہرین شامل تھے۔ حکومت نے اسے نظر انداز کر کے اپنی حکمت عملی کے تحت کام کیا ،جس کا نتیجہ سامنے ہے۔

اس کے بعد کونسل نے پھر حکومت سے درخواست کی کہ وہ کونسل کے ساتھ مشترکہ طور پر انسداد سود کے خاتمہ کے لیے کوشش کرے۔اور ایسے اقدامات کیے جائیں جو علما اور عوام کو مطمئن کر سکیں۔ مزید یہ کہ کونسل نے ۱۵/اگست ۱۹۸۱ء کو اپنے اجلاس میں صدر مملکت کی طرف سے۲۴/جون۱۹۸۱ء کو ایک مراسلہ بعنوان ''سودی خاتمہ کے لیے عملی تدابیر''پر غور وخوض بھیجا۔ اور سابقہ رپورٹ کی روشنی میں خاتمہ سود کے لیے حکومت کو تجاویز پیش کیں۔[63]

اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سےمارک اپ‌کو ختم نہیں کیا گیا۔ اور مشارکہ اور بیع الاجارہ اور پٹہ داری کو جس طرح اختیار کیا گیا اس سے معیشت میں کسی چھوٹے سے شعبے میں بھی خاتمہ ِ سود کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور حکومت نے بجٹ میں ان طریقوں کو سودی قرضوں کے متبادل کے بجائے،سود ی قرضوں کے ساتھ کچھ اضافی طریقوں کو اختیار کرنے کی تجویز کے طور پر پیش کیا۔ اور ان طریقوں کو بنک کے لیے اختیاری رکھا گیا۔ جس سے بنک اگر یہ محسوس کرے کہ ان طریقوں سے شرح منافع کم ہو رہی ہے تو وہ وہ مشارکہ کا معاہدہ ختم کر سکتا ہے اور رائج سودی قرضوں کو ہی اختیار کر سکتا ہے۔ اگر اس سے مقصود سود کا تدریجاً انسداد تھا تو غیر سودی طریقہ کار کے مقابلے میں سودی طریقہ کار کو ختم کر دیا جاتا۔ تا کہ سودی کاروبار کا دائرہ سکڑ کر ختم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔اس کے ساتھ حکومت نے بجٹ میں ماہانہ آمدنی بچت کی سکیم سے بھی اپنے کردار کو مشکوک بنایا کہ وہ سود کے خاتمہ میں مخلص ہے۔ کیوں کہ ماہانہ آمدنی بچت سکیم میں بھی سودی سکیم ہے۔[64]

---

[62]۔ سالانہ رپورٹ ۸۲۔۱۹۸۱ء ،اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان اسلام آباد ،ص۱۴۳۔۱۴۳

[63]۔سالانہ رپورٹ ۸۲۔۱۹۸۱ء،ص۱۸۶

[64]۔ سالانہ رپورٹ ۸۳۔۱۹۸۲ء،اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اسلام آباد ،جولائی ۱۹۹۳ء، پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس ،اسلام آباد ،ص۳۱۔۳۲

اس صورتِ حال میں کونسل نے ایک بار پھر حکومت سے درخواست کی کہ کسی ایسے اقدام کی حمایت نہ کی جائے جو معیشت سے سود کے خاتمہ کی کوششوں میں حکومتی کردار کو مشکوک بنا دے۔ حالانکہ صدر مملکت نے ۱۹۸۲ ء تک سود کے مکمل خاتمہ کا وعدہ کیا تھا۔ جو بظاہر طویل عرصہ تک پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ کونسل نے سفارش کی کہ اس سال یعنی ۱۹۸۲ ء کے اندر اندر سود کے دائرہ کو محدود کیا جائے۔اور اس کی عملی صورت یہ ہو گی کہ پٹہ داری، بیع الاجارہ اور مشارکہ کو خالصتاً شرعی بنیادوں کے مطابق سرمایہ کاری کو کاروبار کے متفرق شعبوں میں لازمی قرار دیا جائے۔ کونسل نے اپنی سفارشات۱۸/اکتوبر۱۹۸۲ کو وزارت خزانہ اور وزارتِ مذہبی امور کو ارسال کیں۔[65]

۱۹۷۹ء میں کونسل کی طرف سے پہلے مرحلے میں جن تین شعبوں سے سود کے خاتمہ کی تجویز تھی ،اس میں سے ایک این آئی ٹی(یونٹ) ٹرسٹ بھی تھا۔ اس شعبہ کو سود سے پاک کرنے سے پہلے یہ شعبہ ہر سال اپنے حصص پر ایک مقرر شرح منافع کا اعلان کرتا تھا۔ جو شرعاً ٹھیک نہیں۔ اس شعبہ کو سود سے پاک کرنے کے حوالے سے اسی شعبہ نے اخبارات میں اشتہار جاری کیا کہ شرح منافع کی ضمانت کے حوالے سے اسے اسلامی نظریاتی کونسل کی تائید حاصل ہے۔ اس حوالے سے ۳ /اپریل ۱۹۸۳ء کو چئیر مین کونسل نے اپنی رائے تحریر کی جو پیش خدمت ہے :

> اس مسئلہ میں شرعی صورت یہ ہے کہ شخص ثالث کی کفالت اصل سرمایہ کی حد تک دیانتاً جائز ہے،قضاءاًنہیں یعنی اس عقد کفالت کو بذریعہ عدالت نافذ نہیں کرایا جا سکتا۔ منافع کی کفالت(ضمانت) تو کسی صورت میں جائز نہیں۔کونسل نے اس ضمن میں جو فیصلے کیے وہ ریکارڈ پر ہیں اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمدکے کونسل کی طرف سے تحریر کردہ خطوط اس امر کا ثبوت ہیں کہ این آئی ٹی کی طرف سے کونسل ہذا کی توثیق کا ذکر خلاف واقعہ ہے۔[66]

اس تحریر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ این آئی ٹی (یونٹ) ٹرسٹ کی جانب سے اپنے سودی کاروبار کے حوالے سے کونسل کی تائید کا حوالہ غلط تھا۔ بعد میں کونسل نے منافع کی ضمانت کو ناجائز قرار دیا اور اس کے بارے میں فیصلہ سنا کر ۲/جون۱۹۸۳ء کو وزارت مالیات کو ارسال کیا گیا۔[67]

مالیاتی قوانین کا جائزہ لینے کے لیے کونسل کے ۱۷ تا ۲۷،مارچ ۱۹۸۴ء مختلف اجلاس منعقد ہو ئے۔ اور ایک رپورٹ مرتب کی۔اس رپورٹ

---

[65]۔ سالانہ رپورٹ ۱۹۸۲۔۸۳ء،ص۳۲

[66]۔ سالانہ رپورٹ 1982-83،ص۳۳

[67]۔ سالانہ رپورٹ 1982-83،ص۳۴

کے دوحصے ہیں۔پہلے حصہ میں اسلام کے نظام مالیات پر اصولی گفتگو کی گئی جب کہ دوسرے حصہ میں رائج الوقت مالیاتی قوانین کا جائزہ لیا گیا۔ رپورٹ کے دوسرے حصے میں جن اداروں کا جائزہ لیا گیا وہ مندرجہ ذیل ہیں :

1. بنکوں کے بارے میں قوانین
2. مختلف شعبہ جات میں مالی سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں کے بارے میں قوانین
3. بیمہ کمپنیوں کے قوانین
4. ٹیکسوں کے قوانین
5. دیگر متفرق قسم کے قوانین

اس ضمن میں تقریباً مذکورہ اداروں کے چوبیس سے زیادہ قوانین کا جائزہ لیا گیا۔اس سلسلے میں کونسل نے مشورہ دیا کہ ان اداروں سے متعلق قوانین کے لیے کونسل کی طرف سے ۱۹۸۰ءمیں جامع رپورٹ اور نظر ثانی شدہ رپورٹ
'' رپورٹ برائے مجموعی سفارشات اسلامی نظام معیشت ''کی طرف رجوع کیا جائے۔ جن میں ان اداروں کی سرگرمیوں کو سود سے پاک کرنے کے قابل عمل طریقوں کا فہم حاصل ہو سکتا ہے۔ کونسل کی طرف سے رپورٹ حکومت کو ارسال کی گئی۔[68]

۱۹۸۸ء میں جنرل ضیاء الحق نے شریعت آرڈیننس جاری کرنے کے بعد ایک اقتصادی کمیشن تشکیل دیا جس کا چیئر مین ڈاکٹر احسان رشید کو بنایا۔۱۵/اکتوبر ۱۹۸۸ء کو اس آرڈیننس کی میعاد ختم ہونے پر صدر غلام اسحاق خان نے اس میں توسیع کر دی۔ لیکن اس کے بعد اسے قومی اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا۔اور ۱۵/فروری ۱۹۹۰ء کو اس کی مدت مکمل ہونے پر یہ از خود ختم ہو گیا اور کمیشن نے آٹھ ماہ تک کام کیا جو بیکار گیا۔[69]

وفاقی شرعی عدالت کا انسدادِ ربٰو(سود) کے مسئلہ میں کردار

اسلامی نظریاتی کونسل نے مارشل لاء حکومت کو مشورہ دیا کہ اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ کسی قانون کے اسلامی و غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکیں۔ چوں کہ کونسل کا کام صرف مشورہ دینے کی حد تک ہے۔ چناں چہ حکومت نے اس مشورہ کو قبول کر لیا اور ۱۹۷۹ء میں آئین ِ پاکستان میں ترمیم کے ذریعے ہائی کورٹس میں شریعت بنچ تشکیل دیے گئے جو کسی قانون کے اسلامی و غیر اسلامی ہونے کا

---

[68]۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی بارہویں رپورٹ اسلامی نظام مالیات و قوانین مالی ، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد ،پاکستان ،مارچ ۱۹۸۳ء ،ص۲۳۔۲۷

[69]۔ تنزیل الرحمن ،، ڈاکٹر ، جسٹس (چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت) ،سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا تاریخی فیصلہ ،[اردو ترجمہ] صدیقی ٹرسٹ کراچی، ص۱۹۲

فیصلہ کر سکتے تھے۔ لیکن یہ بنچ زیادہ کارگر ثابت نہ ہو سکے۔کیوں کہ اس کے ذریعے مختلف ہائی کورٹس میں شریعت بنچ کسی ایک مسئلہ پر مختلف فیصلہ سنا سکتے تھے۔اس تجربے کی ناکامی کے بعد کونسل کی سفارش پر۱۹۸۰ء میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے باقاعدہ وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں آیا۔جو کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرنے کا مجاز ہو گا۔[70]

جب ۲۶/جون ۱۹۸۰ء کو وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں آیا تو ابتداء میں اس عدالت سے ۳ سال کے لیے مالیات سے متعلق قوانین کو مستثنٰی قرار دیا گیا۔اس دوران اسلامی نظریاتی کونسل مالیات سے سود کو پاک کرنے سے متعلق ایک جامع رپورٹ تیا ر کر رہی تھی۔ جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ۳سال کا استثنا مالیات کو سود سے پاک کرنے کے تدریجی عمل کا حصہ ہے۔ تین سال کی مدت مکمل ہونے پر پھر آئین میں ترمیم کر کے یہ مدت چار سال کر دی گئی۔اس کے بعد پھر ایک اور ترمیم کر کے یہ مدت پانچ سال کر دی گئی۔پانچ سال پورے ہونے والے تھے کہ آئین میں ایک اور ترمیم کے ذریعے سے یہ مدت سات سال کر دی گئی۔اس کے بعد جنرل ضیاء الحق مرحوم نے نفاذِ اسلام کی کوششوں کو جاری رکھنے کے حوالے سے ریفرنڈم کرا کر اپنی مدت صدارت کو مزید بڑھا دیا۔اور آئین میں ایک اور ترمیم کے ذریعے سے مالیات سے متعلق قوانین کے استثنا کی مدت سات سال سے بڑھا کر دس سال کر دی۔بہر حال ۲۶/جون ۱۹۹۰ء کو دس سال استثنا کی مدت مکمل ہونے پر وفاقی شرعی عدالت کو مالیاتی قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرنے کا اختیار مل گیا۔[71]

استثنا کی مدت کے اختتام کے بعد چند دنوں میں ہی سود سے متعلق ۲۰ قوانین کے بارے میں ۱۱۵ درخواستیں وفاقی شرعی عدالت کو موصول ہوئیں۔ اور تین قوانین کے حوالے سے عدالت نے از خود نوٹس لیا۔ تو ۲۳ قوانین کے بارے عدالت میں سماعت ہوئی۔[72]

اس کیس کی سماعت چیف جسٹس مسٹر ڈاکٹر تنزیل الرحمن ،جج مسٹر ڈاکٹر فدا محمد خان، جج مسٹر جسٹس عبید اللہ خان نے کی۔دائر کردہ درخواستوں میں جن ۲۰ قوانین کو چیلنج کیا گیا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1. قانون سود مجریہ 1839ء
2. گورنمنٹ سیونگز بنک ایکٹ 1873ء
3. قانون دستاویزات قابل بیع و شریٰ 1881ء
4. قانون حصول اراضی 1894ء
5. مجموعہ ضابطہ دیوانی 1908ء

---

[70]۔ محمد امین ، ص١٦٦
[71]۔ تنزیل الرحمن ، ص٣٣
[72]۔ تنزیل الرحمن ،ص٨

6. کوآپر یٹو سوسائٹیز ایکٹ 1925ء
7. کوآپر یٹو سوسائٹیزرولز 1927ء
8. قانون بیمہ 1938ء
9. اسٹیٹ بنک آف پاکستان ایکٹ 1956ء
10. مغربی پاکستان قانون ساہو کاران1960ء
11. مغربی پاکستان ساہوکاران آرڈیننس 1965ء
12. پنجاب ساہوکاران آرڈیننس1960ء
13. سندھ ساہوکاران آرڈیننس1960ء
14. شمال مغربی سرحدی صوبہ ساہوکاران آرڈیننس1960ء
15. بلوچستان ساہوکاران آرڈیننس1960ء
16. پاکستان زرعی ترقیاتی بنک رولز1961ء
17. بنکاری کمپنیز آرڈیننس 1962ء
18. بنکاری کمپنیز رولز 1963ء
19. بنکوں کی نیشنلائزیشن (ادائیگی معاوضہ) کے قواعد 1974ء
20. بنکاری کمپنیات(قرضہ جات کی وصولی)کا آردیننس مجریہ 1979ء۔[73]

چوں کہ ان سب درخواستوں میں جن قوانین کو چیلنج کیا گیا تھا ،ان میں قدر مشترک سود تھا لہٰذا عدالت میں ان سب درخواستوں کو مشترکہ طور پر زیر بحث لایا گیا۔اس کے لیے عدالت نے ربٰو(سود) سے متعلق ایک سوالنامہ تیار کیا۔ جس میں ربٰو کی تعریف اور آج کے دور میں رائج سود قرآن میں بیان کردہ ربا المحرم کے زمرے میں آتا ہے۔ بنکوں کو سود سے پاک کیا جائے تو اس کے متبادل کے طور پر اسلامی احکام کی عملی صورت کیا ہو گی وغیرہ سوالات کو شامل کیا۔ دینی سکالرز، ماہرین معاشیات، علما اور بنکاروں کی جانب سے ان سوالوں کے تحریری جوابات عدالت کو موصول ہوئے۔اسی طرح مشہور بنکاروں اور ماہرین معاشیات اور سکالرز عدالت میں پیش ہوئے اور اپنی گزارشات پیش کیں۔[74]

عدالت میں مسئلہ سود کے حوالے سے مشہور ملکی و غیر ملکی مفکرین کی آراء کو بھی زیر بحث لایا گیا۔ جن میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر حمید اللہ، محمد عمر چھاپرہ، شیخ ابو زہرہ، مولانا تقی عثمانی اور علامہ غلا م رسول سعیدی نمایاں ہیں۔اسی طرح ربٰو (سود) کے حوالے سے مشہور ملکی و غیر ملکی اداروں کی رپورٹس اور آراء کو بھی زیر بحث لایا گیا۔ان میں اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ۱۹۸۰ء، بھارتی فقہ اکیڈمی کی قرارداد، او۔آئی۔سی کے تحت اسلامی فقہ اکیڈمی کی قراردادورجدہ سیمینار کی قراد داد نمایاں تھیں۔

---

[73]۔تنزیل الرحمن ، ص۹۔۱۰
[74]۔ تنزیل الرحمن ، ص۱۱۔۱۳

اس کے بعد عدالت نے ان تمام تحریروں ، گزارشات ، آراء اور قراددوں پر تفصیل سے تنقیح کی۔اور اس کے بعد چیلنج کردہ قوانین کا جائزہ لیا۔اور انہیں اسلامی احکام کے خلاف قرار دیتے ہوئے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو فیصلہ سنا یا :

> بہر حال ہم نے مسٹر ایس ایم ظفر کی درخواست پر پوری توجہ سے غور کیا اور وفاق نیز چاروں صوبائی حکومتوں کو اب بھی مہلت دیتے ہیں کہ وہ ان قوانین یا ان کی دفعات کو اسلامی احکام کے مطابق بنا لیں۔ اس مقصد کے لیے ہم۳۰/جون ۱۹۹۲ء کی تاریخ مقرر کرتے ہیں جس سے یہ فیصلہ مؤثر ہوگا۔ان قوانین کی وہ متعدد دفعات، جن پر فیصلہ پر بحث کی گئی اور انہیں اسلامی احکام کے خلاف قرار دیا گیا،یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے غیر مؤثر ہو جائیں گی۔[75]

مزید عدالت نے فیصلہ میں حکومت کو چند اسلامی بنکوں کی مثالیں دیں جہاں کے معاملات سود سے پاک ہیں۔ان میں اردن ، جرمنی ، فرانس،ایران میں غیر سودی معیشت کا قیام سمیت کئی اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے اسلامی بنکوں کی مثالیں دے کر بتا یا کہ یہ سوچنا غلط ہے کہ سود کے خاتمے سے اقتصادی بحران پیدا ہو جائے گا۔

وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے پر حکومت نے اس پر عمل درآمد کے بجائے وزارت خزانہ میں ایک خفیہ سیل قائم کیا جس میں قانون ،مالیات اور معاشیات سے وابستہ لوگوں کو بلا کر غیر سودی نظام کو بچانے کے لیے صلاح مشورے شروع کر دیے۔ بظاہر یہ کام غیر ملکی سودی نظام کے آلہ کاروں کے ایما پر ہو رہا تھا۔جب عدالت کی طرف سے مہلت ختم ہونے میں ایک ماہ باقی تھا تو ایک سرکاری بنک نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں اس فیصلہ کو چیلنج کر دیا۔ یہ بنک بعد میں نجی شعبے کے حوالے کر دیا گیا تھا۔اس کے بعد دیگر سرکاری مالیاتی اداروں نے بھی اس فیصلہ کو چیلنج کر دیا۔اور بالآخر حکومت نے بھی اسے چیلنج کر دیا۔[76]

اب چوں کہ جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۸۴ء وفاقی شرعی عدالت کی دفعہ میں ترمیم کر کے یہ شرط لگائی تھی کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو چیلنج کرنے کی صورت میں درخواست گزار کو بغیر کسی سرکاری سماعت کے حکم امتنا عی حاصل ہو جائے گا۔ اس شرط کے ذریعے سے گویا حکومت کسی بھی فیصلے کو اپنی من پسند مدت تک لٹکانا چاہے تو قانونی طور پر اس اختیار حاصل ہو گا۔ چناں چہ یہی

---

[75]۔تنزیل الرحمن ،ص۱۹۲۔۱۹۳

[76]۔ تنزیل الرحمن ، ص ۱۹۵

ہوا کہ ۱۹۹۲ءسے ۱۹۹۷ء تک مختلف حکومتیں بنتی ٹوٹتی رہیں۔ اور یہ معاملہ زیر التوا ہی رہا۔[77]

اس کے بعد ۳/فروری ۱۹۹۷ء کو عام انتخابات کے نتیجے میں نواز شریف دوبارہ اقتدار میں آئے تو انہوں نے ۳۱/مارچ ۱۹۹۷ ء کو راجہ محمد ظفر الحق کی سربراہی میں ایک اور کمیشن تشکیل دے دیا جو معیشت کو اسلامائز کرنے کی سفارشات مرتب کرے گا۔ یہ کمیشن بھی اپنا کام مکمل کر چکا تھا لیکن اس پر عمل کی نوبت نہ آسکی۔[78]

شریعت اپیلیٹ بنچ کا انسدادِ ربٰو(سود) کے مسئلہ میں کردار

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف عدالت عالیہ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں اس فیصلہ کو چیلنج کرنے کے تقریباً سات سال بعد شریعت اپیلٹ بنچ تشکیل دیا گیا۔اس بنچ میں جسٹس خلیل الرحمن، جسٹس منیر اے شیخ ،جسٹس وجیہہ الدین احمداور جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی شامل تھے۔اس بنچ نے مارچ ۱۹۹۹ء میں وفاقی شرعی عدالت کے خلاف اپیلوں کی سماعت شروع کی۔اور آٹھ ماہ تک یہ سماعت جاری رہی۔اور بالآخر ۲۳ /دسمبر ۱۹۹۹ء کو عدالت عالیہ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے فیصلہ سنایا۔اس بنچ نے بنیادی وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔اور کچھ جگہوں پر تصحیح و اضافہ جات کیے۔بنچ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے مندرجہ ذیل آٹھ قوانین کو خلاف اسلام قرار دے کر ۳۱ /مارچ ۲۰۰۰ء کو انہیں کالعدم قرار دینے کا حکم جاری کیا۔ وہ آٹھ قوانین مندرجہ ذیل ہیں :

1. انٹرسٹ ایکٹ 1838ء۔
2. ویسٹ پاکستان منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔
3. ویسٹ پاکستان منی لینڈرز رولز مجریہ 1965ء۔
4. پنجاب منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔
5. سندھ منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔
6. این ڈبلیو ایف پی منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔
7. بلو چستان منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔
8. بینکنگ کمپنیز آرڈیننس مجریہ 1962ء کل سیکشن 9۔

اسکے علاوہ جن قوانین یا ان کی دفعات کو خلا ف اسلام قرار دیا وہ ۳۰ /جون ۲۰۰۱ء کو کالعدم متصور ہوں گے۔[79]

سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ کا یہ فیصلہ تقریباً ۱۱۰۰صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں جسٹس خلیل الرحمن کے تقریباً ۵۰۰ صفحات ،

---

[77]۔ تنزیل الرحمن ،ص ۱۹۵۔۱۹۶

[78]۔ تنزیل الرحمن ، ص ۱۹۶

[79]۔ تقی عثمانی ، محمد ، مفتی ، مولانا، سود پر تاریخی فیصلہ (مترجم : ڈاکٹر مولانا محمد عمران اشرف عثمانی)، مکتبہ معارف القرآن کراچی ،اپریل ۲۰۰۸ء، ص۲۵٦

جسٹس مولانا تقی عثمانی کے تقریباً ۲۵۰ صفحات اور جسٹس وجیہہ الدین احمد کے ۹۸ صفحات کا تائیدی نوٹ شامل ہیں۔

عدالت نے فیصلہ سناتے ہو ئے حکومت کو اس فیصلہ پر عمل در آمد کے لیے کچھ فوری نوعیت کے اقدامات کرنے کا حکم دیا۔پہلا یہ کہ اس فیصلے کے بعد وفاقی حکومت ایک ماہ میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں ایک اعلیٰ سطح پر کمیشن تشکیل دے جو موجودہ سودی نظام کو شرعی نظام میں بدلنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے مکمل اختیارات رکھتا ہو اس کمیشن میں علمائے شریعت، ماہرین معاشیات اور بنکاروں کو شامل کیا جائے۔دوسرا یہ کہ ایک ماہ میں قانون اور پالیمانی امور کی وزار ت کے اپنے نمائندے، اسلامی نظریاتی کونسل کے دو شرعی سکالرز یا کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی سے سکالرز لے کر ایک ٹاسک فورس قائم کی جائے۔ جو امتناع ربٰو کو نیا قانون بنائے اور موجودہ مالیاتی قوانین کا جائزہ لے تا کہ انہیں شرعی نظام مالیت کے ہم آہنگ کیا جائے، غیر ملکی قرضوں سے جان چھڑانے کی کوشش کرے۔[80]

عدالت کی طرف سے دی جانے والی مدت کے ختم ہونے سے پہلے یونائیٹڈ بنک نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں فیصلہ کو معطل کرنے اور نظرثانی کی درخواست دے دی،جسے حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ تاہم بنچ نے معطل کرنے کی درخواست پر تو غور نہیں کیا البتہ نظرثانی کی د رخواست پر حکومت کو مزید ایک سال۳۰جون ۲۰۰۲ء تک مہلت دے دی۔ جبکہ حکومت نے ۳۱/دسمبر ۲۰۰۵ ء تک کی مہلت طلب کی تھی۔ اس کے بعددوسرا پی سی او پر حلف نہ اٹھانے کی وجہ سے شریعت اپیلٹ بنچ کے بیشتر ججز ریٹائرڈ ہو گئے۔ جسٹس تقی عثمانی کو بھی فارغ کر دیا گیا۔اس دوران ایک شریعت اپیلٹ بنچ تشکیل دیا گیا جس کا سربراہ جسٹس ریاض الحسن گیلانی کو بنایا گیا۔ان کے ساتھ جسٹس منیر اے شیخ اور دو علما ، علامہ خالد محمود اور رشید جالندھری کو رکھا گیا۔ یہ بنچ بنیادی قانونی تقاضے پورے نہیں کر رہا تھا۔اس لیے کہ جس بنچ نے وہ فیصلہ دیا تھا اسی بنچ کو اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی سماعت کا حق تھا۔بہر حال اس شریعت اپیلٹ بنچنے ۲۴/جون ۲۰۰۲ء کو یونائیٹڈ بنک کی نظر ثانی کی درخواست پر فیصلہ سناتے ہو ئے،سابقہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اور شریعت اپیلٹ بنچ کے فیصلے سے متعلق بعض نکات پر دوبارہ غور کرنے کے لیے وفاقی شرعی عدالت بھیج دیا۔[81]

۲۰۰۲ء سے ۲۰۱۲ءتک یہ معاملہ وفاقی شرعی عدالت کے سرد خانے میں رہا۔ اس دوران۴/اگست ۲۰۱۲ ء کو تنظیم ِ اسلامی کے خالد محمود عباسی کی طرف سے ایک درخواست وفاقی شرعی عدالت میں

---

[80]۔ تقی عثمانی ،۲۵۴۔۲۵۶

[81]۔ غازی ، ص۳۷

دائر کی گئی جس میں ۱۹۹۹ء اور ۲۰۰۲ء کے فیصلوں کو بنیاد بنا کر کیس کی سماعت کی استدعا کی گئی ،جوقانونی تقاضے پورے نہ کرنے کی بنا پر رد کر دی گئی۔ پھر ۲۸/جولائی ۲۰۱۳ء کو خالد محمود عباسی نے قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد درخواست جمع کرائی جسے سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا۔اس کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے اس طرح کی دیگر درخواستوں کو مشترکہ طور پر یکجا کر کے کیس کی سماعت کرنے کا فیصلہ کیا۔[82]

دوسری پیشی میں عدالت کی طرف سے ۱۴سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ ماہرین قانون، علما اور فناشل ایکسپرٹس کو بھیجا گیا۔ جس کی روشنی میں طلب کردہ سوالات کے جوابات کی روشنی میں اس کیس پر بحث کی جائے گی۔ بہرحال تنظیم اسلامی کی جانب سے ۱۴ سوالوں کے مفصل جواب تیار کر کے عدالت میں جمع کرائے گئے اور استدعا کی گئی کہ اس کیس کی نزاکت کے پیش نظر اس کو جلد نمٹایا جائے۔ لیکن اس کے بعد تاد م تحریر وفاقی شرعی عدالت میں اس کیس پر کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہو سکی۔اس دوران حافظ عاطف وحید ڈائریکٹر شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی لاہور نے وکلاء سے اس حوالے سے مشاورت کی اور اس کیس کو آئین پاکستان کی دفعہ 38-F کے تحت تیار کیا جس میں حکو مت جلد از جلد ربٰو (سود) کو ختم کرے گی۔ اس کیس کو تیار کر کے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کی جانب سے سپریم کورٹ میں درخواست داخل کرائی گئی،جسے بوجوہ رد کر دیا گیا۔بہرحال اس کے خلاف اپیل داخل کرانے پر اس کیس کی سماعت کا فیصلہ کیا گیا۔ اور سپریم کورٹ کے رجسٹرار نے اس کیس کو جسٹس سرمد جلال عثمانی کو سماعت کےلیے پیش کیا۔ اور ان کے ساتھ جسٹس عظمت سعید کو شامل کیا گیا۔ انہوں نے ۵اکتوبر ۲۰۱۵ء کو اس کیس کی مختصر سماعت کے بعد فیصلہ سناتے ہو ئے کہا کہ چوں کہ یہ کیس پہلے سے ہی وفاقی شرعی عدالت میں زیر سماعت ہے اس لیے اس درخواست کو رد کیا جاتا ہے۔[83]

اس کے بعد یہ معاملہ اب وفاقی شرعی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ جس میں بظاہر قریب میں کسی پیش رفت کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہ حکومت اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے۔اسی وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے ۱۹۹۱ء میں اس عدالت نے سود کے خلاف فیصلہ سنایا جسے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں چیلنج کر دیا گیا۔اس بنچ نے بھی جب ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھا تو پھر دوبارہ اپیل کر دی گئی۔ پھر پی سی او کے تحت ایک غیر قانونی بنچ کے ذریعے دوبارہ اس فیصلے کو وفاقی شرعی عدالت بھیج دیا گیا۔یہ سب حربے سود کو ختم کرنے کے حکومتی عدم دلچسپی کا مظہر ہیں۔

---

[82]۔ ماہنامہ میثاق لاہور،نومبر ۲۰۱۵ء،ص۶۷۔۶۸

[83]۔ ماہنامہ میثاق لاہور ، نومبر ۲۰۱۵ء ،ص ۶۹۔۷۰

حاصل کلام

اس باب میں آئین پاکستان کی اسلامی دفعات کا تجزیہ پیش کیا گیا۔اس ضمن میں اسلامی دفعات کا موازنہ وتجزیہ ۱۹۵۱ ء میں دینی مسالک کے ۳۱ علما کی طرف سے پیش کردہ ۲۲نکات،۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے دستوری مسودے پر متفقہ ترامیم و تجاویز،۱۹۵۶ءاور ۱۹۶۲ء کے دساتیر اور ۲۰۱۱ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے پیش کردہ ۱۵ متفقہ نکات کے ساتھ موازنہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد آئین پاکستان میں ہونے والی اہم اسلامی ترامیم کا جائزہ پیش کیا گیا۔ مزید ۱۹۷۳ء سے اب تک ملک کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا۔آخر میں بطور مثال اسلامی دفعات کی مؤثریت کے حوالے سے،انسدادِ ربٰو(سود) کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل ،وفاقی شرعی عدالت ، شریعت اپیلٹ بنچ اور حکومت کے کردار کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا جس سے ان اداروں کی مؤثریت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کا حاصل یہی ہے کہ مختلف ادوار میں آئین ِ پاکستان میں اسلامی دفعات شامل کرنے میں مقتدر حکمرانوں نے اپنے لیے چور دروازےرکھے ہو ئے ہیں۔خاص طور پر انسدار ربٰو(سود) کے حوالے سے جس طرح کی سفارشات اور فیصلے ان اداروں کی جانب سے کیے گئے بلاشبہ وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔لیکن حکومت نے آئین کی ان دفعات کے سقم سے فائدہ اٹھاتے ہو ئے اس معاملہ کو ابھی تک ٹکا کر رکھا ہوا ہے۔بلاشبہ اگر اسلامی دفعات کے ان سقم کو دور کر لیا جائے تو اسلامائزیشن کے حوالے سے اس کے دیر پا نتائج مرتب ہوں گے۔

پانچواں باب

پانچواں باب

پاکستان میں فقہی اختلافات اور ان کا حل ،پاکستان کے خصوصی مسائل کے حوالے سے

تمہید

آئین (دستور) اور قانون میں فرق

آئین (دستور) سے مراد وہ دستاویز ہے جوحکومت چلانے کے قواعد و ضوابط سے بحث کرتی ہے۔اس آئین (دستور) کو حکومتی قانون کہا جا سکتا ہے۔ مروج قانونسے مراد وہ قواعد و ضوابط ہیں جو عوام کے لیے بنائے جاتے ہیں۔[1]
آئین (دستور) اور قانون میں گہر ا ربط ہے۔اس لیے کہ جیسا آئین ہو گا حکومت ویسا ہی قانون مرتب کرے گی۔ہمارا یہ مقالہ قانون سازی میں فقہی اختلافات کے مجوزہ حل سے متعلق ہے۔ قانون سازی کا اختیار حکومت کے پاس ہوتا ہے۔لہذا جیسا آئین مرتب کیا جائے گا اسی کے مطابق عوام کے لیے قانون مرتب کیا جائے گا۔اس لیے مقالہ میں زیر بحث آنے والے موضوعات کا تعلق آئین (دستور) سے بھی ہے جو حکومتی قانون ہے۔جس کی اصلاح پر عوام الناس کے لیے بنائے جانے والے قوانین کی اصلاح کا دارومدار ہے۔نیز اس باب میں مروجقانون کی چند فقہی مسائل کی مثالوں کے ذریعے قانون سازی کی مجوزہ صورتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا،جن کے ذریعے متفرق فقہی مذاہب کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کا مجوزہ حل ممکن ہو سکے گا۔
سب سے پہلے ہم آئین سازی کے حوالے سے قیام ِپاکستان سے اب تک کی جانے والی ان کوششوں کا مختصراً جائزہ پیش کرتے ہیں جو پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کی جانب سے اجتماعی طور پر کی گئیں۔

پہلی فصل : قیام پاکستان سے اب تک اسلامی آئین سازی کے حوالے سے متفرق مکاتبِ فکر کی کاوشوں کا ایک جائزہ

پاکستان میں آئین سازی کے عمل کا آغاز

پاکستان میں آئین سازی کاعمل ۱۰اگست ۱۹۴۷ء سے شروع ہوا،جس دن نو منتخب ارکان کا پہلا اجلاس جوگندر ناتھ منڈل کی زیر صدارت کراچی میں ہوا،جس میں قا ئد اعظم ، خواجہ ناظم الدین، سردار عبدالرب نشتر،مسٹر اے کے فضل حق وغیرہ شامل تھے۔دوسرے ہی دن متفقہ طور پر قائد اعظم کو دستوریہ کا پریزیڈنٹ چنا گیا۔اس موقع پر قائد اعظم نے اقلیتوں خاص طور پر ہندوؤں کے حقوق کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی۔اور ۱۲اگست ۱۹۴۷ء کو اقلیتوں کے حقوق کے لیے ایک کمیٹی قائم کی۔بالآخر ۱۴اگست ۱۹۴۷ء کویوم آزادی کے موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کراچی میں دستور پاکستان سے خطاب کیا۔[2]

---

[1]۔ عثمانی ،محمد تقی ،مفتی ،اسلام اور سیاسی نظریات ، مکتبہ معارف کراچی ،نومبر ۲۰۱۰ء،ص۱۰۸۔۱۰۹

[2]۔ شیر کوٹی ، محمد انوار الحسن ، پروفیسر ،خطبات عثمانی ،اشاعت اول ۱۹۷۲ء،مطبع ،تعلیمی پریس لاہور،،ناشر ،نذر سنز لاہور، ص۔۳۷۲

قرار دادِ مقاصد کی منظوری

دستوریہ پاکستان کی اولین ذمہ داریو ں میں مملکت کے لیے اسلامی آئین کی تیاری تھا۔اس حوالے سے دستوریہ کے ارکان میں کوئی اتفاق رائے موجود نہیں تھا۔اندیشہ تھا کہ اسلامی آئین کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ تو مولانا شبیر احمد عثمانی نے دستوریہ کے اندر کوششیں تیز کیں۔اور عوامی سطح پر جماعت اسلامی نے بھرپور مہم چلائی۔اس دباؤ کے نتیجے میں بالآخر حکومت نے قرار داد منظور کرنے کی حامی بھر لی۔چنانچہ دستوریہ کے قیام کے تقریباً انیس ماہ بعد ۷/مارچ ۱۹۴۹ ء کو قرار دار مقاصد ایوان میں پیش کی۔ جس پر تقریباً چھ دن کی بحث کے بعد بالآخر ۱۲ /مارچ ۱۹۴۹ء کو قرار دادِ پاکستان منظور کر لیا گیا۔ وزیراعظم لیاقت علی خان نے ۷/مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرار داد مقاصد پیش کرتے ہوئے فرمایا :

> میں اس موقع کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں، با عتبار اہمیت صرف حصول آزادی ہی اس سے بلند تر ہے کیوں کہ حصول آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملاکہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کر سکیں۔ میں ایوان کو یاد دلانا چاہتاہوں کہ بابا ئے ملت قائد اعظم نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان کے خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی۔ پاکستان اس لیے قائم کیا گیا کہ بر صغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کردینا چاہتے تھے کہ آج جو حیات انسانی کو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ان سب کے لیے اسلام اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ برائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ روحانیت کی طرف قدم نہ بڑھا سکا اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو جن اپنے اوپر مستولی کرلیا ہے۔ اب اس سے ناصرف انسانی معاشرہ کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے ۔یہ عام طور پر تسلیم کیاجاتاہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ ہواہوتا تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی خطرہ میں نہ پڑتی، محض وجود باری تعالیٰ کا احساس ہی انسانیت کو تباہی سے بچا سکتاہے۔ جس کی منشاء یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں سب کو ایسے اخلاقی سیاروں کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے جو وحی سے فیض یاب ہونے والے ان معلموں نے معین کردیئے ہیں جنہیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر سمجھتے ہیں، ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے اور ہمارا اعتقاد ہے

کہ ہم ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوزو فلاح میں حقیقی اضافہ کرسکتے ہیں۔[3]

وزیر اعظم کی یہ تقریر واقعی بہت پر مغز اور جلی حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ قرار داد مقاصد کو پیش کرنے اور اس کے اغراض ومقاصدکا بیان موصوف کی دین داری اور نظریہ پاکستان سے والہانہ محبت کا اظہار ہے۔ہم نے یہاں بطور مثال ان کی تقریر کا ایک قتباس پیش کیا ہے ،ضمیمہ میں پوری تقریر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۹/مارچ۱۹۴۹ء کو قرار دد مقاصد کی تائید میں مجلس دستور ساز اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے تقریرکرتے ہوئے فرمایا :

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے، اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا، ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو وہ خود کسی جامع اور حاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔ قائد اعظم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں:''قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے، اس میں مذہبی اور مجلس، دیوانی و فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لےکر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کےحقوق و فرائض تک، دنیاوی زندگی میں جزا و سزا سے لےکر عقبیٰ کی جزا و سزا تک، ہر فعل و قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتاہوں''۔'' ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی اور معاشرتی، تاریخی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کوبغور و خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو''قائد اعظم نے ان خیالات، عزائم کا بار بار اظہار کیاہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتاہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔[4]

---

[3] -The Constituent Assembly of Pakistan Debates, Official Report, Volume V, 1949, Monday March 07,1949,p.2

[4] -The Constituent Assembly of Pakistan Debates, Official Report, Volume V, 1949, Wednesday, March 09,1949,p.44-45

مولانا شبیر احمد عثمانی نے مزید فرمایا کہ پاکستان کے متفرق مکاتب فکر کے مابین اسلامی دستور سازی کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں،اور تمام مکاتب فکر اس مملکت میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے متفق ہیں۔[5]

قرار داد مقاصد کے اصل محرک بلا شبہ مولانا شبیر احمد عثمانی تھے۔ان کی انتھک جدوجہد شامل نہ ہوتی تو کہا جا سکتا ہے کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری شاید ممکن نہ ہوتی۔انہوں نے اپنی تقریر میں جس طرح اسلامی نظام کی اہمیت اور نظریہ پاکستان کی وضاحت کی وہ قابل ِ داد ہے۔اس موقعہ پر کی گئی پوری تقریر ضمیمہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے ۔

قراردادِ پاکستان کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ کی حاکمسیت کو تسلیم کیا گیا اور یہ کہ منتخب نمائندے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ اختیارات کو اس کی حدود کے اند ر بطور نائب استعمال کریں گے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِۚ أَمَرَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُۚ﴾ (۱۲:۴۰)

ترجمہ :حاکمت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

قرارداد میں اس بات کا بھی عہد کیا گیا کہ اس مملکت کے رہنے والے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی و اجتماعی زندگی قرآن و سنت کے مطابق گزار سکیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلۡأُمُورِ﴾ (۲۲:۴۱)

ترجمہ :یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔

اسی طرح اس قرار داد میں اقلیتوں کے حقوق کی مکمل ضمانت دی گئی کہ وہ اپنی مذہبی روایات کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔

یہ قراد داد ۱۹۵۶ء،۱۹۶۲ء،۱۹۷۳ء کے دساتیر میں بطور دیباچہ شامل کی گئی۔بعد ازاں ضیاء الحق کے دور میں اس کو باقاعدہ طور پر دستور کے قابل عمل حصے میں شامل کیا گیا۔

۲۲متفقہ اسلامی مملکت کے رہنما اصول

قرار داد مقاصد کی منظوری کے بعد بھی عملاً دستور سازی کے کام میں سست روی رہی۔اور مختلف حلقوں کی طرف سے یہ باتیں سامنے آتی رہیں کہ پاکستان کے متفرق مکاتب فکر دستو ر سازی کے بنیادی اصولوں اور تفصیلات میں متفق ہی نہیں،تو دستور کو اسلامی کیسے

[5] -Ibid,p.48

(مندرجہ بالا وزیر اعظم لیاقت علی خان اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقاریر کا ترجمہ محولہ بالا ''خطبات عثمانی از شیرکوٹی''سے لیا گیا ہے۔)

بنایا جا سکتا ہے۔ بلا شبہ یہ محض ایک بہانہ اور اسلامی دستور سازی سے راہِ فرار تھا۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔اس نازک موقع پر مولانا احتشام لحق تھانوی نے اسلامی فرقوں کے معتمد علیہ علما کو ۲۱،۲۲،۲۳جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں جمع کیا اور مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں تین دن مسلسل اجلاس منعقد ہوا۔جس میں اسلامی فرقوں کے معتمد علیہ ۳۱علما نے اسلامی دستور سازی کے لیے حکومت کو ۲۲ متفقہ نکات بعنوان ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول '' پیش کیے۔جس کے مطابق دستور پاکستان کو مدون کیا جاتا۔ ان نکات میں بھی قراردادِ مقاصد کی طرح اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا۔مزید یہ کہ مملکت خدادِ پاکستا ن میں قانون سازی قرآن سنت کے مطابق ہو گی۔اور اگر کوئی قانون قرآن سنت کے خلاف ہے تو اسے قرآن سنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جائے گا۔اور غیر شرعی قوانین منسوخ کیے جائیں گے۔مملکت کی بنیادیں اسلام کی بنیادوں پر قائم ہوں گی، نسلی ،لسانی ہر طرح کے تعصبات کو ختم کیا جائے گا۔مملکت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کرے گی،اور اسلامی فرقوں کو اپنے مذہب کے مطابق تعلیم کے مناسب انتظامات بھی کرے گی۔اسلامی ممالک کے مابین تعلقات کو فروغ دیا جائے گا۔عوام کی بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہو گی۔مسلمہ اسلامی فرقوں کو قانون کے دائرے میں مکمل آزادی ہو گی اور ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے فقہی مذہب کے مطابق انہی کے مسلک کے قاضی کریں گے۔ مملک کا سربراہ مسلمان ہو گا۔عدلیہ کو آزاد اور خود مختار ادارہ بنایا جائے گا۔ اسلامی تعلیمات کے منافی افکار و نظریات کی اشاعت پر پابندی ہو گی۔[6]

دستور میں علما کی ترمیمات و اصلاحات

اس اجتماع میں یہ بھی طے کیا کہ انہی اصولوں کی روشنی میں دستور کا ایک جامع خاکہ مرتب کرنے کے لیے اجلاس میں شریک علما اپنی اپنی تجاویز مولانا احتشام الحق تھانوی کو بھیجیں گے تا کہ دو بارہ اجتماع کے موقع پر ان تجاویز پر غور و خوض کے بعد دستوری خاکہ مرتب کیا جائے۔لیکن بعد میں یہ طے کیا کہ جب مجلس دستور ساز کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کرے تو اسی وقت اس اجتماع کا دوبارہ انعقاد کیا جائے تا کہ اس ر پورٹ کی روشنی میں اصلاحات و ترمیمات مجلس دستور ساز کو دی جائیں۔چناں چہ جب۲۲دسمبر ۱۹۵۲ء کو کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ تو انہی علماکااجتماع دوبارہ کراچی میں ۱۱/جنوری۱۹۵۳ء تا 18/جنوری ۱۹۵۳ء منعقد ہوا۔ ان نو دنوں میں مسلسل نو اجلاس ہوئے۔ جس میں

---

[6]۔ تھانوی ، احتشام الحق ،مولانا، ماہنامہ چراغ راہ،کراچی ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول''جلد ۳،شمارہ ۳ ،مارچ ۱۹۵۱ء ،مرتب : نعیم صدیقی ،ناشر ،دفتر چراغ راہ کراچی۔ ص۔۲۵،۳۳،۳۸،۴۷

۳۳علما نے متفقہ طور پر کمیٹی کی رپورٹ پر اپنی اصلاحات و ترمیمات حکومت کو پیش کیں۔[7]
ان اصلاحات و ترمیمات میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں :

1. مسلمانوں کے لیے قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیاجائے اور ملک کے نظام تعلیم میں ایسی اصلاحات کی جائیں جن سے مسلمان اپنی زندگی کو قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق ڈھالنے کے قابل ہوسکیں۔
2. ہر قسم کی مسکرات،جوئے اور عصمت فروشی کا تاریخ نفاذ دستور سے زیادہ سے زیادہ تین سال کے اندرقانون سازی کے ذریعہ مکمل انسداد کیاجائے۔
3. موجودہ قوانین کو پانچ سال کے اندر کتاب و سنت کے مطابق تبدیل کر دینے کا مناسب انتظام کیاجائے۔
4. قرآن پاک اور سنت کے وہ احکام جو قانونی صورت میں نافذ کیے جاسکتے ہیں ان کی تدوین و تنفیذ کے لیے مناسب کارروائی کی جائے البتہ کوئی قانون جو مسلمانوں کے شخصی معاملات سے متعلق ہو اسے ہر فرقے کے لیے کتاب و سنت کے اسی مفہوم کی روشنی میں کیاجائے گا جو اس کے نزدیک مستند ہو اور کوئی فرقہ دوسرے فرقے کی تعمیل کا پابند نہ ہوگا نہ کوئی قانون ایسا بنایاجائے گا جس سے کسی فرقے کے مراسم و فرائض مذہبی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو۔
5. مملکت کی کوشش ہونی چاہیے کہ بلا امتیاز مذہب و ملت پاکستان تمام شہریوں کے لیے کھانے کپڑے مکان تعلیم اور طبی امداد جیسی بنیادی ضروریات زندگی کا کام کرے خصوصاً ان کے لیے جو بیروزگاری کمزوری بیماری یا ایسی ہی کسی دوسری وجہ سے عارضی یا مستقل طور پر اپنی روزی کمانے کے قابل نہ ہوں۔
6. مملکت کی معاشی پالیسی اسلام کے اصول عدل عمرانی پر مبنی ہونی چاہیے اور بلا امتیاز مذہب نسل یا رنگ عوام کی ہر قسم کی بہبودی کا انتظام کیاجائے۔
7. مزدوروں اور کسانوں کے حقوق او رمعاوضوں کا ایسا منصفانہ معیار مقرر کیاجائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہیں اور ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جاسکے۔
8. مملکت کے لیے لازم ہونا چاہیے کہ وہ پاکستانی مسلمانوں میں سے جغرافیائی قبائلی نسلی اور لسانی اور اسی قسم کے دوسرے غیر اسلامی جذبات دور کرنے اور ان میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ وہ ملت اسلامیہ کی سالمیت وحدت و استحکام اور اس طرز فکر کے لوازمات اور اس مقصد کو سب سے مقدم رکھیں جس کی تکمیل کے لیے پاکستان قائم ہو اہے۔

---

[7]۔ ماہنامہ چراغ راہ‌کراچی ’’دستوری رپورٹ پر علمائے پاکستان کا تبصرہ اور ترمیمی تجاویز ‘‘ جلد 6،شمارہ 2،فروری 1953ء ،مرتب : نعیم صدیقی ،ناشر ،دفتر چراغ راہ کراچی۔ ص۲-۵

9. اسلامی علوم و ثقافت کے فروغ کا موثر انتظام کیاجائے۔
10. تمام سرکاری ملازمتوں کی ٹریننگ میں خواہ وہ فوجی ہوں یا سول مسلمانوں کے لیے دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیاجائے تاکہ ریاست پاکستان کے ملازمین کا اخلاقی معیار بھی معیار قابلیت کی طرح بلند ہو۔
11. مسلمان ملازمین حکومت کو فرائض دینی کی پابندی اور شعائر اسلام کے التزام میں پوری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔
12. دہریت و الحاد کی تبلیغ اور قرآن و سنت کی توہین و استہزا کا بذریعہ قانون سازی انسداد کیاجائے۔
13. (کوئی قانون سازی قرآن اور سنت کے خلاف نہ ہوگی) اور مملکت کے قوانین کے ماخذا ساسی(چیف سورس) قرآن و سنت ہوں گے۔
14. ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزا انتظامی متصور ہونگے ان کی حیثیت نسلی لسانی یا قبائلی علاقہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع اختیارات سپرد کیےجائیں گے۔ اور ولایات مملکت کو مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔
15. سپریم کورٹ کو فوجی عدالتوں کی طرف سے کسی فیصلے کے خلاف بھی اپیل سننے کا اختیار دیا جائے۔
16. امیر مملکت، حاکمان ولایات اور عمال حکومت کےلیے یہ ممنوع ہونا چاہیے کہ وہ انتخابات میں کسی شخص یا پارٹی کے خلاف یا موافق رائے عامہ کو متاثر کرنے کی کوشش کرے۔
17. مجالس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جو دستوری اعتراضات یا تعبیر دستور کے مسائل پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرنے کےلیے سپریم کورٹ میں پانچ علما مقرر کیے جائیں گے جو سپریم کورٹ کے کسی ایسے جج کے ساتھ جسے امیر مملکت تدوین و تقویٰ اور واقفیت علوم و قوانین اسلامی کے پیش نظر اس مقصد کے لیے نامزد کرے گا مل کر اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔۔ان علما کا تقرر اسی طریقے سے ہوگا جو سپریم کورٹ کے ججوں کے لیے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات میں تجویز کیاگیاہے۔اس منصب کے لیے صرف ایسے ہی علما اہل ہوں گے جو

(الف)۔کسی دینی ادارے میں کم از کم دس سال تک مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہوں یا

(ب)۔کسی علاقے میں کم از کم دس سال تک مرجع فتویٰ رہے ہوں یا

(ج)۔ کسی باقاعدہ محکمہ قضاء شرع میں کم از کم دس سال تک قاضی کی حیثیت سے کام کرچکے ہوں یا

(د)۔ کسی دینی درسگاہ میں کم از کم دس سال تک تفسیر،حدیث یا فقہ کا درس دیتے رہے ہوں۔

18. ان عالم دین ججوں کے لیے جملہ ضوابط وہی ہوں گے جو بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات میں دوسرے ججوں کے متعلق تجویز کیے گیے ہیں۔
19. مملکت کا نام جمہوریہ اسلامیہ پاکستان ہونا چاہیے۔
20. قادیانی کی تشریح یوں کی جائے۔قادیانی سے مراد وہ شخص ہوگا جو مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتا ہو۔[8]

پاکستان کے متفرق مکاتب فکر کی جانب سے ہر نازک مرحلے پر کامل اتحاد کا مظاہر کرتے ہوئے مخالفین کی سازشوں کو ناکام بنایا۔ متفرق اوقات میں حکومت کو قانون سازی کے لیے مشترکہ لائحہ عمل پیش کیا۔۱۹۷۰ء میں بھی متفرق مکاتبِ فکر کی جانب سے اسلام کے معاشی نظام کے نفاذ کے لیے ۲۲ متفقہ نکات پیش کیے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۲۲نکاتی معاشی اصلاحات

۱۹۷۰ میں مختلف مکاتب فکر کے ۱۱۸علما کی طرف سے متفقہ طور پر سوشلزم کو کفر قرار دیاگیا۔ چناں چہ کفر کا فتویٰ شائع ہوتے ہی مختلف طبقات کی طرف سے اس پر سخت ردِ عمل سامنے آیا اس میں خاص طور پر سوشلسٹ اور نیشنلسٹ حضرات پیش پیش تھے۔[9]

اس دوران یہ سوال بھی ابھر کر سامنے آیا کہ جب سوشلزم کفر ہے تو اسلام میں معاشیات کے وہ کون سے اصول ہیں جن کے مطابق دورِ حاضر میں معیشت کو پروان چڑھایا جا سکے۔ چناں چہ علما کرام نے ۱۹۷۰ءمیں اس موقع پر بھی ۲۲نکات پر مشتملمعاشی اصلاحات کا خاکہ تیار کر کے پیش کیا۔ جس میں مختلف مکاتب فکر کے ۱۱۸علما کے دستخط ثبت ہیں۔[10]

ان نکات کے مطابق حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ سود کو فی الفور ختم کیا جائے اور ارتکاذ دولت کی تمام صورتوں پر پابندی عائد کی جائے۔معیشت میں سرمایہ داروں ، صنعتکاروں کی اجارہ داری کو ختم کیا جائے۔ مزدور پیشہ افراد کو معقول معاوضہ دیا جائے تا کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات احسن طریقے سے پوری کر سکیں۔ کسانوں کی اجرت کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جس میں حکومت، کسانوں اور ذمہ داروں کو نمائندگی دے۔ایسی زمینیں جو غیر آباد ہیں ان سے متعلق یہ اصول بنایا جائے کہ جو انہیں آباد کریں انہیں مالکانہ حقوق حاصل ہوں۔زمینوں کے رہن میں سودی طریقوں کو ممنوع قرار دیا جائے۔ جائداد کی منتقلی کے طریقوں کو آسان بنایا جائے۔ زکوٰۃ کے لیے باقاعدہ شعبہ بنایا جائے۔ بے روزگار افراد کو روزگار کی فراہمی تک ان کی بنیادی ضروریات کے لیے الاؤنس دیا

8۔ ایضاً،ص۱۶۰۶

9۔ ترمذی ، سید عبد الشکور ،، مولانا ،تذکرہ الظفر (سوانح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی)، ،بار اول ۱۹۷۷ء،طابع و ناشر ،المطبع الاسلامی السعودی مزنگ چونگی لاہور ص۳۱۹۔۳۲۰

10۔ ترمذی ،ص۳۲۰۔۳۲۱

جائے۔اور ان کی بنیادی ضروریات مثلاً رہائش کا انتظام کیا جائے۔ معاشرے سے قومی دولت کو اسراف و تبذیر سے پاک کیا جائے۔[11]

قادیانی گروہ کی تکفیر میں متفرق مکاتب فکر کی مشترکہ کاوشیں

پاکستان کے متفرق مکاتب فکر کی جانب سے متفقہ طور پر قادیانی گروہ (جو مختلف تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے اس چیز کا دعوے دار ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بھی اس دنیا میں نبوت اور وحی کا دروازہ کھلا ہے، اور مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی اور حامل وحی مانتا ہے۔) کی تکفیر کی کامیاب تحریک بھی یہ ثابت کرتی ہے کہ پاکستان میں متفرق فقہی مذاہب کی موجودگی اسلامی قانون سازی کے بارے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔

متفرق مکاتب فکر کی جانب سے مشترکہ طور پر قادیانی گروہ کی تکفیر کی جدوجہد کی تاریخ کافی طویل ہے جس کا مطالعہ اس موضوع پر لکھی جانے والی بیش بہا کتب سے کیا جا سکتا ہے ۔ہمارے پیش نظر اس وقت ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی آف پاکستان کی روداد ہے جس میں بالآخر قادیانی گروہ کو کافر قرار دیا گیا ۔اور آئین پاکستان کی دفعہ ۲۶۰(۳) الف ،ب میں مسلم اور غیر مسلم کی تعریف متعین کی گئی ، تاکہ مملکت خدا داد پاکستان میں کوئی بھی غیر اسلامی گروہ خود پر اسلام کا لیبل لگا کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کر سکے، اور عوام با آسانی اپنے دین کو پہچان کر اس پر عمل پیرا ہو سکیں۔

۳۰/جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے وزیر اعظم (ذوالفقار علی بھٹو) کے ۱۳/جون کو قوم سے خطاب کا حوالہ دیتے ہوئے ختم نبوت کے موضوع کو قومی اسمبلی کی بحث میں شامل کیا ۔[12]

ختم نبوت کے موضوع پر غور کے لیے اسپیکر نے اسمبلی ممبران کے سامنے یہ بات رکھی کہ پاکستان میں اس شخص کا کیا اسٹیٹس ہوگا جو محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر کامل یقین نہیں رکھتا۔ تو وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد پیش کی،جس میں ایک اسپیشل کمیٹی تشکیل دینے کی سفارش کی جو ختم نبوت پر کامل ایمان نہ رکھنے والے شخص کے اسٹیٹس کا تعین کرے ۔ اس حوالے کمیٹی تجاویز ، قراددیں معین دورانیے میں پیش کرے ۔[13]

اسی اجلاس میں مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے بھی قرارداد پیش کی جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

[11]۔ ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی ، جولائی و اگست ۲۰۰۹ء،دستور پاکستان نمبر،جلد نمبر ۱۱،شمارہ :۸،۷،سلسلہ نمبر ۱۰۹،۱۰۸، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

[12] - Assembly Debates, National Assembly of Pakistan, Sunday, June 30, 1974,p.1298

[13] - Ibid.,p.1302

1. مرزا غلام احمد جن کا تعلق قادیان سے ہے ، نے آخری نبی محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کی وجہ سے کئی قرآنی آیات اور جہاد کی تکذیب لازم آتی ہے ۔
2. مزید یہ کہ وہ اسلام مخالف طاقتوں کی پیداوار ہے جن کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا ہے ۔
3. جو آدمی مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرے یا اسے اپنا مذہبی قائد تسلیم کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔
4. یہ گروہ اسلامی فرقہ بن کر بیرونی اور اندرونی طور پر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے ۔
5. ورلڈ اسلامک آرگنائزیشن کے منعقدہ اجلاس بمقام مکۃ المکرمہ بتاریخ ٦تا١٠ /اپریل١٩٧٤ء کے اجلاس میں ، جس میں پوری دنیا کے ایک سو چالیس تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی، نے قادنیوں کو اسلام اور مسلم امہ کے خلاف تخریبی تحریک قرار دیا ۔
6. لہٰذا یہ اسمبلی مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو (چاہے وہ کسی بھی نام سے ہوں) سرکاری بل کے ذریعے غیر مسلم قرار دے اور اس مقصد کے لیے آئین میں ضروری ترمیم کی جائے ۔

اس قرارداد پر ٢٢ ارکان اسمبلی کے دستخط موجود تھے جن کے نام درج ذیل ہیں :

1. مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی
2. مولوی مفتی محمود
3. مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری
4. پروفیسر غفور احمد
5. مولانا سید محمد علی رضوی
6. مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک)
7. چوہدی ظہور الٰہی
8. سردار شیر باز خان مزاری
9. مولانا ظفر احمد انصاری
10. مولانا صدر الشہید
11. صاحبزادہ احمد رضا خان قصوری
12. جناب محمود اعظم فاروقی
13. مولانا نعمت اللہ صاحب
14. جناب عمرہ خان
15. جناب غلام فاورقی
16. سردار مولا بخش سومرو
17. جناب رئیس عطا محمد
18. مخددوم نور محمد ہاشمی

19. سردار شوکت حیات خان
20. میر علی احمد تالپور
21. جناب عبدالحمید جتوئی
22. راؤ خورشید علی خان [14]

ان ناموں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون سازی کے لیے نہ صرف متفرق مکاتب فکر متفق ہیں بلکہ سیاسی قائدین میں سے بھی جو دینی ذہن رکھتے ہیں وہ باہم مل کر اس کے لیے کوشاں ہیں ۔

ختم نبوت کے مسئلہ پر غور و خوض کے لیے دو مہینے کا وقت مختص کیا گیا تھا ،اس دوران فریق مخالف کو اپنی صفائی کو پورا موقع دیا گیا ۔ جمعہ ۲۳ اگست۱۹۷۴ کے اجلاس میں مرزا ناصر احمد (گواہ سربراہ جماعت احمدیہ ،ربوہ) کو اسمبلی اجلاس میں بلا کر اپنا مؤقف پیش کرنے کا موقع دیا گیا تھا ۔ ان کی گفتگو پر ارکان اسمبلی نے جرح بھی کی ۔اس دن جرح کرنے والوں میں جناب یحیی بختیار صاحب کا نام نمایاں ہے جن کے ساتھ مرزا ناصر احمد کے سوال جواب ہوئے۔[15]اسی طرح اگلے دن اجلاس میں مرزا ناصر احمد سے جناب یحیی بختیار صاحب اور مولانا محمد ظفر احمد انصاری صاحب نے تفصیلی مباحثہ کیا ۔[16]

بالآخر ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے خصوصی اجلاس بعنوان قادیانی ایشو پر وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد پیش کی جس میں قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ۔اسمبلی ہاؤس کی خصوصی کمیٹی نے قرارداد میں سفارش کی کہ اس قرارداد کو قومی اسمبلی میں غور وخوض اور منظوری کے لیے بھیجا جائے ۔

اس قرارداد کے مطابق آئین پاکستان میں درج ذیل ترامیم کی جائیں :

آرٹیکل ۱۰۶(۳) میں قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو ''احمدی '' کہتے ہیں) کا حوالہ ذکر کیا جائے ۔اور آرٹیکل ۲۶۰ میں غیر مسلم کی تعریف درج کی جائے ۔ اس قرارداد کو پیش کرنے والوں کے نام درج ذیل ہیں :

1. عبدالحفیظ پیرزادہ
2. مولوی مفتی محمود
3. مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی
4. پروفیسر غفور احمد

---

[14] - Ibid.,p.1306-1307

[15]۔اس اجلا س کی تفصیلی روداد قومی اسمبلی کے اجلاس بروز جمعہ ۲۳ /اگست ۱۹۷۴ء کی اسمبلی مباحث بعنوان قادیانی ایشو کے حوالے سے کامرہ میں منعقد کیا گیا تھا، میں پڑھی جا سکتی ہے ۔راقم

[16]۔ اس اجلا س کی تفصیلی روداد قومی اسمبلی کے اجلاس بروز ہفتہ۲۴/اگست ۱۹۷۴ء کی اسمبلی مباحث بعنوان قادیانی ایشو کے حوالے سے کامرہ میں منعقد کیا گیا تھا، میں پڑھی جا سکتی ہے ۔راقم

5. جناب غلام فاروقی
6. جناب ظہور الٰہی
7. سردار مولا بخش سومرو۔[17]

آرٹیکل ۲٦۰ میں مسلم و غیر مسلم کی تعریفیں باب چہارم میں اسلامی دفعات کے تجزیے کے ضمن میں لکھی گئی ہیں ۔بہر حال کافی طویل جدوجہد ،جس میں قومی اسمبلی کے اراکین کی کاوشوں کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہن رکھنے والے قانون دان طبقہ نے عدالتوں میں قانونی کار روائی کے ذریعے بھی جد و جہد جاری رکھی، لیکن ان سب سے بڑھ کر حکومتی طبقہ کی روایتی ٹال مٹول اور مصلحت پسندی کے بہانے تاخیری حربوں کے مقابلے میں ان ہی مختلف مکاتب فکر کے عوام کی مشترکہ کاوشیں، اور وہ متفقہ علمی تحریکیں تھیں جنہوں نے اس معاملے میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، اور ہر قسم کے شیعہ سنی تفرقہ کو نظر انداز کرکے یک جان و یک قالب ہو کر اسلامی قانون دان طبقہ اور ممبران اسمبلی کی پشت پناہی جاری رکھی۔ بلا شبہ یہ تحریک ختم نبوت ہمارے اس مقالے کے مکمل مدعا کا ایک بڑا عملی و تاریخی ثبوت ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے ۱۹ متفقہ رہنما اصول

۱۹۸۳ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت کو متفقہ طور پر اسلامی نظام حکومت کے بارے میں دستوری سازی کے لیے انیس رہنما اصول پیش کیے جن کے مطابق دستورِ پاکستان کو مرتب کیا جائے۔اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان میں پاکستان کے متفرق مکاتب فکر کے علما شامل تھے جنہیں حکومت خود نامزد کرتی ہے۔ان رہنما اصول کے مطابق مسلمانوں کو ایک امت قرار دیاگیا۔قانون سازی کے لیے قرآن سنت کو بنیاد قرار دیاگیا۔امر باالمعروف و نہی عن المنکر کو حکومت کے لیے فرض عین قرار دیاگیا۔مزیدطے کیا گیا کہ عوام کو بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔دینی تعلیم کو نصابِ تعلیم کے ہر مرحلے کے لیے لازم قرار دیا۔اسلامی معاشرت کو فروغ دیا جائے گا۔غیر اسلامی معاشرقی اقدار پر پابندی ہو گی۔عوام کی جان،مال،عزت کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔معاشی نظام کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فروغ دیا جائے گا۔ ناجائز کاروبار،ذخیرہ اندوزی،ناجائز منافع خوری پر پابندی ہو گی۔ مالیات کو سود سے پاک کیا جائے گا۔ [18]

مندرجہ بالا رہنما اصول پیش کرنے والے اسلام نظریاتی کونسل کے اراکین کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

1) جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن(چیئرمین کونسل)

---

17. National Assembly of Pakistan, Official Report, No. 21, the manager, printing corporation of Pakistan press, Islamabad ,Saturday, Sep, 1974, p.3077-3078

18۔ اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان اسلام آباد، اسلامی نظام حکومت کے بارے میں دستوری سفارشات ، ،جون ۱۹۸۳ء،پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس ،اسلام آباد، ص۱۔۳

2) مولانا ظفر احمد انصاری (رکن)
3) شیخ غیاث محمد ایڈووکیٹ (رکن)
4) ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا (رکن)
5) عبدالمالک عرفی ایڈووکیٹ (رکن)
6) علامہ سید محمود احمد رضوی (رکن)
7) ڈاکٹر مسز سعدیہ خاور خان چشتی (رکن)
8) ڈاکٹر سید شرافت علی ہاشمی (رکن)
9) مولانا سید سیاح الدین کاکا خیل(رکن)
10) مولانا منتخب الحق قادری (رکن)
11) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد(رکن)
12) مولانا محمد عبیداللہ (رکن)
13) مولانا محمد عطاءاللہ حنیف (رکن)
14) قاضی محمدسعداللہ حسنی (رکن)
15) علامہ طالب جوہری (رکن)[19]

ملی یکجہتی کونسل کی طرف سے متفقہ ۱۷ نکات

۲۳/اپریل ۱۹۹۵ء کو ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے پاکستان کے تما م دینی مسالک کے سرکردہ علما کو جمع کیا گیا اور غور وخوض کے بعد ساری دینی جماعتوں کے لیے ۱۷نکاتی ضابطہ اخلاق تیار کیا گیا۔
ملی یکجہتی کونسل کا ۱۷ نکات پر مشتمل ضابطہ اخلاق مندرجہ ذیل ہے :

1. اختلافات اور بگاڑ کو دور کرنے کیلیے اہم ضرورت یہ ہے کہ تمام مکاتب فکر نظم مملکت اور نفاذ شریعت کیلیے ایک بنیاد پر متفق ہوں، چنانچہ اس مقصد کیلیے ہم ۳۱ سرکردہ علما کے ۲۲ نکات کو بنیاد بنانے پر متفق ہیں۔
2. ہم ملک میں مذہب کے نام پر دہشت گردی اور قتل و غارت گری کو اسلام کیخلاف سمجھتے ہیں، اس کی پُرزور مذمت کرنے اور اس سے اظہار برأت کرنے پر متفق ہیں۔
3. کسی بھی اسلامی فرقہ کو کافر اور اس کے افراد کو واجب القتل قراردیناغیر اسلامی اور قابل نفرت فعل ہے۔
4. اہل بیت اطہارؓ، امام مہدیؒ، عظمت ازواج مطہراتؓ، عظمت صحابہ کرامؓ اور نبی کریمﷺ کی عظمت و حرمت ہمارے ایمان کی بنیاد اور جز ہے اور آنحضورﷺ کی کسی طرح کی توہین کے مرتکب فرد کے شرعاً،

19-ایضاً،ص۲۲-۲۳

قانوناً موت کی سزا کا مستحق ہونے پر ہم متفق ہیں، اس لیے توہین رسالت ﷺ کے ملکی قانون میں ہر ترمیم کو مسترد کردیں گے اور متحد و متفق ہوکر اس کی مخالفت کریں گے۔

5. ایسی ہر تقریر و تحریر سے گریز و اجتناب کیا جائے گا جو کسی بھی مکتب فکر کی دل آزاری اور اشتعال کا باعث بن سکتی ہے۔
6. شر انگیز اور دل آزار کتابوں، پمفلٹس اور تحریروں کی اشاعت، تقسیم و ترسیل نہیں کی جائے گی۔
7. اشتعال انگیز اور نفرت انگیز مواد پر مبنی کیسٹوں پر مکمل پابندی ہوگی اور ایسی کیسٹس چلانے والا قابل سزا ہوگا۔
8. دل آزار، نفرت آمیز اور اشتعال انگیز نعروں سے مکمل احتراز کیا جائے گا۔
9. دیواروں، ریل گاڑیوں، بسوں اور دیگر مقامات پر دل آزار نعرے اورعبارتیں لکھنے پر مکمل پابندی ہوگی۔
10. تمام مسالک کے اکابرین کا احترام کیا جائے گا۔
11. تمام مکاتب فکر کے مقاماتِ مقدسہ اور عبادت گاہوں کا احترام و تحفظ کویقینی بنایا جائیگا۔
12. جلسوں، جلوسوں، مساجد اور عبادت گاہوں میں اسلحہ خصوصاً غیر قانونی اسلحے کی نمائش نہیں ہوگی۔
13. عوامی اجتماعات اور جمعے کے خطبات میں ایسی تقریریں کی جائیں گی جن سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں مدد ملے۔
14. عوامی سطح پر ایسے اجتماعات منعقد کیے جائیں گے جن سے تمام مکاتب فکر کے علما بیک وقت خطاب کرکے ملی یکجہتی کا عملی مظاہرہ کریں گے۔
15. تمام مکاتبِ فکر کے متفقات اور مشترکہ عقائد و نکات کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔
16. باہمی تنازعات کو افہام و تفہیم اور تحمل و رواداری کی بنیاد پر طے کیا جائے گا۔
17. اس ضابطہ اخلاق کے عملی نفاذ کیلیے ایک اعلیٰ اختیاراتی بورڈ تشکیل دیا جائے گا جو اس ضابطے کی خلاف ورزی کی شکایات کا جائزہ لے کر اپنا فیصلہ صادر کرے گا اور خلاف ورزی کے مرتکب کے خلاف کارروائی کی سفارش کرے گا۔[20]

مندرجہ بالا ضابطہ اخلاق پر تمام دینی جماعتوں کے ۳۱ سر کردہ علما نے دستخط کیے۔ذیل میں ہم چند مشہور دینی جماعتوں کے قائدین کانام ذکر کرتے ہیں :

---

[20] ۔بین المسالک ہم آہنگی اور افہام و تفہیم کی حکمت ِ عملی ، مرتبین : ڈاکٹر معصوم زئی ،طالب حسین سیال و غیرہ ،بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد،اپریل ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۷۔۱۵۸

1. علامہ شاہ احمد نورانی (مرحوم) سربراہ جمعیت علمائے پاکستان
2. مولانا سمیع الحق امیر جمعیت علمائے اسلام (س)
3. قاضی حسین احمد (مرحوم) امیر جماعت اسلامی پاکستان
4. مولانا فضل الرحمن امیر جمعیت علمائے اسلام (ف)
5. علامہ ساجد علی نقوی سربراہ تحریک فقہ جعفریہ پاکستان
6. مولانا محمد ضیاء القاسمی (مرحوم) چیئرمین سپریم کونسل سپاہِ صحابہ پاکستان
7. مرید عباس یزدانی (مرحوم) سربراہ سپاہ محمد پاکستان

ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے مندرجہ بالا ضابطہ اخلاق پر متفق ہونا بلا شبہ اہم کارنا مہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ اس ضابطہ اخلاق میں ان جماعتوں کے قائدین کے بھی دستخط ہیں ،جن کی وجہ سے پاکستان میں فرقہ ورا نہ دہشت گردی و قتل وغارت کے واقعات نے پاکستان کو ا ندرونی طور پر انتہائی کھوکھلا کر دیا اور سازشی عناصر اس میں جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت ان نکات کو بنیاد بناکر پاکستان کی دینی جماعتوں کے لیے ضابطہ اخلاق مقرر کرتی۔اور اس پر سختی سے عمل درآمد کرواتی۔لیکن اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔

ملی مجلس شرعی کی طرف سے ۱۵ متفقہ رہنما اصول

۲۰۱۱ء میں' ملی مجلس شرعی'کی جانب سے ۲۴/ستمبر ۲۰۱۱ء کولاہور میں'اتحاد امت کانفرنس'میں پاکستان کے تمام دینی مکاتب فکر کی جانب سے اعلامیہ جاری کیا گیا کہ پاکستان کے قیام کا مقصد مسلمانوں کا آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔لہذا اس مقصد کے لیے حکومت ۱۹۵۱ء میں ۳۱ معتمد علیہ علما کی طرف سے پیش کیے گئے بنیادی اصولوں کے مطابق قانون سازی کرے۔اور ان پر پوری طرح سے عمل کروائے۔ حکومتی تساہل کی وجہ سے پاکستان کے شمال مغربی سرحدی قبائلی علاقوں میں بعض عناصر کی طرف سے مسلح جدوجہد اور حکومتی رٹ کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کا تقاضا تھا کہ متفرق مکاتب فکر مل بیٹھ کر اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے غور و خوض کرتے۔ اسی مقصد کے لیے اس اجتماع نے سب سے پہلے تو ۱۹۵۱ میں مرتب کیے گئے ۲۲ نکات کی توثیق کی۔ اور انہی کی تفریع و تشریح پر مشتمل مزید ۱۵ نکات متفقہ طور پر ۵۷علما کی تائید سے حکومت کو قانون سازی کے حوالے سے پیش کیے۔ ان نکات میں بیان کیا گیا کہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ فر د اور معاشرہ اور ریاست کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدو جہد پرامن ہونی چاہیے۔ دستور کے قابل عمل حصے میں واضح

لکھا جائے کہ قرآن سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو گی نیز قرآن و سنت سے متصادم احکام منسوخ ہو ں گے۔وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ کو مؤثر بنایا جائے اور اس کے ججوں کو بھی دیگر عدالتی ججوں کی شرائط کے مطابق کیا جائے۔ اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ سے مستثنٰی قوانین کو اس کے دائرہ میں شامل کیا جائے۔عوام کی بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوگی۔ معاشی تفاوت کو ختم کیا جائے۔نیز لسانی،نسلی امتیازات کو ختم کیا جائے۔نظام تعلیم نظریہ پاکستان کے مطابق مرتب کیا جائے۔ مخلوط نظام تعلیم کو ختم کیا جائے۔عصری و دینی تعلیمی اداروں میں امتیازات کو ختم کیا جائے۔ذرائع ابلاغ کو تعلیمات اسلامیہ کا پابند کیا جائے۔عدلیہ کو مکمل آزادی دی جائے۔ دفاعی اداروں میں نظریاتی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ حکومت کی سرپرستی میں نیکیوں کے فروغ اور منکرات سے اجتناب کے لیے باقاعدہ ادارہ تشکیل دیا جائے۔[21]

مندرجہ بالا ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے پیش کیے گئے ۱۵ نکات دراصل ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے پیش کیے گئے ۱۷ نکات ہی سے ماخوذ ہیں۔ان ۱۵ نکات میں سے نکتہ تین بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں بتایا گیا :

> یہ کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ پر امن جدوجہد کے ذریعے ہونا چاہیے کیوں کہ یہی اسلامی تعلیمات اور دستورِ پاکستان کا مشترکہ تقاضا ہے اور عملاً بھی کے اس کے امکانات موجود ہیں۔نیز شریعت کا نفاذسارے دینی مکاتبِ فکر کی طرف سے منظور شدہ متفقہ رہنما اصولوں کے مطابق ہو نا چاہیے (یہ ۱۵ نکات اس قرارداد کا حصہ ہیں) اور کسی گروہ یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی کا اسلام معاشرے پر قوت سے ٹھونس دے۔

جیسا کہ دستور ِ پاکستان کے بنیادی حقوق کے باب میں مملکت کے شہریوں کو انجمن سازی اور تحریر و تقریر کی آزادی دی جاتی ہے۔لیکن یہ آزادی دینِ اسلام اور ملکی قانون کے تابع دی گئی ہے۔جس میں اسلحہ اور مسلح جدوجہد کی ممانعت ہے۔ اس لیے پاکستان میں نفاذِاسلام کی کسی ایسی جدوجہد کی حمایت نہیں کی جاسکتی جو ملکی قوانین کے برخلاف ہو۔ملکی و بین الاقوامی قوانین کے تحت افراد یا جماعتیں پر امن ملکی قوانین کے تحت احتجاج ،تحریر و تقاریر کے ذریعے سے اپنے مطالبات منظور کراسکتی ہیں انہی حدود میں نفاذِ اسلام کی جدو جہد مملکت ِ پاکستان کے پیرائے میں پائیدار اور قابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے برخلاف کرنے کے نتائج آج تک کی تاریخ میں نقصان دہ رہے ہیں۔مندرجہ بالا پندرہ نکات کی تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ کی جائے۔

---

[21] ۔ماہنامہ الشریعہ ،جلد۲۳،شمارہ ۲،فروری ۲۰۱۲ء،الشریعہ اکیڈمی گوجر نوالہ ،ناشر :حافظ محمد عبدالمتین خان زاہد ، ص۹-۱۳

''دینی مسالک میں تقارب اور رواداری کا فروغ'' کے لیے ۲۳ علما کے ۱۸ نکات

ملی مجلس شرعی کے زیر اہتمام ۸ جولائی ۲۰۱۳ء کو تمام دینی مسالک کے علما کرام کا اجلاس منعقد ہوا۔اس اجلاس میں''دینی مسالک میں تقارب اور رواداری کا فروغ ''کے حوالے سے ۲۳ علما نے متفقہ طور پر ۱۸نکات پیش کیے۔ان میں پہلا نکتہ یہ تھا کہ آپس کے اختلافات میں شدت پسندی کو ختم کیا جائے۔ اس غرض کے لیے علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی تحریروں ،مباحثوں اور تقریروں سے اجتناب کریں جس میں اپنے مسلک کو صحیح اور دوسرے کے مسلک کو غلط ثابت کیا جائے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مسلک و مذہب کو دین نہ سمجھا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ہی دین ِ اسلام کے اندر مختلف مذاہب و مسالک ہیں۔لہٰذا ان کے مابین اختلافات کو حق وباطل کی جنگ نہیں سمجھا جائے۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ مذاہب ومسالک کے مابین اختلافات کی وجہ سے کسی مسلک یا مذہب پر تکفیر کا حکم نہ لگایا جائے۔ اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے کو اشتعال دلایا جائے۔چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اختلافات کو علما کرام کی حد تک علمی سطح تک رکھا جائے اور انہیں عوام کے سامنے نہ لایا جائے۔پانچوں نکتہ یہ ہے کہ عوام الناس اپنے مسلک کے ثقہ بند اور متقی علما کی رائے کا اعتبار کریں۔ چھٹا نکتہ یہ ہے کہ مسالک و مذاہب کے مابین بیشتر امور مشترکہ ہیں لہذا انہی مشترکات کو موضوع بحث بنائیں اور ایک دوسرے کو قریب لائیں ۔ ساتواں نکتہ یہ ہے کہ جمعہ ،عیدین اور دیگر مواقع پر منبر و محراب سے فرقہ وارانہ گفتگو سے بچیں اور اصلاحی خطبات کا اہتما م کریں۔آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ مساجد کو بلا تخصیص مذہب و مسلک عوام کی دینی تعلیم و رہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے اور عصری تعلیمی اداروں کے طلبا اور نوجوانوں کو مسجد کے ماحول سے جوڑنے کا اہتما م کیا جائے۔ اور مقامی مستحقین کی بھرپور امداد کی جائے۔ نواں نکتہ یہ ہے کہ کسی مسلک و مذہب کی مساجد پر قبضے کی کوشش اور فرقہ واریت پھیلانے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ دسواں نکتہ یہ ہے کہ مدارس میں بنیادی زور دین کی تعلیمات پر ہو نہ کہ اپنے مسلک کی برتری پر، اور طلباء کے سامنے بھی مشترکات کو ابھارا جائے اور مسالک و مذاہب کے مابین ہم آہنگی کو بنیادی نصاب میں رکھا جائے۔ گیارہواں نکتہ یہ ہے کہ اساتذہ کرام دوران تدریس اپنے مسلک کو حق و دوسرے کے مسلک کو باطل قرار دینے کی روش سے اجتناب کریں۔بارہوں نکتہ یہ ہے کہ مدارس میں سب اساتذہ و طلبہ کا ایک ہی مسلک سے ہونے کی شرط کو ختم کیا جائے۔ تیرہواں نکتہ یہ ہے کہ دینی مدارس میں عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے انتظامات کیے جائیں۔ چودہواں نکتہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے نصاب کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے تا کہ مدارس سے فارغ

التحصیل طلبہ ملکی و معاشرتی مسائل کو اسلامی تعلیمات کے مطابق حل کر سکیں۔پندرہواں نکتہ یہ ہے کہ علما معاشرے میں بڑھتے ہوئے اخلاقی بگاڑ کو ختم کریں اور جدید تعلیم اور میڈیا کی اصلاح کریں۔ سولہواں نکتہ یہ ہے علما کرام معاشرے میں فلاحی سرگرمیوں کو فروغ دیں۔تا کہ عوام کا علما پر اعتماد و بھروسہ ہو۔سترہواں نکتہ یہ ہے کہ مسلک کی بنیاد پر سیاسی جماعتیں بنانے کے بجائے نفاذ شریعت کے متفقہ پروگرام پر جمع ہو کر ایک تحریک کی صورت میں کام کریں۔اور آخری نکتہ یہ ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں اپنی نشستیں جیتنے کے بعد آپس میں محاذ آرائی سے بچیں یہ محاذ آرائی دین اور عوام الناس کی دین سے دوری کا سبب بنتا ہے۔[22]

دوسری فصل:''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ''کے موضوع پر ایک سوالنامہ مرتب کر ملک و بیرون ملک علما کو بھیجوایا۔ جس کے جواب میں فقہ اکیڈمی کو ملک و بیرون ملک سے علما کرام کے ۳۷ مقالے موصول ہوئے۔ اس سلسلے میں فقہ اکیڈمی کی جانب سے با رہواں فقہی سمینار ۱۱تا ۱۴/فروری ۲۰۰۰ء کو دارلعلوم اسلامی بستی میں منعقد کیاگیا۔ جس میں ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ''کے موضوع پر موصول ہونے والے مقالات کا خلاصہ شرکاء کے سامنے پیش کیا گیا۔[23]

اس سلسلے میں یہاں چند مقالہ نگاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں :

ڈاکٹر عبدالمجید محمد سوسوہ کی رائے

ڈاکٹر عبدالمجید محمد سوسوہ شارقہ یونی ورسٹی شارجہ،متحدہ عرب امارات میں بطور پروفیسر ذمہ داری سر انجام دے رہے ہیں۔''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ''کے حوالے سے وہ اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> اجتہادات نصوص وحی یعنی قرآن و سنت میں پوشیدہ احکام کی توضیح ہیں۔مجتہدین یا تو نصوص کے الفاظ سے یا پھر ان کے معانی سے احکام کا استنباط کرتے ہیں، یوں ہی محض اپنی رائے یا خواہش کی بنیاد پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کر دیتے۔ وہ نصوص وحی پر اعتماد کرتے اور انہی کے دائرے میں رہتے ہیں، ان سے متجاوز نہیں ہوتے۔اس لحاظ سے فقہا جو احکام مستنبط کرتے ہیں وہ حقیقت میں شریعت کی ہی نمائندگی کرتے ہیں اس لیے کہ وہ نصوص وحی سے ماخوذ اور اسی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے

---

[22]۔اتحاد بین العلماء والمسالک کے بارے میں ۲۳ علمائےکرام کے متفقہ ۱۸ نکات (۲۰۱۳ء)، ملی مجلس شرعی ،لاہور ،نومبر ۲۰۱۵ء، ص۱۷۔۲۰

[23]۔ اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ،ایفا پبلیکیشنز ، نئی دہلی ،فروری ۲۰۱۱ء،ص۱۷

انہیں محض فقہاء کی مجرد آراء سمجھتے ہوئے نظر انداز کرنا صحیح نہیں ہے،فقہا کے ان اجتہادات میں سے کسی بھی اجتہاد کو اختیار کرنا ضروری ہے ان سے پہلو تہی کرتے ہوئے اپنی آراء و خواہشات کو مدار عمل بنا لینا سراسر غلط ہے۔[24]

محمد المختار السلامی (سوڈان)کی رائے

''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' کے حوالے سے محمد المختار لکھتے ہیں :

فقہاء کے فقہی استنباطات اور فروعی اجتہادات کا بحیثیت شریعت احترام کرنا لازمی ہے،ان کا تمسخر یا ائمہ و اسلاف میں سے کسی کی توہین و مذمت شرائع اسلام کی توہین ہے جس سے کفرکا اندیشہ ہے، اس لیے کہ آج شریعت انہی مذاہب اربعہ کی صورتوں میں موجود ومحفوظ ہے،اس لیے ان کی توہین گویا شریعت مطہرہ کی توہین ہے۔[25]

مولانا یحیٰ نعمانی کی رائے

مولانا یحییٰ نعمانی ماہانہ الفرقانلکھنؤ کے معاون مدیر ہیں۔آپ اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت کے حوالے سے اپنے مقالہ کے آخر میں بحث کے نتائج کا حاصل بیان کرتے ہو ئے لکھتے ہیں :

فقہی مسائل میں سے کسی ایک پر عمل کرنے والے کا دوسری رائے پر عمل کرنے والے پر سخت تنقید کرنا اور اس کو کتاب و سنت اور رسول کی اتباع سے سرگردانی کرنے کا مر تکب قرار دینا جائز نہیں ہے، اور خطرہ یہ ہے کہ یہ عمل اللہ کی طرف سے سخت ناراضی کا باعث نہ بن جائے۔ سلف کی روش ان اختلافی مسائل کے سلسلے میں یہی رہی ہے کہ انہوں نے اس میں پوری وسعت رکھی ہے اور اس میں امت کے لیے خیر ہے،خاص طور پر مغلوبیت اسلام کے اس دور میں جب کہ دین کی غربت اپنی آخری انتہا ؤں کو پہنچ رہی ہے،کوئی ایسا عمل جس سے امت کی وحدت پر رخنہ پڑے،سخت افسوس ناک ہے۔ اختلافی مسائل میں جب کہ ضرر عام ہو اور معاشرہ کی عام ضروریات کسی ایک رائے سے متاثر ہو رہی ہوں تو ایسے موقعہ پر علما کو کسی دوسری رائے پر فتویٰ دینا نہ صرف جائز ہو گا، بلکہ شرعی مصلحت کا تقاضا ہو گا، لیکن اس موقعہ پر اس کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ حاجت عام ہو اور مسئلہ شرعاً مجتہد فیہ ہو۔[26]

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی کی رائے

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' کے حوالے سے رقم طراز ہیں :

---

[24]۔اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ،۱۳۷

[25]۔ اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ،ص۲۵۰

[26]۔ اختلاف ئمہ کی شرعی حیثیت ، ص۳۰۹

اس حقیقت کے اظہار سے کوئی مفر نہیں کہ احکام کا وہ ذخیرہ جو ہمارے متقدمین ائمہ مجتہدین نے کتا ب و سنت کی روشنی میں اپنے اپنے طریق استنباط کے پیش نظر بڑی دیدہ ریزی اور بے انتہا احتیاط سے چھان پھٹک کر تیار کیا اور امت کو عطا کیا بلا شبہ وہ شریعت کا حصہ ہے اور حدیث نبوی کے اجمال کی تو ضیح و تفصیل ہے ، یہ سارے مسالک اپنے اختلاف و تباین کے باوجود برحق اور مخلصانہ طور سے ایضاح احادیث کی کوششیں ہیں جو سر چشمہ شریعت سے منسلک و مربوط ہیں۔[27]

مولانا شفیق الرحمن ندوی ؒ کی رائے

مولانا شفیق الرحمن ندویؒ ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' کے حوالے سے لکھتے ہیں :

احکام کا و ہ مجموعہ جو ائمہ مجتہدین نے بنیادی طور پر کتاب و سنت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اپنے مناہجِ استنباط کی روشنی میں مستنبط کیے ہیں وہ مرتب فقہی ذخیرہ امت کے سامنے پیش کیا ہے وہ شریعت محمد ی ہی کی تعبیر و تشریح ہے، اس کے اتباع کو اتباع ہوٰی کہنا جسارت بے جا اور زیادتی ہے۔[28]

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ کی رائے

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' کے حوالے سے فرماتے ہیں :

مختلف فیہ اور اجتہادی مسائل میں ائمہ مجتہدین او رفقہاء امت کے مابین جو فکر و نظر اور رائے کا اختلاف ہے یہ حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہم ایک رائے کو صواب محتمل خطا اور دوسری رائے کو خطا محتمل صواب قرار دیں گے۔ یعنی جس رائے اور قول پر ہمارا عمل ہے اسی میں حق کو منحصر نہیں کریں گے۔ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم جس رائے پر عمل کر رہے ہیں وہ صواب محتمل خطا اور اس کے مقابل جو رائے ہے وہ خطا محتمل صواب ہے۔ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم جس رائے کو مان رہے ہیں وہ غلط ہو اور دوسری رائے درست و صواب ہو۔ مجتہد فیہ مسائل میں فقہا کے اقوال اور ان کی آراء میں سے کسی ایک رائے میں حق کو منحصر رکھنا درست نہیں۔[29]

اس کے بعد مولانا اختر امام عادل کی سربراہی میں آٹھ علما کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جنہوں نے ان مقالات کی روشنی میں تجاویز مرتب کر کے پیش کیں۔سمیناز کے شرکاء نے کمیٹی کی طرف سے پیش کردہ تجاویز پر بحث و مباحثہ کے بعد جو متفقہ فیصلے کیے وہ مندرجہ ذیل ہیں :

---

[27]۔اختلاف ئمہ کی شرعی حیثیت ،ص۳۸۸

[28]۔ اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ،ص۵۱۸

[29]۔اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ،ص۵۲۰۔۵۲۱

1. احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں : منصوص اور غیر منصوص،منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں،اور غیر منصوص احکام سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہا ء امت کے اجتہاد و استنباط سے ہے۔ بلا شبہ ائمہ و فقہا ء کے اجتہادات و استنباطات اور ان کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہے۔
2. ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق و باطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعدادوہ ہے جن میں افضل و غیر افضل،راجح ، غیر راجح کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطا اور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔
3. عامی جو کتاب و سنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لیے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد و مستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے، وہ اس طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔
4. ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا، یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے، اور یہ کسی مسلمان کے لیے دنیا وآخرت میں سخت بد نصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔
5. اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری ، ادب و احترام، ایک دوسرے کے مقام و منصب کو ملحوظ رکھنے اور اور ان کے علوم و معارف کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی ر ہی ہے،ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلا شبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لیے مشعل راہ ہے، افرادِ امت کی ذمہ داری ہے کہ اس روش کو اختیار کریں اور اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال پر چلیں۔
6. اگر وقت و حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک عمل حرج اور دشواری کا باعث ہو اور دوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دور ہو جائے تو ایسی صورت میں علما و فقہا جو اصحاب ورع و تقویٰ اور ارباب علم و فہم ہوں ان کے لیے دوسری رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پر فتویٰ دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

7. اگر صورت حال ایسی پیش آئے کہ کچھ مسائل میں مستند علما و فقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اور مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائےکو دفع حرج کے لیے اختیار کرے اور اس پر فتویٰ دے،جب کہ دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لیے اس رائے پر عمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور اصحاب افتا ء کےلیے اس رائے پر بھی فتویٰ دینا جائز ہے۔[30]

مندرجہ بالا فیصلوں سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آتی ہے کہ متفرق فقہاء کا قیمتی ذخیرہ اصل میں قرآن و سنت کی توضیح و تشریح ہے۔ جس کو حق و باطل کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔اسی طرح متقدمین ائمہ و فقہاء کا اپنا طرزِ عمل بھی دوسرے کی رائے کو ادب و احترام سے دیکھنا اور وسعت قلبی کا تھا۔ نیز ان فیصلوں میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ حرج و ضرورت کے موقع پر کسی مذہب کا ماننےوالا دوسرے مذہب کے قول کو اختیار کر سکتا ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ حرج و ضرورت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ اہل علم و تقویٰ کو باہم مشاورت سے کرنا چاہیے۔اب کسی زمانے میں اہل علم و تقویٰ کون ہے اس کے تعین میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔بعض کے نزدیک کچھ لوگ اہل علم و تقویٰ ہوں اور بعض کے نزدیک وہ اہل علم و تقویٰ میں سے نہ ہوں۔ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں :

> امتِ مسلمہ نے جن بزرگوں کے اجتہادات کو ان کے اخلاق،تقویٰ اور کردار کی وجہ سے قابلِ قبول سمجھا وہ معروف و مشہور ہیں۔ان میں مذاہبِ فقہ کے بانی ائمہ اور دوسرے فقہا شامل ہیں۔ایسے فقہا کے اجتہادات بھی قبول کیے گئے جو کسی فقہی مسلک کے بانی تو نہیں ہوئے لیکن ان کی حیثیت اتنی غیر معمولی ہے کہ آج بھی لوگ ان کے اجتہادات سے استفادہ کر رہے ہیں۔ابن تیمیہ اور ابن قیم کی ذات اتنی غیر معمولی ہے کہ لوگ آج تک ان کے خیالات اور اجتہادات کی پیروی کر رہے ہیں۔شاہ ولی اللہ دہلوی بھی کسی فقہی مسلک کے بانی نہیں ہیں۔لیکن ان کے اجتہادات کو دنیا میں لاکھوں کروڑوں لوگ مانتے ہیں۔اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔[31]

اس سلسلے میں راقم کا خیال ہے کہ ملک کے اندر ایسا ادارہ ناگزیر ہے جس میں سارے دینی مکاتب ِ فکر کے معتمد علما کی نمائندگی ہو۔جس کے لیے آئندہ صفحات میں اس ادارے کی تفصیل ذکر کریں گے۔

---

[30]۔ اختلاف آئمہ کی شرعی حیثیت ،ص۱۸۔۱۹

[31]۔ غازی ، محمود احمد ، ڈاکٹر ، محاضرات شریعت ، الفیصل ناشران و تاجران کتب ،لاہور ، ۲۰۰۹ء،ص۳۳۵

تیسری فصل :فقہی اختلافات کا حل

موجودہ دورمیں فقہی اختلاف کے حل اور اسلامی قانون ساز ی میں مسلمانان پاکستان کامجوزہ کردار

حکومت کا کردار

ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے معاملات باہم مشاورت سے انجام دیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (۳۸:۴۲)

ترجمہ : اور ان کے معاملات باہم مشاورت سے طے پاتے ہیں۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں :

کہ امرھم شوریٰ بینھم کا قاعدہ خود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقا ضہ کرتا ہے۔جن کا خلاصہ مندر جہ ذیل ہے۔

اول یہ کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں سے وابستہ ہوں انہیں اظہارِ رائے کی پوری آزادی حاصل ہو۔اور انہیں اس بات کا علم ہو کہ ان کے معاملات فی الواقع کس طرح چلائے جا رہے ہیں۔تاکہ اگر وہ غلطی یا خامی دیکھیں تو اس پر ٹوک سکیں۔

دوم یہ کہ اجتماعی معاملات کو چلانے کی ذمہ داری جس شخص پر ڈالنی ہو انہیں لوگوں کی رضامندی سے مقرر کیا جائے۔قوم کا حقیقی سربراہ وہی ہوتا ہے جس کو لوگ اپنی خوشی اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

سوم یہ کہ سربراہ کو مشورہ دینے والے بھی وہ لوگ ہوں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو۔ظاہر بات ہے ایسے لوگ نااہل قرار پائیں گےجو دباؤ ڈال کر یا لوگوں کو گمراہ کر کے نمائندگی کا مقام حاصل کریں۔

چہارم یہ کہ مشورہ دینے والےاپنےعلم، ایمان اور ضمیر کے مطابق رائے دیں۔کسی لالچ اور خوف کی بناءپرکسی خاص گروہ کی حمایت نہ کریں۔

پنجم یہ کہ مشورہ اہلِ شوریٰ کےاتفاقِ رائے سے دیا جائے،اور جسے اکثریت کی تائید حاصل ہو،اسے تسلیم کیا جائے۔کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کو سننے کے بعد اپنی من مانی کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنیٰ ہو جاتی ہے۔ اسلام کے اصولِ شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہئے کہ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات کو چلانےمیں مطلق العنان اور مختارِکل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کی حدود سے محدود ہے۔جو اللہ تعالیٰ نے اپنی تشریع سے مقرر فرمایا ہے۔اور اس قاعدے کی پابند ہے ''تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔''اس قاعدہ کلیہ کےلحاظ سے مسلمان شرعی معاملات میں اس امر پر تو مشورہ کر سکتے ہیں کہ کسی نص کا صحیح مفہوم کیا ہے۔اور اس پر عمل درآمد کس طریقے سے کیا جائے،لیکن اس غرض سے کوئی مشورہ نہیں کر سکتے کہ جس معاملہ کا

فیصلہ اللہ اور اسکے رسول ﷺنے کر دیا ہواس میں وہ خود کوئی آزادانہ فیصلے کریں۔[32]

اسلامائزیشن کے لیے بنائے گئے اداروں کا کردار

پاکستان میں جو ادارے اسلامی قانون کی تدوین و نفاذ کے حوالے سے کام کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. ادارہ تحقیقات ِ اسلامی
2. اسلامی نظریاتی کونسل
3. وفاقی شرعی عدالت
4. اسلامی یونی ورسٹی
5. فیڈرل کونسل
6. لاء کمیشن
7. وزارت مذہبی امور
8. وزارت قانون

یہ سارے ادارے بنیادی طور پر اسلامی قانون کی تدوین و نفاذ کے لیے بنائے گئے لیکن ان اداروں کے مابین ربط و تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور ان کے مابین کام کی نوعیت ویسی ہی ہے کہ فائلوں کا ایک دفتر سے دوسرے دفتر آنا جانا۔ کوئی مربوط کام نظر نہیں آ رہا۔بلکہ مختلف معاملات میں یہ ادارے آپس میں چپقلش کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے قصاص و دیت کے قانون کے بارے میں ،جو مسودہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بنایا تھا ،اسے فیڈرل کونسل نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ اسلامی نظریاتی کونسل کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔[33]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ اداروں کے مابین وہ ربط و تعلق اور استفادہ و افادہ نہ ہونے کے برابر ہے۔اس سلسلے میں گزارش کی جاتی ہے کہ ہر ادارہ اپنے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کرے اور ان کے مابین ربط و تعلق گہرا و مضبوط ہو اور یہ ایک دوسرے کے لیے ممدو معاون ہوں۔

اسلامی قانون سازی میں ممبران اسمبلی علما کا کردار

پارلیمنٹ چوں کہ ایک دستور ساز ادارہ ہے اس لیے وہ علما اور دین دار لوگ جو الیکشن کے ذریعے منتخب ہو کر ممبران اسمبلی بنتے ہیں ، انہیں اسلامی قانون سازی کے حوالے سے بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔ان کی موجودگی میں کوئی قانون یا بل جو قرآن و سنت کے خلاف ہو،پاس نہیں ہونے دینا چاہیے ،اس حوالے سے سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ ممبران اسمبلی کو اپنی حیثیت وحقوق کا اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ بطور ممبر اسمبلی کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔اور اسمبلی اور اسلامی قانون سازی کے حوالے

---

[32]۔ مودودی،ابو الاعلیٰ،سید ،اسلامی ریاست،اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ)لمیٹڈ،ستمبر ۲۰۰۸، ص ۶۶۱۔۶۶۵

[33]۔محمد امین ، ص۔۲۱۷

سے مؤثر آواز اٹھانی چاہیے۔اسی طرح دیگر جماعتوں کے وہ ارکان جو دینی سوچ و فکر رکھتے ہوں انہیں ہم نوا بنا کر دستورِ پاکستان میں اور ملکی قوانین میں موجود سقم کو دور کرنا چاہیے۔ان علما کی پشت پر پاکستان کی آبادی کی اکثریت ،جو ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی خواہاں ہے،موجود ہے۔اگر اسمبلی میں قلت کی وجہ سے ان کی بات کو اہمیت نہ دی جائے تو عوامی پریشر کے ذریعے اپنے مطالبات کی منظوری کی کوشش کر نی چاہیے۔اسی طرح ممبران اسمبلی کا کردار پارلیمنٹ میں محض اپنی پارٹی کی حد تک نہیں ہونا چاہیے بلکہ نصح و خیر خواہی کے تحت اور بلا جانب داری تمام ارکان ِ اسمبلی کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانا چاہیے۔کسی موقع پر بھی اپنے آپ کو محض ایک فریق کی حیثیت سے ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔اسی طرح متفرق مسالک سے تعلق رکھنے والی جماعتوں کے ممبران کے آپس میں تعلقات کو فروغ دیا جائے اور یک جہتی پیدا کی جائے۔اس لیے کہ ملک میں اسلامی قانون سازی کے حوالے سے پاکستان کے تمام مسالک متفق ہیں اور ان کی اس حوالے سے اجتماعی کاوشوں کا ہم اس باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

عوام الناس کا کردار

اسلامی قانون سازی کے حوالے سے عوام الناس کا کردار بہت ہی اہم ہوتا ہے۔آئین ِ پاکستان میں مملکتِ پاکستان کے شہریوں کے لیے اسلامی قانون و دستور سازی میں کردار ادا کر نے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔چناں چہ ایسی انجمن سازی کی اجازت دی گئی ہے جو ملکی قانون کے تابع ہو۔اور دستور کی دفعہ ۲(الف) میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہو گی اور منتخب نمائندے اختیارات کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ امانت کے طور پر استعمال کریں گے۔اسی طرح ملکی قانون کے دائرے میں شہریوں کے اجتماع کی آزادی بھی دی گئی ہے۔ اس کے ذریعے عوام الناس اسلامی قانون سازی میں مؤثر انداز میں پیش کر سکتے ہیں۔اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کی دفعہ ۲۰۳ میں مملکت کے شہریوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ سمجھیں کہ وہ قرآ ن وسنت کے خلاف ہے تو اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر سکتے ہیں۔اور اس کے لیے سادہ کاغذ پر اپنا مدعا لکھ کر عدالت میں جمع کر ا دیں یا پوسٹ کر دیں اس کے لیے کسی فیس اور وکیل وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے دیگر معاملات عدالت خود ترتیب دیتی ہے جس میں فریقین کو بلانا ،ان کا موقف سننا وغیرہ شامل ہیں۔

تعلیم و تعلم میں مشغول علما کا کردار

تعلیم و تعلم میں مشغول علما کی ذمہ داریاں دو طرح سے ہیں ایک تو یہ کہ عوام الناس میں اسلامی قانون سازی یا دوسرے معنوں میں نظام خلافت کے قیام کی شعور و آگاہی پید اکریں۔ثانیاً اس مقصد کے لیے ملک کی علمی ضرورت کو پوراکریں۔ان علمی ضروریات میں آئین پاکستان کی

اسلامی دفعات کے سقم کو دور کر کے ترمیمی دفعات حکومت کو پیش کرنا جو آئینی تقاضوں کو پورا کرتی ہوں۔اسی طرح وہ قوانین جو قرآن و سنت کے خلاف ہیں،انہیں فیڈرل شریعت کورٹ میں چلینج کرنے کے لیے مؤثر علمی کام اور اشکالات کے جوابات کی تیاری کا کام شامل ہے،جس کا مجوزہ خاکہ ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

چوتھی فصل:مشترکہ فقہی مسائل کی قانونی سازی کے لیے فقہ اکیڈمی کا تصور و خدو خال

مملکت ِ خدادادِ پاکستان میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تشریح و توضیح کر سکے۔اس ادارے کےمجوزہ اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں :

- آئین پاکستان کی اسلامی دفعات سے سقم کو دور کرنے کے لیے تجاویز پیش کرنا۔
- اسلامی قانون کی تدوین کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی معاونت کرنا۔
- قانون کے اسلامی و غیر اسلامی ہونے کے حوالے سے وفاقی شرعی عدالت و شریعت اپیلٹ بنچ میں زیر ِسماعت درخواستوں و اپیلوں کےحوالے سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات میں رہنمائی فراہم کرنا۔
- معاشیات کوقرآن وسنت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق عصر ِحاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کےلیے متفرق ملکی و بین الاقوامی اسلامی فقہی مذاہب کے لیے متفقہ مشترکہ قواعد و ضوابط کی تدوین کرنا۔
- متفرق فقہی مذاہب کے ذخیرہ علم سے فقہ ِاسلامی کی تدوین کرنا،جو مستقبل میں قائم ہونے والی عالمی اسلامی ریاست کے لیےفقہ و قانون کی ضرورت پوری کر سکے۔
- ایسے افراد کی تیاری جو دور حاضر میں علم الکلام و فقہ و فلسفہ کے حوالے سے معترضین و مستشرقین کی جانب سے اٹھائے جانے والے سوالات کا اعلیٰ علمی سطح پر مدلل جواب دے سکیں۔

مندرجہ بالا اغراض مقاصد کے حصول کے لیے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے متفرق فقہی مذاہب کے جید علما بلکہ دیگر ممالک کے فقہی مذاہب کے جید علما کو اس کا ممبر بنایا جائے۔اور اس میں ایسے علما ہوں جن کا علم و تقویٰ مسلم ہو۔جو اسلامی علوم و فنون پر مہارت کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے علمی،فقہی اور سماجی و معاشی تقاضوں سے پوری طرح واقف ہوں۔اس لیے کہ یہ کام تجدیدی نوعیت کا ہے اور عصر حاضر کی اہم ترین ضرورتوں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک کاسموپولیٹن فقہ کی تشکیل کا تصور پیش کرتے ہیں۔

ان کا نقطہ نظر یہی ہے کہ اس وقت اسلامی دنیا میں دستور و قانون سازی کے حوالے سے جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ اسلامی دستور سازی کے ضمن میں کی جارہی ہیں نہ کہ کسی خاص مسلک و مذہب کے تحت کی جارہی ہیں۔جیسے اس وقت بلا سود بنکاری کے حوالے سے اسلامی ممالک اور غیر مسلم ممالک میں جو ادارے وجود میں آ رہے ہیں ان کے قواعد و ضوابط میں کسی متعین فقہ کو نہیں رکھا گیا بلکہ زمانے اور حالات کی ضرورت کے پیش نظر تمام فقہی مذاہب سے استفادہ کر کے اسلامی قواعد و ضوابط وضع کیے جارہے ہیں۔[34]

متفرق فقہی مذاہب کے علمی کام کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں :

> فقہی ذخیرہ مختلف مکاتب فقہ کے علمائے کرام نے الگ الگ بھی تیار کیا ہے۔ اور اس میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو بحیثیت مجموعی فقہ اسلامی سے بحث کرتی ہیں۔ جن کا براہ راست کسی خاص فقہی مسلک سے تعلق نہیں ہے۔ یوں تو ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات رکھنی چاہیے کہ فقہ اسلامی کا سارا ذخیرہ مسلمانوں کا ذخیرہ ہے۔فقہ اسلامی کی یہ ساری کتابیں مسلمانوں کی کتابیں ہیں۔ ان سب کتابوں کی تیاری میں ان فقہائے اسلام نے حصہ لیا ہے جو ہر مسلمان کےلیے دلی احترام کے مستحق ہیں۔لہٰذا اس وقیع علمی کام کو فقہی حدود میں محدود نہیں کر دینا چاہیے۔اس فکر ی سمند ر کو مکاتب فقہ کی تنگنائیوں میں محدود کر دینا اس کی وسعت اور عالمگیریت کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔یہ کہنا کے فلاں کتاب کا تعلق میرے فقہی مسلک سے ہے اس لیے مجھے اس کا اہتما م سے مطالعہ کرنا چاہیے،اور فلاں کتاب کا تعلق میرے فقہی مسلک سے نہیں ہے اس لیے مجھے اس سے زیادہ اعتناء کرنے کی ضرورت نہیں،یہ ایک بہت بڑی محرومی کی بات ہے۔[35]

اسلامی قوانین کے نفاذ کا منہج

اسلامی قوانین کے نفاذ کے دو بنیاد ی طریقے معروف ہیں۔پہلا طریقہ یہ ہے کہ بلا تدوینِ قانونِ اسلامی ،ریاست یہ اعلان کردے کہ فلاں تاریخ سے شریعت کا نفاذ ہو گا اور عدالتیں مقدمات کے فیصلے شریعت یعنی قرآن وسنت کے مطابق کریں گی۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کو مدون کر کے عدالتوں کو اس کا پابند بنایا جائے کہ وہ مقدمات کے فیصلے ان مدون شدہ قوانین کے مطابق کریں۔[36]

اول الذکر طریقہ عالم اسلام میں صدیوں سے رائج رہا۔اور اس وقت سعودی عرب میں یہی طریقہ رائج ہے۔اسی طرح پاکستان میں شخصی

---

[34]۔غازی ،محمود احمد ، ڈاکٹر ، محاضرات فقہ ، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ،ص ۳۷۷۔۳۷۸

[35]۔ غازی ،ص ۳۷٦

[36]۔عثمانی ، ص ۵۴

قوانین کے اکثر فیصلے اسی طریقہ پر ہوتے ہیں۔ اس طریقہ کےتحت پورے ملک کی عدالتوں کے لیے ایسے قاضیوں کی ضرورت ہو گی جو فقہ اسلامی میں مہارت رکھتے ہو ں۔پورے ملک کی عدالتوں کے لیے ایسے قاضیوں کی فراہمی بحالتِ موجودہ نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن حد تک ہے۔اس لیے کہ ایسے قاضی جو ایک طرف اسلامی فقہ سے واقف ہو ں اور ان کے اندر فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہو،دیانت داری و تقویٰ بھی موجود ہو ،تو ایسے لوگوں کا پاکستان میں قحط ہے۔اس لیے کہ ایک موقع پر جب شرعی عدالتیں قائم کرنے کی بات ہو رہی تھی تو صرف راولپنڈی ڈویژون کے لیے قاضیوں کی تعداد اندازاً پینتالیس چاہیے تھی۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ملک بھر کے لے ماہر قاضیوں کی کتنی تعداد چاہیے ہو گی![37]

ہمارے ملک کا یہ المیہ ہے کہ قانون کی تعلیم میں اسلامی قوانین کی تعلیم کو وہ حیثیت نہیں دی جاتی جو دینی چاہیے۔ ایل ایل بی ، ایل ایل ایم کا جونصاب ہمارے ملک میں رائج ہے وہ ایسے افراد پیدا نہیں کر سکتا جو اسلامی قانون و فقہ کی مہارت رکھتے ہوں اور انہیں بطور قاضی کے نامزد کیا جا سکے۔ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد اس حوالے سے قدرے مثبت کا م کر رہی ہے کہ شریعہ اینڈ لاء کے پروگرام میں اسلامی قوانین کی تعلیم کو بنیاد ی حیثیت دے دی جاتی ہے ۔ تاہم وہاں سے بھی فارغ التحصیل افراد میں وہ استعدار نادر ہی نظر آتی ہے کہ انہیں کسی عدالت میں بطور قاضی مقرر کیا جائے اور وہ مقدمے کے حوالے سے خود اپنے علم کے مطابق علوم ِ اسلامیہ سے مراجعت کر کے مقدمہ کا فیصلہ کریں۔ دوسرا یہ کہ اگر بالفرض اتنی استعداد حاصل بھی ہو جائے تو پورے ملک کے عدالتی نظام کے لیے ایسے افراد کی تیاری بہرحال اس کے لیے مشکل ہے۔ اور چوں کہ اس وقت ملک میں مؤ خر الذکر طریقہ رائج ہےاس لیے اسی کی اصلاح و تسوید ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے۔

مؤخر الذکر طریقہ میں یہ آسانی ہے کہ قانو ن مدون شکل میں موجود ہوتا ہے۔اور قاضی (جج) کا کام مقدمات کے حوالے سے مدون قوانین کو دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کر لینا ہوتا ہے۔ لیکن بہر حال پورے قوانین کو مدون کرنے میں بھی کافی مسائل در پیش ہوتے ہیں۔ قانون کی زبان بڑی نازک ہوتی ہے۔اس میں ذرہ برابر الفاظ کا آگے پیچھے ہو جا نا فیصلہ کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ دقیق اور توجہ طلب کام ہے۔ جیسے خلافتِ عثمانیہ کے آخری دور میں اسلام کے دیوانی قانون کو مدون کرنے کے لیے علما کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں اس وقت کے

[37]۔ عثمانی ، ۵۴۔۵۵

چوٹی کے علما و مفتیان کرام موجود تھے۔اس کی تدوین میں آٹھ سال لگے اور مجلة الاحکام العدلية تیار ہو ا۔[38]

پانچویں فصل: پاکستان میں متفرق فقہی مذاہب کی موجودگی میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کا مجوزہ طریقہ کار

اب ہم پاکستان میں اسلامی قوانین کی تدوین و تنفیذ کے حوالے مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کے مجوزہ طریقہ کار پر بحث کریں گے۔
ملکی قوانین کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

(الف)۔پہلی قسم

پہلی قسم ان قوانین کی ہے جو قرآن وسنت نے متعین کر دیے ہیں۔ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی بالکل نہیں ہو سکتی۔جیسے کائنات کا حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان اللہ کا نمائندہ بن کر اس کے عطا کردہ اختیارات کو بطور امانت استعمال کرتا ہے۔آئین پا کستان کی دفعہ ۲ (الف) میں قرار داد ِ مقاصد کو شامل کیا گیا ہے جس میں اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

(ب)۔دوسری قسم

دوسری قسم ان قوانین کی ہے جو اجتہاد ی کہلاتے ہیں۔ یعنی ان قوانین کو قرآن و سنت سے مستنبط کیا جاتا ہے۔اور اسی استنباط کے متفرق طریقوں سے متفرق مذاہب وجود میں آئے۔
اب ان اجتہادی قوانین کی بھی دو قسمیں ہیں :
ایک وہ قانون جن کاتعلق اجتماعیت، یاریاستی قانون سے ہے۔
دوسرے وہ قوانین جن کا تعلق افراد کے ساتھ ہو یعنی شخصی قوانین جیسے نکاح ، طلاق، وصیت وغیرہ کے قوانین۔

(ج)۔تیسری قسم

تیسری قسم ان قوانین کی کہلاتی ہیں جو انتظامی قوانین کہلاتے ہیں۔
اب تینوں اقسام میں پہلی قسم (الف) کے قوانین کا تعلق براہ راست قرآن وسنت سے ہے۔جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ تیسری قسم انتظامی قوانین کی ہے۔جو پورے ملک کے منتخب نمائندے انتخابات کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ وہ ان ا نتظامی قوانین کو تشکیل دیں گے۔ان قوانین کا چوں کہ براہ راست قرآن وسنت سے تعلق نہیں ہے۔ان قوانین میں بس اس چیز کو دیکھنا ہو گا کہ کہیں کو ئی قانون قرآن و سنت کی تعلیمات سےمتصادم تو نہیں ہے۔
دوسری قسم(ب) اجتہادی قوانین کی کہلاتی ہے جسے مزید دو اقسام میں تقسیم کیا گیا۔قسم اول کا تعلق تو شخصی قوانین سے ہے جوہر

---

[38]۔ عثمانی ،ص ۵۷

مذہب و مسلک کے اپنے افکار و مذہب کے مطابق ہی تشکیل د یے جائیں گے۔ جبکہ ثانی الذکر جن کا تعلق ملکی قوانین سے ہے تو اس بارے میں دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔پہلا نقطہ نظر یہ کہ ان قوانین کو براہ راست قرآن مجید و سنت ِ رسول ﷺ کے ماخذ سے تشکیل دیا جائے۔اس نقطہ نظر کےقائلین بھی سلف سے چلتے آرہے ہیں،بہرحال ان کا گروہ قلیل رہا ہے۔اور دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مروج فقہی مذاہب کے ذخیرہ سے استفادہ کیا جائے۔اس لیے کہ براہ راست ان قوانین کو تشکیل دینا جب کہ نصوص میں سے چار سے پانچ سو قرآنی آیات موجود ہیں اور لگ بھگ چار سے پانچ ہزار احادیث کا مجموعہ موجود ہے ،جو سلف فقہا ء کے مطابق احکامات سے بحث کرتا ہے، تو اتنی قلیل نصوص سے آج کے لا تعداد مسائل حل کرنا یقیناً مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔اس لیے کہ وہ صلاحیتیں ، تقویٰ ، دیانت اور علمی استعداد جو اس اہم و نازک کام کےلیے درکار ہے وہ آج نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے ثانی الذکر نقطہ نظر زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

اب پاکستان کی سطح پر وہ اجتہادی امور جن کا تعلق ملکی قوانین سے ہے ،تو ان کو کس فقہی مذہب کے مطابق تشکیل دیا جائے گا ،جب کہ یہاں پر فقہ حنفی ، اہل حدیث اور اہل تشیع موجود ہیں۔ تو اس بارے میں یہ اصول ذہن میں رہے کہ اس ملکی قوانین کے وہ امور جن کا تعلق مالیات وتجارت یعنی بیع و شِراء کے ساتھ ہے۔ تو ان قوانین کے لیے بھی کسی معین فقہ کے مطابق قانون سازی نہیں ہو گی بلکہ دور ِ حاضر کی ضروریات کے پیش نظر نہ صرف ملکی مذاہب کی فقہ سے استفادہ کیا جائے گا، بلکہ دوسرے ممالک کے مذاہب کے فقہی ذخیرے سے بھی استفادہ کر کے مالیاتی قوانین مرتب کیے جائیں گے۔ اس لیے کہ بیرون ملک تجارت تو آج کل عام ہے اور متعلقہ ممالک کے افراد کا باہم ایک مسلک ہونا بھی ممکن نہیں ہوتا تو اس کے لیے ایسے معیار بنائے جائیں گے جو کسی بھی فقہی مذہب کے پیروکار کے لیے قابل ِ قبول ہوں۔

اب آخر میں ہم ان قوانین کی جانب آتے ہیں جن کا تعلق ملکی قوانین سے ہے اور انہیں ملکی سطح پر نافذ کرنا ہے تو اس بار ے میں زیادہ قرین ِ قیاس یہی را ئے معلوم ہوتی ہے کہ ان قوانین کو ملک کی اکثریتی فقہ کے مطابق تشکیل دیا جائے۔ پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہاں کی اکثریت فقہ حنفی سے تعلق رکھتی ہے تو ان قوانین کو فقہ حنفی کے مطابق تشکیل دیا جائے۔اور اس معاملے میں بھی اس بات کی گنجائش بہر حال موجود رہتی ہے کہ کسی قانون کو فقہ حنفی کے مطابق تشکیل دینا اس دور کی ضروریات کے پیش نظر ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے فقہی کی رائے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ سارے فقہا ء کا کام امت ِ مسلمہ کا اجتماعی ورثہ ہے۔اور جب کبھی اسلامی نظام کو عالمی سطح پر تنفیذ کی ضرورت پیش آئے گی ،اور احادیث کے مطابق

ایسا ضرور ہو گا ، تو اس موقع پر ان تما م فقہا کے علمی ذخیرے سے نئی فقہ اسلامی کی تشکیل ہو گی۔

اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کہ ملکی قوانین کی تدوین میں کسی خاص فقہ کے بجائے تمام فقہوں سے مدد و استفادہ کرنا چاہیے۔ اور مختلف مسائل میں جس فقہ کا اجتہاد قرآن سنت سے اقرب اور حالات سے ہم آہنگ پائیں اسے اختیار کر لیں۔ تا کہ کسی متعین فقہ کے بجائے تمام فقہا کے علمی کام سے مستفیض ہو سکیں۔ بہر حال وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کہ پاکستان میں چوں کہ فقہ حنفی کی اکثریت ہے اور ملکی قوانین کی تدوین میں اگر اس کو وہ اہمیت نہ دی گئی جس کی یہ مستحق ہے تو اس سے مزید خرابیاں جنم لیں گی۔[39]

بنیادی طور پر مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر بڑا معقول ہے اور خوش کن ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ اپنے اندر کئی طرح کی مشکلات لیے ہو ئے ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے رجال کار نہ ہونے کے برابر ہیں جو تمام فقہا کے علمی ذخیرے سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہوں۔ نہ صرف اچھی طرح واقفیت رکھتے ہوں بلکہ مختلف مذاہب کے مابین ترجیح قائم کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔اس مقصد کے لیے متفرق فقہی مذاہب کے معتمد علیہ علما پر مشتمل ایک ادارہ تشکیل دیا جائے جو مندرجہ بالا امور کو حل کر سکے۔پاکستان کے پیرائے میں ،اس ادارہ کا غیر سرکاری ہونا ضروری ہے۔اس لیے کہ اس مملکت کے سرکاری اداروں پر عوام الناس اور دیگر اہل علم کا وہ اعتماد و بھروسہ نہیں ہے جو کہ اس امر میں مطلوب ہے۔اب کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو ملکی قانون سے تعلق رکھتا ہے اور اکثریتی فقہ ،جس کے مطابق ملکی قوانین بنائے گئے ہیں، کے مطابق عمل کرنے میں حرج واقع ہو رہا ہو ،تواسے اس ادارے کے اہل ِعلم حضرات کے سامنے پیش کیا جائے۔اور اس پر غور و فکر و بحث و مباحثہ کیا جائے۔اور دیگر ممالک کے اس نوعیت کے اداروں سے بھی اس بارے میں رائے لی جائے۔پھر اس کا حل ڈھونڈا جائے۔ایسی صورت میں نزاعات اور خلفشار کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔اور وہ متفقہ فیصلہ سارے دینی مکاتب ِ فکر کے لیے قابل قبول ہو گا۔

اس نقطہ نظر کی تائید میں ہم چند اہل علم کی آراء پیش کرتے ہیں۔

مولانا مودودی کی رائے

---

[39]۔ اصلاحی ،امین احسن ، مولانا، اسلامی قانون کی تدوین ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ،جون ۱۹۷٦ء،ص۸۰۔۸۱

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ اس وقت پاکستان میں فقہ حنفی،اہل حدیث اور شیعہ تین ہی قابل ذکر مذاہب ہیں۔ فقہ حنفی کے دونوں گروہوں دیوبندی اور بریلوی کے مابین دستور و قانون میں کوئی اختلاف نہیں۔اسی طرح اہل حدیث اور احناف کے مابین بھی دستوری حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔صرف کچھ قانونی (فقہی) پہلوؤں میں اختلاف ہے۔البتہ فقہ حنفی اور اہل تشیعہ کے مابین دستوری اور قانونی پہلوؤں میں اختلاف ہے۔لیکن اس حوالے سے حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ ۱۹۵۱میں کراچی میں ۳۱ علما نے متفقہ طور پر دستور سازی کے لیے ۲۲نکات پر اتفاق کیا ہے۔جس میں فقہ حنفی ،اہل حدیث،اہل تشیعہ کے معتمد علما شامل تھے۔مولانا مودودی کے مطابق اگر جمہوری طور سے دیکھا جائے تو فقہ حنفی پاکستان میں اکثریت سے ہیں۔تو ملکی قانون تو اکثریتی فقہ کے مطابق بنے گا۔اور اقلیتی مکاتب فکر کے چار امو ر کو پوری طرح تسلیم کیا جائے گا۔جن میں ان کے شخصی معاملات پر ان کی اپنی فقہ نافذ ہو گی۔ملکی قانون کے اندر وہ اپنی مذہبی تعلیم حاصل کرنے اور عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔ان کے بچوں کو اپنی مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں گے اور ملکی قانون کے تابع وہ اپنے نظریات کی تبلیغ و تشہیر کر سکیں گے۔[40]

مفتی تقی عثمانی کی رائے

مفتی تقی عثمانی پاکستان میں متفرق مکاتب فکر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ چونکہ فقہ حنفی کی پاکستان میں اکثریت ہے تو عام ملکی قانون تو اسی فقہ کے مطابق بنایا جائے گا۔دیگر فرقوں کے شخصی قوانین ان کی اپنی فقہ کے مطابق بنائے جائیں گے۔چونکہ فقہ حنفی کے دو بڑے گروہ دیوبندی اور بریلوی مسلک کے لوگوں میں باہم دستور و قانون سے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی اور اہل حدیث کے درمیان بھی قانونی مسائل میں سوائے ایک دو جگہوں کے کوئی اختلاف نہیں۔ بقیہ صرف شیعہ مسلک کے لوگوں کے لیے شخصی قانون ان کی اپنی فقہ کے مطابق بنایا جائے گا۔جیسا کہ انگریزی دور میں بھی ان کے شخصی قوانین علیحدہ تھے۔۱۹۵۱ میں ان تمام مسالک کے معتمد علیہ علما نے دستور سازی کے لیے ۲۲ متفقہ نکات پیش کیے تھے۔جس سے واضح ہوا کہ پاکستان کے مکاتب فکر کے علمأ کے مابین اختلافات شریعت کے نفاذ میں مخل نہیں ہیں۔ [41]

امین احسن اصلاحی کی رائے

وہ فرقے جو مسلمانوں میں شامل متصور ہوتے ہیں ،لیکن وہ بعض عقائد اور شریعت کے بعض بنیادی ماخذ میں مسلمانوں کے سواد اعظم سے

---

[40]۔ ماہنامہ چراغ راہ،کراچی ،مارچ ۱۹۵۱ء ،ص۸۶۔۸۷

[41]۔ عثمانی ،محمدتقی ،نِفاذِ شریعت اور اُس کےمسائل ، ،مکتبہ دارالعلوم کراچی ، ۱۴۳۰ھ،ص۱۱۷

اختلاف رکھتے ہیں،ان کی اسلامی ریاست میں کیا حیثیت ہو گی۔اس بارے میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے دین ِ اسلام نے اسلامی ریاست کی شہریت کے لیے جوشرائط رکھیں ہیں اگر تو وہ فرقہ ان شرائط کو قبول کرتا ہے تو اسے اسلامی ریاست کی شہریت دی جائے اور اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی بھی دوسرے مسلمان شہریت رکھنے والےکو حاصل ہوتے ہیں۔اس لیے کہ خلافت راشدہ میں بھی خوارج کے فرقہ کو عقائد اور تاویل کی بنیادی گمراہیوں کے باوجود مسلمان فرقوں سے نہیں کاٹا گیا۔[42]

اوپر بیان کیے گئے تینوں نقطہائے نظر سے بات سامنے آئی کہ اقلیتی فرقوں میں سے جو فرقے اسلامی ریاست کی شہریت کی شرائط پوری کرتے ہیں انہیں اس ملک کا مسلمان شہری قرار دیا جائے۔مزید یہ کہ اسلامی قانون سازی کے ضمن میں متعلقہ فرقے کے شخصی قوانین اس کے اپنے مذہب کے مطابق بنائے جائیں گے۔اور ملکی قوانین میں بہر حال انہیں اکثریتی فرقے کے مطابق بنائے گئے قوانین پر عمل کرنا ہو گا۔لیکن اگر یہ اقلیتی فرقہ اپنے لیے ملکی قوانین بھی اپنے مذہب کے مطابق بنوانے کا مطالبہ کرے ،تو ظاہر ہے یہ بات قابل ِ قبول نہ ہوگی۔اس لیے کہ کسی ایک ملک میں دو یا زیادہ نظام کا تصور ممکن نہیں۔ امین احسن اصلاحی کی مندرجہ بالا رائے میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ کوئی فرقہ اگر اسلا می ریاست کی شہریت کی شرائط پوری کرتا ہے تو اس کے بعد اسے قانون سازی میں بھی مساویانہ حقوق حاصل ہوں گے یا نہیں۔راقم کا خیال یہی ہے کہ اسے شخصی معاملات کے فیصلوں میں تو اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی دی جائے گی۔نیز ملکی قوانین کے وہ فیصلے جو اکثریتی فقہ کے مطابق ہوں ان پر عمل کرنے میں حرج ہو تو اسے دوسرے فقہا کی رائے لینےکے حوالے سے مشورہ میں شامل کیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے

اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کے حل کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> عہد حاضر کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت ''نیم سیکولر'' ہو گا،یعنی جس طرح سیکولر نظام میں کم ازکم نظری طور پر تمام مذاہب و ادیان کو شہریوں کے شخصی معاملے کی حیثیت سے برابر تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کے ضمن میں ہر شخص کو مکمل آزادی دی جاتی ہے،اسی طرح جدید اسلامی ریاست یا نظام ِ خلافت میں پورے پرسنل لاء اور احوال شخصی (بشمول عائلی قوانین) میں جملہ فقہی مسالک برابر تسلیم کیے جائیں گے اور تمام شہریوں کو مکمل آزادی حاصل ہو گی کہ عقیدہ و عبادات،پیدائش،شادی بیاہ اور تہجیز و تکفین کی جملہ رسومات و

---

[42] اصلاحی ، امین احسن ، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل ،فاران فاؤنڈیشن ،لاہور ،۱۹۹۸ء،ص۸۲۔۸۳

تقریبات حتیٰ کے عائلی قوانین اور احکامِ میراث میں اپنے اپنے مسلک کے مطابق عمل کریں (اور جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ آزادی غیر مسلموں کو بھی بہ تمام و کمال حاصل ہو گی)۔اس ضمن میں مشکل صرف عائلی قوانین کے ضمن میں پیش آسکتی ہے،یعنی ہو سکتا ہے کہ لڑکا کسی ایک مسلک سے تعلق رکھتا ہو اور لڑکی کسی دوسری فقہ کی پیرو ہو ، اس صورت میں سادہ اور آسان حل یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر طے کر لیا جائے کہ اس شادی سے متعلق جملہ معاملات کس فقہ کے تحت طے ہوں گے،گویا دونوں میں سے کسی ایک کو،صرف عائلی قوانین کی حد تک دوسرے کے مسلک کو قبول کرنا ہو گا۔[43]

یہاں پر ڈاکٹر اسرار احمد نے نیم سیکولر کی اصطلاح استعمال کی۔جس سے ان کی مراد یہ ہے جیسا کہ سیکولر نظام حکومت میں شہریوں کے مذہبی رجحانات کو تسلیم کیا جاتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔اسی طرح اسلامی ریاست میں مملکت کے شہریوں کو انفرادی زندگی میں اپنے مذاہب کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی ہو گی حتیٰ کہ غیر مسلم بھی اپنے مذہب کے مطابق مراسم عبودیت ادا کر سکیں گے۔ ایک سیکولر ریاست کے اجتماعی نظام میں ان مذاہب کا عمل در آمد بالکل نہیں ہوتا۔ لیکن اسلامی ریاست میں یہ ممکن نہیں کہ اجتماعی نظام میں مذہب کے عمل دخل کو ختم کر دیا جائے بلکہ اسلام کا اپنا پورا اجتماعی نظام ہے۔ان میں انفرادی طور پر مسلمہ اسلامی مذاہب میں سے کس اصول کے مطابق اجتماعی نظام چلایا جائے گا؟

اس حوالے سے ان کا مؤقف ہے کہ ملکی قوانین کے حوالے سے دو طریقوں میں سے کسی طریقے کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔اول یہ کہ ملکی قوانین کی تشکیل میں کسی معین فقہ کے بجائے براہ راست قرآن و سنت سے قوانین لیے جائیں جس میں متفرق فقہی مذاہب کے اجتہادات کو بطور نظیر کے لیا جائے، اور اس طرح یہ تمام فقہی مذاہب مشترکہ عملی میراث کی حیثیت رکھیں گے۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قانونِ ملکی کو ملک کی اکثریتی فقہ کے مطابق بنایا جائے۔انہوں نے بطور مثال ایران کو پیش کیا جہاں پر ملکی قوانین تو شیعہ مذہب کے مطابق بنائے گئے ہیں جب کہ شخصی قوانین میں دیگر مذاہب کو آزادی دی گئی ہے۔[44]

ان میں سے اول طریقہ کے حوالے میں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں مشکلات زیادہ ہیں ،بہر حال یہ کام مستقبل میں عالمی اسلامی ریاست کے حوالے سے کیا جائے گا جس میں فقہا کے کام کو بنیاد بنا کر اسلامی فقہ بنائی جائے گی۔ دوسرا طریقہ بحالتِ موجودہ قابل عمل معلوم ہوتا ہے۔پاکستان کے اعتبار سے دیکھا جائے تو فقہ حنفی ملکی آبادی کی

---

[43]۔ احمد ، اسرار ،ڈاکٹر، پاکستان میں نظام خلافت کیا ، کیوں اور کیسے ؟،مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ،دسمبر ۲۰۰۵ء،ص۲۶۔۲۷

[44]۔احمد ، ص۲۷

اکثریت پر مشتمل ہے اس لیے ملکی قانون کو فقہ حنفی کے مطابق تشکیل دیا جا ئے اس کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کے ایسے مسائل جو عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق قابل عمل نہ ہوں ان مسائل پر دیگر فقہا کی آراء کو لیا جا سکتا ہے۔جس کی شرائط و طریقہ کار ہم ماقبل عرض کر چکے ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد نے اجتماعی خلافت کا تصور بھی پیش کیاجس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں :

> موجودہ زمانے میں اسے بالغ رائے دہی کے اصول کے مطابق ریاست کی جغرافیائی حدود میں رہنے والے تمام بالغ مسلمان مردوں اور عورتوں تک وسیع کرنے میں کوئی نص شرعی مانع نہیں ہے،بلکہ فقہائے اسلام کا بیان کردہ اصول کہ ''تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں '' روح عصر کے عین مطابق ہے،اور جس طرح ایک مسلمان باپ کی وراثت میں اس کے محسن و متقی اور فاسق و فاجر بیٹے برابر کے شریک ہوتے ہیں،ایسے ہی خلیفہ اور شوریٰ یا مجلس ملی کے ارکان کے انتخاب کے ضمن میں رائے دہندگی کے حق کے معاملے میں بھی بالکل ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے۔[45]

چھٹی فصل :مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کا مجوزہ حل چند مثالیں

اس نظری بحث کے بعدمشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی یعنی تینوں طرح کے قوانین شخصی قوانین، ملکی قوانین اور مالیاتی و تجارتی قوانین کی دور حاضر خاص طور پر پاکستان میں تنفیذ کی قابل عمل صورتوں کو چند مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

شخصی قوانین

نکاح

الفاظِ نکاح اور اختلافِ فقہاء کا جائزہ

فقہ حنفی میں لفظ انکاح اور تزویج سے نکاح منعقد ہوتا ہے۔اسی طرح وہ الفاظ جو نکاح کے معنیٰ پر دلالت کرتےہیں،مثلاً تملیک، ہبہ اور صدقہ وغیرہ۔ امام قدوری لکھتے ہیں :

وينعقد النكاح بلفظ النكاح والتزويج والتمليك والهبة والصدقة۔[46]

اہل حدیث حضرات کے ہاں تزویج اورانکاحکےالفاظ سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے۔جیسا کہ بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں ایک حدیث کی شرح کے حوالے سے مرقوم ہے :

---

[45] احمد ، ص ۲۱

[46] القدوری ،الامام ابو الحسین احمد بن محمد بن احمد البغدادی ،مختصرالقدوری ، مکتبة البشریٰ کراتشی باکستان،2008م، ص484.

تملیک کے لفظ کے ساتھ نکاح کا انعقاد ہو جاتا ہے۔حنفیہ اور ہادویہ کا یہی مسلک ہے۔ تا ہم یہ بات مخفی نہیں ہے کہ زیر نظر حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔کہیں یہ لفظ تملیک کے ساتھ مروی ہے،کہیں لفظ تزویج کے ساتھ اور کہیں لفظ امکان (قابو میں دینے) کے ساتھ، درست روایت ان راویوں کی ہے جنھوں نے اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ'' میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کرا دیا (قدزوجنکھا) کیوں کہ اس لفظ کے راویوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور انہیں زیادہ جامع تسلیم کیا جاتا ہے۔ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ یہ ایک ہی لفظ ہے اور اس کا تعلق ایک ہی واقع کے ساتھ ہے۔لیکن حدیث کے ایک ہونے کے ساتھ ساتھ اس لفظ میں اختلاف ہے۔ظاہر بات یہ ہے کہ نبی ﷺکی زبان مبارک سے ادا ہونے والا لفظ ایک تھا۔اس لیے اس بارے میں ترجیح کے اصول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔دار قطنی سے منقول ہے کہ تمہارا نکاح کرا دیا(قدزوجتکھا) کیوں کہ اس لفظ کے راویوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور انہیں زیادہ حافظ تسلیم کیا جاتا ہے۔ مصنف کتاب نے فتح الباری‌کے اندر مذکورہ تین الفاظ کے سلسلے میں بڑی طویل بحث کی ہے۔اور اس پر کہا ہے''تزویج اور انکاح کی روایت زیادہ راجح ہے'' رہ گیا ابن التین کا یہ قول کہ'' اصحاب حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ (قدزوجتکھا) کی روایت ہی درست ہے نیز یہ کہ (ملکتکھا)''میں نے اسے تمہاری ملکیت میں دے دیا۔'' کی روایت وہم ہے۔''[47]

اسی طرح اہل تشیع حضرات کے ہاں بھی صرف تزویج،اور انکاح کے الفاظ سے نکاح منعقدہوتا ہے۔ جیسا کہ محمد جواد مغنیہ لکھتے ہیں :

وقال الإمامية: يجب أن يكون الإيجاب بلفظ زوجتُ وأنكحتُ، بصيغة الماضي، ولا ينعقد الزواج بغيرها، ولا بغير مادة الزواج والنكاح؛ لأنّهما يدلان على المقصود بدلالة الوضع، ولأنّ صيغة الماضي تفيد الجزم۔[48]

تجزیہ :

مذکورہ تینوں آراء کا تجزیہ کیا جائے تو نکاح کے منعقد ہونے کے بارے میں فقہاء کے دو نکتہ نظر ہیں۔ایک یہ کہ نکاح کے انعقاد کے لیے صریح الفاظ یعنی انکاح اور تزویج کا پایا جانا ضروری ہیں اس لیے کہ ان الفاظ کا وضع ہی انعقاد نکاح کے لیے ہے۔جب کہ دو سرا موقف یہ ہے کہ

---

[47]- الصنعانی ،سید محمد بن اسماعیل ، علامہ ، سبل السلام (شرح بلوغ المرام)، مترجم : مولانا عبدالقیوم ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ،2004ء،ص 308-309

[48]-مغنية،محمد جواد،الفقه على المذاهب الخمسةالطبعة الأُولى،مؤسسة الصادق للطباعة والنشرطهران،ص-294.

الفاظ صریح کے علاوہ وہ الفاظ جو نکاح کے معنیٰ[1] پر دلالت کرتے ہیں اس سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مشہور فقہی قاعدہ ہے :

العبرۃفی العقود للمقاصدو المعانی لا للألفاظ و المبانی۔[49]

اس قاعدہ کے مطابق عقود میں اس کے مقاصد اور معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ صرف اس کے ظاہری الفاظ پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ چوں کہ نکاح بھی ایک عقد ہے۔اور اس میں ایسے الفاظ جو اس کے مقاصدو معانی پر دلالت کرتے ہوں اس کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔ جیسا کہ فقہ حنفی میں کیا جاتا ہے۔

زوجۃ المفقود کے احکام اور اختلافِ فقہاء کا جائزہ

زوجۃ مفقود یعنی وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو جائے اور اس کی زندگی و موت کے بارے میں کوئی خبر نہ ہو ، کے بارے میں تمام فقہا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی عورت کے شوہر کے مفقود ہونے سے عقد زواج پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اور وہ عورت بدستور اسی شوہر کے نکاح میں رہے گی۔اور نکاح کے متعلقات بھی لاگو ہوں گے۔ اب وہ عورت کتنے عرصے تک انتظار کر کے دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے ؟ تو اس بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔دار قطنی کی ایک حدیث میں ہے :

امرأۃ المفقود امرأته حتی یأتیها الخبر۔[50]

اس حدیث کے مطابق وہ عورت اس کے نکاح میں رہے گی یہاں تک کہ اس کی موت کی یقینی خبر آجائے۔ اور حضرت علیؓ نے اس حدیث کی وضاحت یوں بیان کی کہ وہ عورت اسی شوہر کی عصمت (نکاح) میں رہے گی جب تک اس کی موت کی خبر یا اس کی جانب سے طلاق نہ آ جائے۔ اسی وجہ سے، ابن مسعودؓ،النخعی، أبو قلابہ، الشعبی، جابر بن زید، الحکم،حماد، ابن أبی لیلی، ابن شبرمۃ عثمان البتی، سفیان الثوری،الحسن بن حی اوربعض أصحاب الحدیث اسی قول کے قائل ہیں۔ کہ زوجہ مفقود شوہر کے موت کی خبر آنے تک انتظار کرے۔ اور حنفیہ اور اور شافعیہ کا قول ِجدید بھی یہی ہے۔

حضرت عمر ؓ کےقول کے مطابق زوجہ مفقود چار سال انتظار کرے گی اس کے بعد عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن کے پورا کرنے کے بعد کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اس قول کے قائلین میں عثمان، ابن عمر، ابن عباس، ابن الزبیراورعلی رضی اللہ عنھم اور ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں ۔اور شافعیہ کا قولِ قدیم بھی یہی ہے۔

اسی طرح سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ اگر وہ لڑائی میں مفقود ہوا ہے تو عورت ایک سال انتظار کرے۔اور لڑائی کے علاوہ مفقود ہو تو چار سال انتظار کرے۔

---

[49]۔ زیدان ، عبدالکریم ، الدکتور ، الوجیز فی شرح الواعد الفقھیة فی الشریعة الاسلامیة،مؤسة الرسالة ناشرون، بیروت،لبنان ، ۲۰۰۳م، ص۱۴۔

[50] . الدارقطني، علي بن عمر أبو الحسن ،سنن الدارقطني ، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان ، الطبعة: الأولى، 1424 هـ - 2004 م ،الجزء الرابع ، ص ۴۸۳، کتاب النکاح ،باب المهر.

مالکیہ کے ہاں اگر شوہر مسلمانوں کے شہروں میں مفقود ہوا ہو تو عورت چار سال انتظار کرے اس کے بعد عدت وفات پوری کرنے کے بعد کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے۔اور اگر دشمن کے علاقوں میں مفقود ہوا ہو تو اس کی موت کی خبر یا اتنی عمر تک انتظار کرے جتنی عمر تک اس جیسے لوگوں کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو۔[51]

تجزیہ :

زوجہ مفقود کے حوالے سے فقہاء کے مختلف اقوال سامنے آئے۔ حنفیہ اور مالکیہ (جب کہ زوج بلادالاعداءمیں مفقود ہوا ہو) کے نزدیک زوج موت کی خبر آنے یا اس جیسی عمر کے لوگوں کے زندہ رہنے کے امکانات ختم ہو جانے تک عورت انتظار کرے گی۔ جب کہ شافعیہ اور مالکیہ (اگر زوج بلاد المسلمین میں مفقود ہوا ہو) کے نزدیک عورت چار سال انتظار کرنے کے بعد عدت وفات گزار کر کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ قول اول کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اور عورت کو گویا پوری زندگی دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔اور خاوند کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے نان نفقہ کے حوالے سے مشکلات کا معاملہ بھی ہوتاہے۔ اس سلسلے میں قول ثانی پر فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔ اور متاخرین حنفی فقہا نے بھی قول ثانی پر فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ اس مسئلہ کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

> (زوجہ)مفقود کو بالاتفاق جمہور ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے جب تک اس کے ہم عمر ہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں جس وقت اس کی بستی میں اس کے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جاتا ہے یعنی قاضی اس کی موت کا حکم دے دیتا ہے اور اس کی میراث تقسیم کرنے وغیرہ کی اجازت ہوجاتی ہے۔اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ و مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کما ھو مصرح فی کتبھم۔اور امام اعظم و امام شافعی اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجہ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا کہ جب تک مفقود ہے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے او ر حسب قاعدہ اس کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کےنزدیک زوجہ مفقود کو اس کے ہم عمر وں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جب کہ اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص معرکۂ جنگ میں گم ہو گیا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا جس میں موت کا گمان غالب ہو یا سمند ر میں سفر کیا ہو (اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے حکم

---

[51]۔ الموسوعة الفقية،الجزء الثامن و الثلاثون ، الطبعة الثالثه ،۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲م ، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية،الكويت ،ص۲۶۸۔۲۶۹۔

بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدتِ وفات گزار کر نکاح کر لینا جائز ہو گا۔کما فی الشامیہ۔۔۔،اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجہ ٔمفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کر دے، اور بعد ازاں عورت عدت وفات گزار کر نکاح کر لے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکم حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گزرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔اور امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے کما فی المغنی ...

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہا حنفیہ رحمہم اللہ میں سے بھی بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دے دیا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے در منتقیٰ سے قہستانی کا (جو چوتھی صدی کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) قول نقل کیا ہے لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ لا بأس بہ علی ما اظن ...اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہندوو بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے۔ہاں بوقت ضرورت شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جائے اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لیے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جائے۔[52]

پاکستان کے قانون میں بھی چار سال سے لاپتہ شوہر کی زوجہ کا نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے۔[53]

شوہر کی عدم رضا پر اگر قاضی نکاح فسخ کردے تو کیا وہ فیصلہ نافذہو جائے گا یا نہیں؟

آج کل ایسے مسائل کا وقوع بکثرت ہورہا ہے کہ کوئی بھی شادی شدہ عورت جو کسی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہتی ہو، وہ عدالت میں جاکر اپنے شوہر پر خلع کا مقدمہ دائر کرتی ہے، اور کورٹ جلد ہی خلع

---

[52]۔ تھانوی ، حکیم الامت ، مولانا ، اشرف علی ،حیلہ ٔ ناجزہ یعنی عورتوں کا حقِ تنسیخِ نکاح ،دارلاشاعت کراچی ،۱۹۸۷ء، ص۵۹۔۶۰

[53]۔ بھٹہ ، ذوالفقار علی اظہر (ایڈووکیٹ ہائیکورٹ)، مسلم عائلی قوانین بمعہ تشریح شرح اور حوالہ جات و تحریر مقدمات ، پاپولر لاء بک ہاؤس ،2013ء،2014ءص65

کافیصلہ صادر کردیتی ہے، اور وہ عورت پھر اپنی مرضی سے کسی اورجگہ اپنی پسند کے مطابق شادی کرلیتی ہے۔
حنفیہ کے ہاں قاضی اگر شوہر کی مرضی کے بغیر نکاح فسخ کردے تو یہ فسخ صرف ان صورتوں میں نافذ ہوگا، ان کے علاوہ نہیں:

1. میاں بیوي پہلے کافر تھے اور بعد میں ایك ایمان لے آئے، اور دوسرا اسلام لانے سے انکار کردے۔
2. دونوں میں سے کوئی ایك مرتدہوجائے۔
3. دونوں میں سے ایك دارالاسلام میں اور ایك دار الکفر میں جابسے۔
4. دونوں میں سے ایك یا دونوں بوقت شادی نابالغ تھے، اور اب بالغ ہوئے۔
5. دونوں میں سے کوئی ایك غلام تھا اور اب آزادہوگیا۔
6. دونوں میں خاندان، دین داری وغیرہ کی وجہ سے برابری نہ ہو۔
7. میاں میں کوئی ایسا جنسی عیب ہو جس کی بنا پر وہ جماع وغیرہ پر قادر نہ ہوسکے۔

اس کے علاوہ کسی بھی وجہ سے قاضی کویہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ شوہرکی رضا کے بغیر نکاح کو فسخ کرسکے۔[54]
لیکن امام شافعیؒ کے نزدیك ان صورتوں کے علاوہ ایك صورت یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی کےنان و نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہوجائے۔
یہی مذہب حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی حضرت عمر، سعید بن المسیب، حسن بصری، امام مالك، اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔
اس صورت میں اگر قاضی ان کا نکاح جبراً فسخ کردے تو ان کے نزدیك وہ بھی نافذہوجائے گا:

> وإن أعسر بنفقة المعسر كانت بالخيار بين أن تصبر،وبين أن تفسخ النكاح،وبه قال عمر، وعلي،وأبو هريرة،وابن المسيب،والحسن البصري،وحماد بن أبي سليمان،وربيعة،ومالك، وأحمد.وقال عطاء،والزهري،والثوري،وأبو حنيفة وأصحابه:(لا يثبت لها الفسخ، بل يرفع يده عنها لتكتسب) .[55]

پس ان صورتوں میں اگر آج کل کوئی جج بیوی کے خرچے وغیرہ کی وجہ سے میاں اور بیوی کا نکاح فسخ کرتا ہے تو امام شافعیؒ کے قول کے مطابق اس پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔
پاکستان کے قانون کے مطابق بھی مندرجہ ذیل صورت کے مطابق عورت عدالت سے خلع کی ڈگری لے سکتی ہے جن کا تعلق نان نفقہ سے ہے مثلاً:

---

[54]۔ الزحیلی ،الأستاذ، الدکتور ، وھبة ، الفقه الاسلامی و ادلته،مکتبه رشیدیه سرکی روڈ۔کوئٹہ، بلوچستان، الجزء التاسع ، ص6865-6866.

[55]۔الشافعي، أبو الحسين يحيى بن أبي الخير بن سالم العمراني اليمني، البيان في مذهب الإمام الشافعي، دار المنهاج – جدة، الطبعة: الأولى، 1421 هـ- 2000 م، كتاب النفقات، باب الإعسار بالنفقة واختلاف الزوجين فيها،جلد۱۱،ص۲۲۰۔۲۲۱.

1. خاوند نے دو سال سے چھوڑا ہے یا دو سال سے نان نفقہ فراہم نہیں کیا۔[56]

البتہ پاکستانی قانون میں کچھ دیگر صورتوں میں بھی عورت خلع کی ڈگری لے سکتی ہے جو دینِ اسلام کی تعلیمات کے برخلاف ہیں مثلاً:

1. خاوند نے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس 1961ء کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نکاح ثانی کر لیا۔
2. اس کی ایک سے زائد بیویاں ہیں اور قرآن کے مطابق منصفانہ برتاؤ نہیں کرتا۔[57]

مندرجہ بالاتینوں مثالیں شخصی قوانین سے متعلق ہیں۔پہلی مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان متفرق فقہی مذاہب کے افراد اپنے اپنے مذہب کے مطابق ان معاملات پر عمل کریں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اور ایک اسلامی حکومت نہ صرف مسلمہ فقہی مذاہب کو شخصی معاملات میں آزادی دے گی بلکہ غیر مسلموں کو بھی ان معاملات میں آزادی دی جائے گی۔ دوسری مثال سے واضح ہوا کہ کسی مذہب میں کسی مسئلے میں عمل میں حرج ہو تو فقہائے کرام باہم مشاورت سے کسی دوسرے مذہب کے مطابق بھی فتویٰ دے سکتے ہیں۔ تیسری مثال آج کل کے معرکۃ الآراء مسئلہ سے متعلق ہے۔ جس میں امام شافعی کے قول کے مطابق قاضی کا اس خاص صورت میں نکاح کو فسخ کرنا قابل قبول ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ مسلمہ فقہی مذاہب میں سے ہر ایک کے لیے قانون سازی علیحدہ کی جا سکتی ہے۔اور عدالتوں میں تمام فقہی مذاہب کے قاضیوں کی نامزدگی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

ملکی قوانین

حدود

حدود کی اہمیت

ملکی قوانین میں حدود کو اہم حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ معاشرے سے سنگین جرائم کے خاتمے کے لیے حدود کا نفاذ ناگزیر ہے۔حدود کی اہمیت کا اندازہ نبی کریم ﷺ کی درج ذیل حدیث سے کیا جا سکتا ہے :

عن عائشة رضي الله عنهاأن قريشا أهمتهم المرأة المخزومية التي سرقت فقالوا من يكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن يجترئ عليه إلا أسامة بن زيد حب رسول الله صلى الله عليه وسلم فكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أتشفع في حد من حدود الله ثم قام فخطب قال يا أيها الناس إنما ضل من قبلكم أنهم كانوا

---

[56]-بھٹہ ، ص65

[57]-بھٹہ ، ص 65-66

إذا سرق الشريف تركوه وإذا سرق الضعيف فيهم أقاموا عليه الحد وايم الله لو أن فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم سرقت لقطع محمد يدها.[58]

ترجمہ :حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ایک مخزومی عورت کا معاملہ جس نے چوری کی تھی، قریش کے لوگوں کے لیے اہمیت اختیار کر گیا اور انہوں نے کہا کہ نبی کریمصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس معاملہ میں کون بات کرسکتا ہے اسامہ (رض) کے سوا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پیارے ہیں اور کوئی آپ سے سفارش کی ہمت نہیں کرسکتا؟ چنانچہ اسامہ (رض) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ کی حدوں میں سفارش کرنے آئے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لیے گمراہ ہوگئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو محمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالتے۔

مندرجہ بالا حدیث سے حدود کے قیام کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حدود کے بیشتر احکام متفق علیہ ہیں۔ اور کسی بھی مسلمہ اسلامی فرقے نے حدود کا انکار نہیں کیا۔ پاکستان میں ۱۹۷۹ء میں ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے حدود کا قانون نافذ کیا گیا۔ ہم ذیل میں حدود کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور اقسام حدود کو زیر بحث لائیں گے۔نیز ان حدود کی اقسام کا حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے ساتھ موازنہ پیش کیا جائے گا،اور تجزیاتی مطالعے کے ساتھ اصلاحِ احوال کے لیے تجاویز پیش کی جائیں گی۔

حدود کی تعریف

حدود، حد کی جمع ہے۔ لغوی اعتبار سے حد کے معنیٰ رکاوٹ یا منع کے ہیں۔ اسی لیے دربان کو بھی حداد کہا جاتا ہے کہ وہ (غیر متعلقہ) لوگوں کو داخلے سے روکتا ہے۔

شرعی اعتبار سے حد ایسی متعین سزا کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر لازم ہو تی ہے۔[59]

بعض لوگوں نے حد کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ حد وہ متعین سزا ہے کو شارع (اللہ تعالیٰ) نے مقرر کی ہو۔اور اس میں قصاص بھی شامل ہے۔[60]

[58] . البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة ، أبو عبد الله، صحيح البخاري ، الطاف اینڈ سنز ، کراتشی باکستان ،2008ء،الجز ء الرابع ،كتاب الحدود،باب كراهية الشفاعة في الحد إذا رفع إلى السلطان، حديث 6788.

[59]-الجزیری ، عبدالرحمن ، الفقه على مذاهب الاربعه، الجز ء الخامس، المکتبة العصرية ،بیروت ، ۲۰۱۰م، ص۹.

[60]- الموسوعة الفهية ، الجزء السابع عشر، ص ۱۲۹

لیکن جمہور علما نے قصاص کو حد میں شمار نہیں کیا۔ البتہ قصاص کی سزا تمام فقہا ء نے نزدیک ثابت ہے۔

اقسام ِ حدود

پانچ حدود تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ ہیں ،یعنی حد زنا، حدِ قذف، حد سکر (نشہ)، حد سرقہ، حد قطع الطریق(ڈاکہ زنی)۔ باقی حدود میں اختلاف ہے۔ حنفیہ حد خمر(شراب) کو شمار کر کے حدود کی چھ اقسام کرتے ہیں۔ مالکیہ کے ہاں حدود کی سات اقسام ہیں اور وہ ارتداد و بغاوت کو بھی شامل کرتے ہیں۔ اسی طرح شافعیہ قصاص کو شامل کر کے حدود کی آٹھ اقسام بیان کرتے ہیں۔اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ جان بوجھ کر نماز کے تارک کا قتل، بھی حدود میں شمار کرتے ہیں۔[61]

تجزیہ :

مندرجہ بالا اقسام حدود کا تجزیہ کیا جائے تو بنیادی پانچ حدود تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ ہیں۔ بقیہ جرائم کی سزا کے بارے میں بھی تمام فقہا متفق ہیں،لیکن وہ ان میں سے بعض کو حدود میں شامل نہیں کرتے،اور بعض کو شامل کرتے ہیں، سوائے تارک صلوٰۃ عمداً کے ،کہ حنفیہ کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح پاکستان کے قوانین الحدود میں بھی حدود کی پانچ اقسام سے متعلق ہی قوانین بنائے گئے ہیں۔

حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں :

فقہا ء کا اس بات میں اجما ع ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔شبہ یہ ہے کہ ثابت غیر ثابت کے ساتھ خلط ملط ہو جائے ۔[62]

تجزیہ :

چوں کہ حدود اللہ تعالیٰ کے حق کے تحت لازم ہوتی ہیں۔اسی لیے اس کی جملہ شرائط پوری کیے بغیر ان کا اجرا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ سنن ترمذی میں مذکور حدیث ہے :

> عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة.[63]
>
> ترجمہ : حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو امام کا غلطی سے معاف کردینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

---

[61]۔الموسوعة الفهية ، الجزء السابع عشر ، ص ۱۳۱۔۱۳۲.

[62]۔ الموسوعة الفهية ، الجزء السابع عشر ، ص ۱۳۱۔۱۳۲.

[63]۔ الترمذي،أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك ،سنن ترمذی ، الطاف اینڈ سنز، کراتشی باکستان ،2009ء، الجرء الاول ، الحدود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب ما جاء في درء الحدود،حديث 1424.

البتہ ناکافی شواہد کی بنا پر اگر حد کو ساقط کیا جائے تو اس شخص پر قاضی تعزیری سزا جاری کرے گا۔ پاکستان کے قوانین الحدود کے مطابق بھی مندرجہ ذیل صورت میں حد جاری نہیں کی جائے گی:

> ایسی صورت میں جب کہ زنا یا زنا بالجبر کا جرم صرف شہادتوں سے ثابت ہو، تو حد یا اس کے لیے ایسا حصہ، جس کا نفاذ باقی ہو،کا نفاذ نہیں کیا جائے گا، اگر حد یا ایسے حصہ کے نفاذ سے قبل کوئی گواہ اپنی شہادت سے منحرف ہو جائے جس سے کہ عینی شاہدوں کی تعداد گھٹ کر چار سے کم ہو جائے۔[64]

چونکہ یہاں پر گواہوں کی تعداد پوری نہ ہونے کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا لہذا حد کا نفاذ نہیں ہوگا۔

اقرار سے رجوع حد کو ساقط کر دیتا ہے :

جمہور فقہا ء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر حد اقرار سے ثابت ہو جائے تو اقرار سے رجوع کرنے کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی ، اگر حد کا تعلق حق اللہ سے ہو۔ جیسا کہ ماعز کا اللہ کے رسول ﷺنے رجوع کی تلقین کی۔ کیوں کہ انہوں نے اقرار سے اپنے اوپر حد لازم کی تھی۔اگر اقرار سے رجوع کا فائدہ نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ رجوع کی تلقین نہ کرتے۔ حد قذف رجوع سے ساقط نہیں ہوتی چوں کہ اس کا تعلق حق اللہ سے نہیں بلکہ حق العبد سے ہے۔اسی طرح قصاص بھی اقرار کے بعد رجوع کر لینے ساقط نہیں ہوتا۔[65]

تجزیہ :

مندرجہ بالا مسئلہ میں یہ بات بیان کی گئی کہ اقرار کی صورت میں اگر حد لازم ہو تو اقرار سے رجوع کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ اگر حد کا تعلق حق العبد سے ہو تو یہ رجوع کرنا معتبر نہیں۔ آج اگر پاکستان کے عدالتی نظام کا تجزیہ کیا جائے اور تفتیش کے عمل کو دیکھا جائے تو پولیس و دیگر تفتیشی ادارے جس طرح مجرم کو بدترین سزائیں دے کر بہت کچھ اس کے اقرار میں ڈال دیتے ہیں جس کا اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آئے روز ایک ہی جرم (قتل) کا اقرار سالہا سال سے کئی مجرم کرتے آ رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ اصل مجرم (قاتل) کون ہے۔ لیکن ظاہر ہے اس میں عدالتی نظام کے انتظامی پہلو میں خرابی ہے۔جس کا حل اس نظام کو کرنا ہے۔اور شفاف تحقیقات کو یقینی بنانا ہے،نہ یہ کہ حدود کے قوانین کو رد بدل کرنا۔ ہاں حدود کے اجراء میں کسی انتظامی پہلو پر بہر حال نظر ثانی اور حالات کے تحت تبدیلی لانا ناگزیر ہوتا ہے۔ پاکستان کے قوانین الحدود میں بھی اقرار کے بعد منحرف ہونے کی صورت میں حد کا نفاذ نہیں ہو گا :

---

[64] بھٹہ ، ایڈووکیٹ۔میاں مسعود احمد ، قوانین الحدود و تعزیرات ، آہن ادارۂ اشاعت و تحقیق (پاکستان) لاہور،2005،ص 332

[65]۔ الموسوعة الفقهية،الجزء السابع عشر، ص۱۳۴۔۱۳۵.

ایسی صورت میں جب کہ زنا یا زنا بالجبر کا جرم صرف مجرم کے اقرار سے ثابت ہو، حد یا اس کے ایسے حصے،جن کا نفاذ ہونا باقی ہو، کا نفاذ نہیں کیا جائے گا اگر مجرم حد یا اس کے ایسے حصہ کے نفاذ سے قبل اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے۔[66]

رجم کی سزا :

دورِ حاضر میں بعض لوگ رجم کی سزا پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چوں کہ یہ سزا قرآن سے ثابت نہیں لہذا اس کو حد نہیں مانا جا سکتا۔اس اشکال کا ایک جواب تو یہ دیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی چیز کتاب اللہ سے ثابت نہ ہو تو اسے حد سے خارج قرار دینا صحیح نہیں کیوں کہ فقہاء کے نزدیک سنتِ متواترہ مشہورہ کے ذریعے کتاب اللہ کے کسی حکم میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے کی صراحت سنن ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب ؓ اسی طرح فرماتے ہیں :

رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم أبو بكر ورجمت ولولا أني أكره أن أزيد في كتاب الله لكتبته في المصحف فإني قد خشيت أن تجيء أقوام فلا يجدونه في كتاب الله فيكفرون به.[67]

ترجمہ : عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے رجم کیا اور حضرت ابو بکر ؓ نے رجم کیا اور میں نے بھی رجم کیا۔ اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں نے کتاب اللہ میں اضافہ کیا،تو میں اسے مصحف میں لکھ دیتا۔ اور مجھے ڈر ہے کہ ایسے لوگ آئیں گے اور وہ اس حکم کو کتاب اللہ میں نہیں پائیں گے تو اس کا انکار کر دیں گے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی نے تکملہ فتح الملہم میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ رجم کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ منسوخ التلاوت دون الحکم ہے،یہ درست نہیں بلکہ یہ شروع سے آیت قرآنی نہیں تھی۔ بلکہ جب یہود نے نبی ﷺ کے سامنے تورات سے تلاوت کی تو آپﷺ نے اس کی توثیق کی اس کو بعض نے قرآن سے تعبیر کیا۔رجم کا حکم سورہ مائدہ کی آیات ۴۳۔۴۴ سے اشارۃً ثابت ہے۔ مسند حمیدی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[68]

مفتی تقی عثمانی صاحب نے رجم کے حوالے سے ۵۲ احادیث جمع کی جو حد تواتر کو پہنچ رہی ہیں۔ان میں الولد للفراش وللعاهر الحجر، لفظاً بھی متواتر ہے محدثین کی تصریح کے مطابق یہ تیس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے۔اور باقی احادیث معنیٰ متواتر ہیں۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کے دور میں رجم کے واقعات بھی سورہ نور کے نزول کے بعد کے ہیں جیسے واقعہ غامدیہ ؓ،

---

[66] بھٹہ ، 2005ء، ص 332

[67] سنن ترمذی،محولا بالا ، الجزء الاول كِتَاب الْحُدُودِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،بَاب مَا جَاءَ فِي تَحْقِيقِ الرَّجْمِ،حدیث 1431.

[68]۔ العثمانی ، محمد تقی ، تکملة فتح الملهم ، مکتبه دارالعلوم کراتشی ، مطبعة : هريان الفهية برنتنگ بريس جمشيد روڑ نمبر ۱ کراتشی بالستان جلد ۲، ص ۲۴۶۔۲۴۸.

واقعہ عسیف وغیرہ۔اسی طرح پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی ، زانیہ کے لیے رجم کی سزا ہے۔[69]

قتل عمد میں کفارہ ہے یا نہیں؟

امام مالك رحمه الله کے نزديك كفاره صرف قتل خطا ميں هے:

واختلفوا في قتل العمد هل فيه كفارة؟ وفي قتل العبد خطأ، فأوجبها مالك في قتل الحر فقط في الخطأ دون العمد، وأوجبها الشافعي في العمد من طريق الأولى والأحرى، وعند مالك إن العمد في هذا حكمه حكم الخطأ. [70]

امام شافعي رحمه الله کے نزديك قتل عمد ميں بهي كفاره واجب هے:

قال الشافعي رحمه الله : قال الله تعالى : ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله [النساء : 92] . قال الماوردي : هذه الآية هي الأصل في وجوب الدية في قتل الخطأ للمقتول، ووجوب الكفارة فيه على القاتل.[71]

امام احمد بن حنبل رحمه الله کے نزديك قتل عمد ميں كفاره نهيں هے:

أما العمد فلا تجب فيه الكفارة على الصحيح من المذهب وعليه جماهير الأصحاب. [72]

امام ابو حنيفه رحمه الله کے نزديك بهي قتل عمد ميں كوئي كفاره واجب نهيں هے۔

ولعظم الجناية في قتل العمد لم ير علماؤنا الكفارة على قاتل العمد، لأن الوعيد المنصوص عليه لا يرتفع بالكفارة.[73]

تجزیہ :

امام شافعیؒ کے علاوہ تینوں ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ کفارہ قتل صرف قتل خطا اور قتل شبہ عمد پرہوگا، قتل عمد پر نہیں ہوگا، لہذا قانون سازی میں تینوں ائمہ کے اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ قتل عمد میں محض قصاص ہو، اور کفارہ قتل نہ ہو۔ لیکن بڑھتی ہوئی ایسی قتل و غارت گری جس کے پیچھے مضبوط ہاتھ یا قبائل ہوں ان معاملات میں اگر امام شافعیؒ کے مسلك کے مطابق فیصلہ کیا جائے تاکہ اسے روکا جاسکے اور اس کا پائے دار سد باب کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہوسکتی ہے۔

مالیاتی و تجارتی قوانین

بیع سلم

---

[69] ایضاً، ص ۲۵۲۔۲۵۵۔

[70] ابن رشد ،أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد القرطبي ، بداية المجتهد ونهاية المقتصد دار الحديث، القاهرة ، 1425هـ - 2004 م ،الجزء الرابع، كتاب الديات في النفوس ،ص200-201.

[71] . الماوردي ، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي ،الحاوي في فقه الشافعي، دار الكتب العلمية، الطبعة : الأولى 1414هـ - 1994، كتاب القسامة، باب كفارة القتل جلد ۱۳،ص ۶۲.

[72] . الصالحي ، علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي ،الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل ، دار إحياء التراث العربي بيروت – لبنان ، الطبعة الأولى 1419هـ ،كتاب الديات ،باب كفارة القتل ،جلد ۱۰،ص ۱۰۳.

[73] . السرخسي، شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل، المبسوط للسرخسي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م،الجزء السابع والعشرون ،ص153

بیع سلم کی تعریف اور اختلاف فقہا

لغوی اعتبار سے سلم کے معنیٰ الاعطاء یعنی کسی کو کچھ دینے کے ہیں۔
اصطلاحی اعتبار سے سلم سے مراد ایسی بیع ہے جو فوری (نقد) بدل کی وجہ سے ذمہ پر لازم ہو۔
بیع کی تعریف میں بعض فقہا ء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔
حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سلم کی صحت کے لیے رأس المال پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا اورمسلم فيه کا ادھار ہونا ضروری ہے۔جبکہ شافعیہ نے نزدیک سلم حال کی بھی اجازت دی ہے۔ یعنی مسلم فیہکو نقد (فوراً) بھی دیا جا سکتا ہے۔[74]

تجزیہ :

چوں کہ بیع سلم کو ضرورت کی وجہ سے خلاف قیاس جائز قرار دیا گیا ہے۔اسی وجہ سے اس کی اصطلاحات عام بیع سے مختلف رکھی گئی ہیں۔ اگر مسلم فیہ (مبیع) کو فوراً دے دیا جائے تو یہ عام بیع کی طرح ہو جائے گی۔جس کے جواز میں کوئی شک نہیں ،لیکن اسے بیع سلم نہیں کہا جا سکتا۔ اس بارے میں حنفیہ اور حنابلہ کا قول زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ اور آج کے جدید تجارتی امور میں اس قول کے مطابق قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ بہر حال شافعیہ بیع سلم عموم میں رکھتے ہیں۔ نتائج کے اعتبار سے دونوں اقوال کے مابین کوئی فرق نہیں۔

رأس المال پر مجلس میں قبضہ اور اختلاف فقہا ء

مالکیہ کے نزدیک رأس المالپر قبضہ کرنا اسی مجلس میں ضروری نہیں،بلکہ دو تین دن تک ادھار بھی کیا جا سکتا ہے۔جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع سلم کے لیےرأس المال پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔ جب کہ مالکیہ بیع سلم کی یوں تعریف کرتے ہیں :
بيع معلوم في الذمة محصور بالصفة بعين حاضرة أو ما هو في حكمها إلى أجل معلوم.
یعنی وہ بیع جو لازم فی الذمہ ہو اور اس کی صفات معلوم ہوں عینحاضر کے بدلے یا جو اس کے حکم میں ہو۔ اس تعریف کی رو سے مالکیہ او ما هو فی حکمهکی تعبیر سے رأس المال کی دو تین دن کی تاخیر کی طرف اشارہ ہےکہ ما قارب الشئی یعطی حکمه کے قاعدے کے تحت اتنی تاخیر کو جائز قرار دیا ہے۔اسی طرح الی اجل معلوسے مالکیہ کے نزدیک سلم حالکے عدم جواز کا پتا چلتا ہے۔اورمسلم فيه کا ادھار ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔[75]

تجزیہ :

مذکورہ مسئلے میں دو نکتہ نظر سامنے آئے جس کے مطابق حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع سلم میںرأس المال پر اسی مجلس میں قبضہ کرنا

---

[74]۔الموسوعة الفقهية ، الجزء الخامس والعشرون ، ،ص ١٩١ .
[75]۔الموسوعة الفقهية ، الجزء الخامس والعشرون ،ص191-192.

ضروری ہے۔ جب کہ مالکیہ کے نزدیک دو تین دن کی تاخیر بھی جائز ہے۔دور حاضر کی ضرورت کے اعتبار سے مالکیہ کا قول زیادہ قابل عمل معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ آج کے دور میں رقوم وغیرہ کی منتقلی کا انحصار بنکنگ کے نظام پر ہوتا ہے اور چیک وغیرہ کو کیش کرانے یا رقم منتقل کرنے کے لیے دو تین دن کی میعاد بہر حال درکار ہوتی ہے۔اسی طرح بعض اوقات معاہدہ بیع ایسے دن طے پاتا ہے جب کی بنک میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔اس طرح کی صورتِ حال کی مناسبت سے مالکیہ کے قول کے مطابق قانون بنایا جا سکتا ہے۔

مسلم فیہ کا بوقت عقد موجود ہونا اور اختلاف فقہا ء

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم فیہ کے بوقت مدت متعینہ مقدور التسلیم ہو۔یعنی ادائیگی کے وقت مسلم فیہ حوالہ کرنا آدمی کے بس میں ہو۔ یعنی وہ اس وقت معدوم نہ ہو۔مثلاً آ م کی بیع سلم میں آم کی بوقت مدت متعینہ مارکیٹ میں موجودگی لازم ہے۔البتہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کہ بوقت عقد سے حلول وقت عقد تک مسلم فیه کا موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں۔تو اس بارے میں جمہور فقہا مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ کے نزدیک مسلم فیہکا موجود ہونا ضروری نہیں۔جب کہ حنفیہ کے نزدیکمسلم فیه کا موجود ہونا ضروری ہے۔ جمہور کا موقف وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة والناس يسلفون في التمر[الثمر] العام والعامين أو قال عامين أو ثلاثةشك إسماعيل۔فقال من سلف في تمر فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم.[76]

اس حديث میں مسلم فیہ کا بوقت عقد موجود ہونے کی شرط مذکور نہیں۔ اگر یہ شرط لازم ہوتی جو آپﷺ ذکر فرما دیتے۔اور انہیں دو اور تین سال تک عقد کرنے سے روک دیتے اس لیے کہ پھل (کھجور) اتنی مدت تک باقی نہیں رہتی۔

جب کہ اس حوالے سے حنفیہ، امام ثوری اور امام اوزاعی کا موقف بر عکس ہے۔ان کے نز دیک مسلم فیہ کا بوقت عقد موجود ہونا لازم ہے۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ بیع سلم تو مسلم الیہ کی موت سے باطل ہو جاتی ہے اور مسلم فیہ کا لینا اس کے ترکہ سے لازم ہوتا ہے۔ اس لیے مسلم فیہ کا بوقت عقد موجود ہونا لازم ہے۔ تا کہ ایسی صورت حال میں حوالگی پر قدرت حاصل رہے۔ اگر یہ شرط نہ ہو تو مسلم الیہ کے مرنے کی صورت میںمسلم فیہکی حوالگی ممکن نہیں ہو گی تو یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ ہے۔[77]

تجزیہ :

---

[76]۔ صحیح بخاری ،محولا بالا ،الجزء الثانی ، کتاب السلم ، باب السلم فی کیل معلوم ،حدیث 2239.

[77]۔الموسوعة الفقية ، الجزء الخامس والعشرون ،ص215-216.

مذکورہ مسئلے کے حوالے سے جمہور فقہا اور حنفیہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور فقہا ء کی دلیل ابن عباسؓ سے مروی صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ جس میں مسلم فیہ کا بوقت عقد موجود ہونے کا ذکر نہیں۔ جبکہ حنفیہ کی دلیل مسلم الیہ کی موت کے وقت مسلم فیہ کی حوالگی متعذر ہونے کی وجہ سے وقت عقد سے حلول عقد تک مسلم فیہ کی موجودگی لازم قرار دیتے ہیں۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو حنفیہ کا قول عام حالات کے بجائے اضطراری حالات کے حوالے سے ہے۔اور اضطراری حالات میں احکامات میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ اور بظاہر ضرورت کے تحت موجودہ زمانے میں اور بیع سلم کے خلاف قیاس ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دئیے جانے کے حوالے سے جمہور کا قول زیادہ موافق ہے۔ جس میں بہر حال آسانی کا معاملہ ہے۔ حنفیہ کا قول غایت احتیاط پر مبنی ہے۔اور معاملات میں احکامِ شریعت کے تابع ہر ممکن آسانی پیدا کرنے کے اصول مسلّم ہے۔

اس مسئلے کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں :

> عقد سلم میں مبیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے،اگر شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہو گا،لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے،کذا فی الھدایہ،تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کر لیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں رخصت ہے۔[78]

اسی طرح مفتی تقی عثمانی صحیح مسلم کی شرح تکملة فتح الملہم میں لکھتے کہ ظاہر یہی ہے کہ حدیث(حدیث ابن عباس) امام ابوحنفیہ کے مذہب سے زیادہ امام مالک (جمہور فقہا) کے مذہب پر دلالت کرتی ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ جمہور کا مذہب اس آسانی سے زیادہ موافق ہے جس کے لیے سلم کو مشروع کیا گیا۔ خاص طور پر ہمارے زمانے کے لحاظ سے۔[79]

وعد ملزم

وعدہ کی تعریف

الوعد:لغت عرب میں خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔فیقال وعدته خیراوعدته شرا۔خیر اور شر کے درمیان فرق مصد ر کے ذریعے کیا جاتا ہے ،جیسے الوعد جب خیر کے لیے استعمال ہو گا تو اس کا مصدر وعداورعدة آئے گا۔اور جب الوعد شر کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مصدر وعیدا آئے گا۔ اصطلاحی اعتبار سے الوعد کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے : الإخبار بإیصال الخیر في المستقبل۔[80]

احکام وعد

---

[78]۔ تھانوی ، اشرف علی ، امداد الفتاویٰ ، جلد ۳، مکتبہ دارلعلوم کراچی ، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۶

[79]۔ العثمانی،محولا بالا، جلد ۱، ص ۴۰۹.

[80]۔ الموسوعة الفقهیة،الجزء الرابع ولأربعون، ص ۷۲.

جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اگر وہ گناہ والی چیز ہے جیسے زنا تو اس کا پورا نہ کرنا لازم ہے۔اور پورا کرنا گناہ ہے۔ اگر شے موعود واجب ہو تو اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے۔اور اگر وہ شے مباح یا مندوب ہے۔ تو اس کا پورا کرنا مکارم اخلاق میں سے ہے۔[81]

کیا وعدہ دیانۃً و قضاءً لازم ہے

اس بارے میں فقہا کے مختلف اقول ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مطلقاً وعدہ پورا کرنا واجب نہیں البتہ اگر وعدہ کو شرط کے ساتھ معلق کیا تو پھر اس کا پورا کرنا واجب ہو گا۔[82]

مالکیہ کے ہاں مشہور ہے کہ وعدہ دیانۃ و قضاء دونوں طرح سے لازم ہے۔[83]

جیسا کہ منظمة المؤتمر الاسلاميمیں لکھا ہے :

> إن الوعد ملزم مطلقًا ويجب الوفاء به ديانة وقضاء، وقد حكى ابن حزم في ''المحلى'' عن ابن شبرمة أنه قال: الوعد كله لازم، ويقضى به على الواعد، ويجبر وذكر البخاري في صحيحه بأنه قول الحسن البصري وأن القاضي سعيد بن الأشوع قضى بوجوب إنجاز الوعد، وأن وجوب إنجاز الوعد هو مذهب الصحابي سمرة بن جندب، وأنه رأي ابن راهويه،ووجوب الوفاء بالوعد مطلقا مذهب بعض المالكية ووصفوه بأنه مذهب ضعيف ولكن الفقيه المالكي ابن الشاط صحح هذا المذهب في حاشيته على الفروق.وإليه ذهب العلامة تقي الدين السبكي الشافعي كما ذكر ابنه تاج الدين السبكي في طبقات الشافعية الكبرى.وقال الإمام الغزالي الشافعي رحمه الله: إذا فهم الجزم في الوعد فلابد من الوفاء به إلا إذا تعذر، وقد يفهم الجزم في الوعد إذا اقترن به حلف أو إقامة شهود على الوعد أو قرائن أخرى، وذهب إلى ذلك أيضا القاضي أبو بكر ابن العربي المالكي كما ذكره القرطبي في كتابه ''الجامع لأحكام القرآن''.وحكى ابن رجب الحنبلي في كتابه''جامع العلوم والحكم'' وجوب الوفاء بالوعد مطلقا عن طائفة من أهل الظاهر وغيرهم.وهو وجه صحيح من مذهب العلامة تقي الدين ابن تيمية كما في ''شرح المقنع''.ومن هذه الأقوال نعلم: أنه يوجد في كل مذهب من المذاهب الفقهية أكثر من فقيه مشهور يقول بلزوم الوعد ووجوب الوفاء به ديانة وقضاء إلا لعذر.[84]

تجزیہ :

مندرجہ بالااقوال کا تجزیہ کیا جائے تو تقریباً ہر ایک مذہب میں وعدہ کو دیانۃ اور قضاً پورا کرنے کا حکم ملتا ہے سوائے یہ کہ وعدہ کا پورا کرنا متعذر ہو جائے۔ ایک عام وعدہ جس کے پورا نہ کرنے سے شخص ثانی کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو بلا شبہ اس وعدہ کا پورا کرنا دیانۃ ہی ہو گا۔ جیسا کہ بعض فقہا کا قول ہے۔ لیکن اگر شخص ثانی کو

---

[81]۔الموسوعة الفقهية ، الجزء الرابع ولأربعون، ص ٧٣-74.

[82]۔ الموسوعة الفقهية ، الجزء الرابع ولأربعون، ص75.

[83]۔الموسوعة الفقهية، الجزءالرابع ولأربعون ،ص95-96.

[84]۔ مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة، تصدر عن منظمة المؤتمر الاسلامي بجدة،الجزء5،ص659،المكتبة الشاملة.

وعدہ خلافی سے نقصان ہو تو ایسی صورت میں وعدہ کا قضاءً پورا کرنا بھی لازم قرار دیا جانا چاہیے۔آج کے دور میں جب کوئی شخص کسی کمپنی کو کو ئی اشیاء بنانے کا آرڈر دیتا ہے۔اب کمپنی نے اس کے آرڈر کے مطابق سرمایہ لگا کر وہ مال تیار کر دیا۔اور وہ شخص اپنے وعدہ کے خلاف کر کے کمپنی سے وہ مال خریدنے سے انکار کر دے تو بلا شبہ کمپنی کو بہت بھاری نقصان اٹھانا ہوگا۔ایسی صورت میں جب وعدہ کو قضاءً پورا کرنے کے قول کو اختیار کیا جائے تو قانونی چارہ جوئی اور نقصان کے ازالہ اس شخص سے پورا کیا جا سکے گا۔ لہذا ان بڑے معاملات کے حوالے سے قانونی طورپر وعدہ کو قضاء ًپورا کرنے کے قول پر فتویٰ دیا جانا چاہیے۔

مندرجہ بالا دو مثالیں مالیاتی و تجارتی امور سے متعلق ہیں۔ جن میں زمانے کی ضرورت کے پیش نظر دوسرے مذاہب کے مطابق فتاویٰ دیے گئے ہیں۔دورِ حاضر کی ضرورت کے پیش نظر جب کہ تجارتی امور صرف ملکی سطح تک محدود نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح تک پھیل چکے ہیں۔تجارت کی نت نئی صورتیں سامنے آ رہی ہیں ایسے حالات میں متفرق فقہی مذاہب کے معتبر علما باہم مشاورت سے زمانے کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی مشترکہ لائحہ عمل پیش کریں جن پر تمام مذاہب کے پیروکار عمل کر سکیں۔

ضرورت و حاجت و دفع حرج کے قوانین :

موجودہ دور میں ظلم و استبداد کا دور ہے۔اسلام بطور نظام کلی طور پر کہیں بھی نافذ نہیں۔اسلامی نظام کے نفاذ کے بغیر بہت سے امور خاص طور پر مالیاتی و تجارتی امور تغیر و تبدل واقع ہوا ہے۔اور وہ قوانین (فتاویٰ) جو اسلام کے نظامِ حکمرانی میں دیے جاتے تھے اگر اس کے مطابق آج کے دور میں قوانین(فتاویٰ) بنائے جائیں تو لوگوں کے لیے بہت زیادہ حرج لازم آتا ہے۔ ظاہر ہے موجودہ زمانے کی صورتِ حال میں دینِ اسلام کے احکام میں عمل پیرا ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟تو موجودہ دور کے لیے احکام ضرورت و حاجتقرآ ن و حدیث و فقہاء کا مستقل موضوع رہے ہیں۔ مثلاً نماز میں قیام فرض ہے۔ لیکن ایک معذور جسے قیام پر قدرت نہیں تو اس بارے میں احکام المعذورمیں لکھا ہوتا ہے کہ جسے قیام پر قدرت نہیں اس پر نماز میں قیام فرض نہیں۔ ضرورت وحاجت کے مواقع پر فتاویٰ کے تبدیل ہونے کے حوالے سے مفتی محمد حسین خلیل خیل لکھتے ہیں :

> علامہ شامیؒ شفاء العلیل نامی کتاب میں فرماتے ہیں کہ قرون ثلاثہ (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کامبارک زمانہ) اور زمانہ اجتہاد میں علما کرام اجرت علی الطاعات (دینی سرگرمیوں پراجرت لینے) کومطلقاً منع اورحرام فرماتے تھے۔ تین صدیوں تک مسلمان اس پر عامل تھے،اس کے بعد چوتھی صدی کے فقہاء کرام نے زمانہ کی ضرورت وحاجت کودیکھ کرتعلیم قرآن کواس حکم سے مستثنٰی فرمایا،جن میں فقیہ ابواللیث المتوفی373ھ اورامام فضلی المتوفی381ھ بھی شامل ہیں،پانچویں صدی ہجری تک یہ استثنا صرف تعلیم قرآن کے ساتھ ہی مختص رہا،چناں چہ علامہ شمس

الائمہ سرخسی المتوفی 500ھ نے یہ تصریح فرمائی ہے: وأجمعوا علی أن الإجارة علی تعلیم الفقه باطلة[85] (یعنی علم فقہ کی تعلیم وتدریس پر اجرت لینا باطل وحرام ہے) اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں بعض فقہاء نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ اور امامت کو بھی شامل فرمایا۔ جیسا کہ علامہ ابن الساعاتی صاحب مجمع البحرین نے کہاہے لیکن فقہاء کی غالب اکثریت پھر بھی منع فرماتی رہی، چنانچہ صاحب ھدایہ المتوفی593ھ اور قاضیخان المتوفی 592ھ جیسے جلیل القدر اصحاب تخریج وترجیح نے بھی صرف تعلیم قرآن ہی کی اجرت کو جائز قرار دے کر باقی دینی سرگرمیوں پر اجرت لینے سے منع فرمایا اور کنز الدقائق جو رائج متون میں ایک ممتاز شان رکھتی ہے، جو ساتویں صدی میں تصنیف ہوئی تھی اس میں بھی صرف تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کی اجازت مذکور ہے اس کے علاوہ نہیں۔اس کے بعد اکثر اصحاب متون وشروح اور ارباب فتاویٰ نے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ اور امامت کو بھی شامل کیاہے،چنانچہ صاحب مختصر وقایہ المتوفی 747ھ اور صاحب ملتقی الابحر المتوفی956ھ صاحب درر البحار المتوفی788ھ نے امامت کی اجرت کا اضافہ فرمایا اور صاحب الایضاح والاصلاح المتوفی940ھ اور صاحب تنویر الأبصار المتوفی1004ھ میں تعلیم قرآن وفقہ اور امامت کے ساتھ اذان کو بھی شامل فرمایا اور ان کے بعد کے فقہاء نے اقامت اور وعظ اور بہت ساری دینی سرگرمیوں پر تنخواہ (اُجرت) لینے کے جواز کا اضافہ فرمایا۔[86]

درج بالا مثال میں اجرت علی الطاعات کے حوالے سے فتاویٰ میں تغیر و تبدل کو مختلف ادوار میں بیان کیا گیا۔ اور ظاہر ہے اسلام کے نظامِ حکومت میں دینی علوم کی ترویج و اشاعت حکومتی ذمہ داری ہوتی ہے جب کہ آج کے دور میں اسلام کا نظام قائم نہیں تو حکمرانوں کو دینی علوم کی ترویج و اشاعت کی بھی فکر نہیں۔ایسے میں علما اگر کل وقتی مدارس کے انتظام و

---

[85] مذکورہ عبارت کا حوالہ راقم کو دستیاب نہیں ہو سکا لیکن اس سے ملتی جلتی عبارات فقہ کی کئی کتب میں موجود ہیں۔مثلاً الجوهرة النيرة میں لکھا ہے : وأما تعلیم الفقه فلا یجوز الاستئجار علیه بالإجماع. (الحداد الیمنی ، الامام العلام شیخ الاسلام ابی بکر علی بن محمد ،الجوهرة النيرة، الجزء الاول ، قدیمی کتب خانہ کراچی ، کتاب الإجارة، أجیر مشترك وأجیر خاص،ص 591) ترجمہ: اس بات پر اجماع ہے کہ فقہ کی تعلیم دینے پر معاوضہ لینا جائز نہیں، الموسوعة الفقهیه میں مکتوب ہے : والمذهب عند المالكية: جواز الاستئجار على تعليم القرآن، أما الإجارة على تعليم الفقه... فإنها مكروهة عندهم.(الموسوعة الفقهیه،الجزء الثالث عشر،ص16) ترجمہ :مذہب مالکیہ کے مطابق تعلیم ِ قرآن میں معاوضہ لینا جائز ہے ،جبکہ فقہ کی تعلیم پر معاوضہ لینا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔

[86] خیل ، محمد حسین خلیل ، شرعی احکام میں ضرورت و حاجت کی رعایت اور حرج و مشقت کی صورت میں تخفیف کے شرعی اُصول و ضوابط، محاضرہ (مذکورہ محاضرہ مؤلف نے جامعۃ الرشید کراچی پاکستان میں حلال فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام'حلال فقہی سیمینار'مورخہ ۲،۳ ذولحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۷،۲۶ مارچ ۲۰۱۲ء میں ملک بھر کے نامور مفتیان کرام کے سامنے پیش کیا۔ مذکورہ محاضرہ غیر مطبوعہ ہے۔اور اسے مؤلف کی اجازت سے بطور اقتباس حوالہ دیا گیا ،اور عربی عبارات کی تحقیق و تخریج اور حوالہ جات راقم کی طرف سے اضافہ ہے۔مزید اس محاضرہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے تحقیق و تخریج اور حوالہ جات کے اضافہ کے ساتھ ضمیمہ میں شامل کیا گیا ہے۔مقالہ نگار

انصرام کو نہ سنبھالیں تو دین کی اشاعت و ترویج میں حرج لازم آئے گا۔ اس لیے انہیں وہ ان اوقات کا معاوضہ لیتے ہیں۔

اس طرح محمد حسین خلیل خیل دورِ حاضر میں اسلامی بنکنگ کی مثال دیتے ہوئے ضرورت و حاجت کو واضح کر رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں :

کافی عرصہ سے اہل افتاء کے درمیان اسلامی بینکنگ کامسئلہ زیر بحث ہےبعض حضرات اسے درست نہیں سمجھتے، یہ ٹھیک ہے ان کی ایک رائے ہے جس کے مطابق وہ عمل کرنے اور فتویٰ دینے کے مجاز ہیں،لیکن اس طرح کے مسائل میں رائے قائم کرنے میں معروضی حقائق اور لوگوں کی واقعی ضرورت کونظر انداز کرنا ایک درست طرزِ عمل نہیں،مثلاً یہ کہنا کہ بینکنگ معاشرے کے تیس فیصد افراد کی ضرورت ہے تواسے ہم کیسے شرعی حاجت یاضرورت کادرجہ دے سکتے ہیں؟یہ بات ہمارے خیل میں قابل غور ہے،کیوں کہ یہ تیس فیصد افراد اگر انسان ہیں اور مسلمان ہیں اوران کی مجبوری بھی ہے تو اس کی کیوں رعایت نہ کی جائے؟،اس کی مثال توبالکل ایسی ہے کہ کوئی کہے حج وعمرہ پرجانے کے لیے تصاویر بنوانا معاشرے کے 0.1 فیصد افرادکی ضرورت ہے (کیوں کہ اس سال حج پر جانے والے لوگ ا یک لاکھ سٹھ ہزارہیں جن کا ملک کی مجموعی آبادی میں یہی تناسب بنتا ہے) لہٰذااس کوہم کیوں ضرورت تسلیم کریں اور اس کی وجہ ایک منصوصی حرام (تصویر سازی) کے ارتکاب کی اجازت کیوں دیں؟ظاہر ہے کو ئی بھی مفتی مذکورہ صورت میں ایسا جواب نہیں دے سکتا، نیز فقہاء کرام نے اہل بخاراکے لیے بیع بالوفاء کاجو فتویٰ دیا تھا تو یہ سوچا جائے کہ اہل بخارا پوری مسلم آبادی کے تناسب سے کتنے فیصد لوگ تھے؟ ظاہر ہے پوری امت کی آبادی میں ان کا کوئی قابل ذکر تناسب نہ تھا،لیکن فقہاء کرام نے ان کی ضرورت کوشرعی حاجت کادرجہ دیابلکہ جیسا کہ پہلے ذکرہوا کہ فقہ میں توحاجت شخصیہ کا بھی اعتبار ہے جب ایساہے تو پورے معاشرے کے تیس فیصد افراد کی حاجت کا اعتبار کیوں نہ ہوگا؟

جن لوگو ں کے پاس فاضل رقم ہے اوربینک کے ذریعے کاروبار چلانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں دیکھ پاتے توبینک ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہوسکتی ہے نہ کہ ہر شہری اوردیہاتی کی ضرورت، نیز بینک سے متعلق کچھ ایسے کام بھی ہیں کہ وہ ملک کی ضرورت ہونے کی وساطت سے معاشرے کے تمام افراد کی ضرورت بھی کہلاسکتے ہیں،لیکن اگریہ معاشرے کے ہر طبقے کی ضرورت نہ بھی ہوتب بھی اس کوبالکلیہ مسترد کرنے کو حالات وحقائق سے چشم پوشی ہی کہا جاسکتاہے۔

اس طرح یہ بات کرنا کہ بینک توپیسے سے پیسہ کمانے اورسودخوری کاایک دہندہ ہے،اس کی کوئی واقعی ضرورت ہی نہیںہمارے خیال میں یہ بھی حقیقت پسندانہ بات نہیں کیوں کہ بینک کے بنیادی مقاصد چارکام ہیں جن میں سے ہر ایک معاشرے کی واقعی ضرورت ہے: بینک کا ایک کام یہ ہے کہ معاشرے کے ان لوگوں کاجن کے پاس فاضل بچتیں ہیں لیکن محنت نہیں کرسکتے ہیں ان افراد کے ساتھ رابطہ کاکام دے جو محنت تو کرسکتے ہیں لیکن مطلوبہ مالی مقدار ان کے پاس نہیں،یعنی معاشرے کے ان دوقسم کے لوگوں کے درمیان وسیط مالی کاکردار اداکرنا بینک کا ایک اہم کام ہے، بینک کایہ کام کہ وہ وساطت مالیہ کی خدمت انجام دیتاہے شرعی نقطہ نظر سے کوئی غیر اہم یا بلا ضرورت نہیں بلکہ کتبِ فقہ میں مضاربت

کا فلسفہ مشروعیت یہی بیان فرمایا گیا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:هي (المضاربة) مشروعة للحاجة إليها، فإن الناس بين غني بالمال غبي عن التصرف فيه وبين مهتد في التصرف صفر اليد عنه، فمست الحاجة إلى شرع هذا النوع من التصرف.[87]
وسلطت مالیہ کے اس عمل کو صاحب ہدایہ نے باقاعدہ شرعی حاجت قرار دے کر مضاربت جیسے عقد(جوضابطہ کے لحاظ سے اجارہ فاسدہ کی طرح نا جائزہونا چاہیے) کی اجازت کی علت قرار دیاہے۔نیز صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:
وبعث النبيﷺ والناس يباشرونه، فأقرهم عليه وتعاملت به الصحابة.[88]
نبی کریم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو پہلے سے یعنی جاہلیت کے دور سے لوگ چوں کہ مضاربت کا عمل ایک ضرورت کی بناء پر کرتے چلے آرہے تھے تو حضور ﷺ نے انہیں ان کے اس معمول پر برقرار رہنے دیا اور محض اس وجہ سے اس کو مسترد نہیں فرمایا کہ یہ تو جاہلیت کے زمانہ کا کاروبار ہے، لہٰذا بینک سے متعلق بھی یہ درست نہ ہوگا کہ یہ چوں کہ غیر مسلموں کی ایجاد ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔
بینک کادوسرابڑا مقصد سرمایہ کاتحفظ ہے جوکرنٹ اکائونٹ اورلاکرز وغیرہ کی شکل میں ہوتاہے اورتیسرا مقصد سرمایہ کا انتظام ہے کہ آپ کومختلف اوقات میں مختلف جگہوں میں مختلف اغراض ومقاصد کے لیے سرمایہ فراہم کرنے یا وصول کرنے کی ضرورت پڑجاتی ہے،یہ ضرورت آپ بینک کے شعبوں کے ذریعے بآسانی پوری کرلیتے ہیں،جبکہ بینک کاچوتھا بڑا مقصد مختلف سروسزوخدمات فراہم کرنا مثلاً درآمد برآمد میں وکالت وضمانت اورافراط وتفریط زرپر کنٹرول وغیرہ۔
بینک کے یہ کام ایسے ہیں جو معاشرے کی حاجت ہیں جب کہ مذکورہ بالا مقاصد اور کاموں میں سے بینک کے ایک کام یعنی ترسیل زرکے لیے ھنڈی کی صورت کے متبادل پیش کرنے کے لیے اکابر بالخصوص حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ نے کتنی محنت اور فکرمندی سے کام لیاجوبینک کے بیسیو ں کاموں میں سے صرف ایک کام ہے،اگر حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ آج حیات ہوتے تووہ ضرور سودی بینکنگ کے متبادل کی حوصلہ افزائی فرماتے، جیسا کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے اکابر نے فرمایا، بلکہ اس کابنیادی طریقہ کاربھی تجویز فرمایا۔
بینک کااصل وجود توان ضروری مقاصد ومصالح کے لیے تھا لیکن چوں کہ یہ سارا نظام یہودیوں کے ہاتھ میں چلا گیاجن کی خصوصیت قرآن نے یہ بیان فرمائی ہے:
﴿سَمَّٰعُونَ لِلۡكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحۡتِۚ﴾ [۵:۴۲]
ترجمہ: کہ کان لگالگا کرجھوٹ سنتے ہیں اورپیٹ بھر بھر کرحرام کھاتے ہیں۔
توانہوں نےاس کوحرام اور سود کے طریقے پرتشکیل دیا،اگربینک سے سود کے عنصر کوہٹایا جائے توبینک کے مذکورہ بالا مقاصد (جوجائز مقاصد ہیں)جائز طریقوں سے بھی پورے ہوسکتے ہیں۔[89]

---

[87]۔ المرغيناني ،الامام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي،المجلد السادس، مكتبة البشرى كراتشي باكستان ،2008م،ص166.
[88]۔ المرغيناني ، ص166.
[89]۔ خیل ،محولہ بالا

مندرجہ بالا مثال میں بنکنگ کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے بڑے جامع انداز میں اس کی ضرورت و حاجت کو بیان کیا گیا۔اور اس کی ضرورت سے آج کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ وہ مفتیانِ کرام بھی کسی نہ کسی طورپر بنک سے وابستہ ہیں جو اس کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس پہلو کے اعتبار سے غور و خوض کیا جائے۔اور اس میں پائی جانے والی خرابیوں کو ختم کیا جانا چاہیے نہ یہ کہ سرے سے اس کی ضرورت کا ہی انکار کر دیا جائے۔

چھٹی فصل:مجوزہ دستوری سفارشات

ذیل میں ہم چند دستوری سفارشات پیش کرتے ہیں جس سے دستور کی اسلامی دفعات میں سقم کو دور کیا جا سکتا ہے :

1. قرار دادِ مقاصد کے بارے میں صراحت کی جائے کہ اس کی حیثیت دیگر تمام دفعات پر فائق ہو گی۔
2. قومی زندگی کےتمام شعبوںکے بجائے ان شعبوںمیں عورت کی مکمل شمولیت کو یقینی بنانے کے اقدامات کیے جائیں جو صنف نازک کے مزاج، صلاحیتوں اور دینی اقدار کے موافق ہوں۔
3. صدر کو کسی بھی طرح کی سزا کو معطل کرنے ،تخفیف کرنے، معاف کرنے یا تبدیل کرنے کے اختیار کو ختم کیا جائے۔
4. صدر کی موت،برطرفی ، غیر موجودگی،استعفیٰ کی صورت میں چئیرمین سینٹ یا قومی اسمبلی کا اسپیکر قائم مقام صدر ہو گا،تو صدر کی طرح چئیرمین سینٹ اور اسپیکر کے لیے بھی مسلمان ہونے کی شرط رکھی جائے۔
5. فحاشی، شراب اور سود کی روک تھام اور خاتمے کے لیے معین مدت مقرر کی جائے۔
6. وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے مستثنٰی قوانین مثلاً دستور،مسلم شخصی قانون اور عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق قانون کو بھی عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل کیا جائے۔
7. وفاقی شرعی عدالت میںتین کے بجائے کم از کم چار علما کو شامل کیا جائے۔تینکی صورت میں دیگر پانچ جج ان تینوں علما کی مخالفت کی صورت میں بھی کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز ہوسکتے ہیں ،جس سے اس عدالت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔
8. شریعت اپیلیٹ بنچ کے علما ارکان کی مدت کی تعیین صدر کی صوابدید کے بجائے سپریم کورٹ کے عام ججوں کے برابر کی جائے اور ریٹائرمنٹ،برطرفی یا استعفیٰ کے وہی قواعد و ضوابط لاگو ہوں جو کہ سپریم کورٹ کے ججوں کے لیے مقرر ہیں۔
9. کسی مجوزہ قانون کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل سے مشورہ حاصل ہونے تک اسے وضع نہیں کیا جاسکےگا ۔

10. اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے تیار کردہ قوانین اور رپورٹس کو قومی اسمبلی اور سینٹ میں زیر ِ بحث لانا لازم کیا جائے ۔
11. صدر،گورنر،وزیر اعظم،وزراء، وزیر اعلی وغیرہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کسی عدالت میں پیش نہیں ہوں گے،ان پر کوئی مقدمہ نہیں کیا جا سکے گا،ان استثناءات کو ختم کیا جائے۔

حاصل کلا م

اس باب کے آغاز میں آئین و قانون کے مابین فرق واضح کیا گیا ہے۔نیز یہ بتایا گیا کہ ہم نے مقالہ میں قانون کے دونوں گوشوں دستور اور ملکی قوانین کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس دوران بحث کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا گیا:

- قیام پاکستان سے اب تک دستور و قانون سازی میں ان مکاتب فکر کا کیا کردار رہا
- قرارداد مقاصد کی منظوری
- ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علما کے ۲۲ متفقہ اسلامی ریاست کے رہنمائے اصول
- ۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے دستورساز کمیٹی کی رپورٹ میں اصلاحات و ترمیمات پیش کرنا
- ۱۹۷۰ء میں ۱۱۸ علما کی طرف سے متفقہ ۲۲نکاتی معاشی اصلاحات کا پیش کرنا
- قادیانی گروہ کی تکفیر میں متفرق مکاتب فکر کی کاوشوں کا جائزہ
- ۱۹۸۳ ءمیں اسلامی نظریاتی کونسل میں متفرق مکاتب فکر کے علما کی جانب سے ۱۹نکاتی رہنما اصول جو اسلامی حکومت میں دستور سازی کے لیے پیش کیے۔
- ۱۹۹۵ میں ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے متفقہ ۱۷نکات
- ۲۰۱۱ء میں متفرق مکاتب فکر کی جا نب سے ۱۹۵۱ء کے ۲۲نکات کی توثیق اور انہی کی تشریح پر مشتمل ۱۵ متفقہ نکات
- ۲۰۱۳ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے ’’دینی مسالک میں تقارب اور رواداری کا فروغ‘‘ کے لیے ۲۳ علما کے ۱۸ نکات پر اتفاق کیا گیا ۔ جس سے واضح ہو ا کہ پاکستان کے مکاتب فکر کے مابین اختلافات کسی موقع پر بھی اسلامی دستورو قانون سازی میں رکاوٹ نہیں بنے۔

اس کے بعد اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا سوالنامہ اور موصول ہونے والے مقالات اور ان کے تجزیے کے نتیجے میں سات متفقہ نکات پیش کیے گئے۔ اور چند مقالہ نگاروں کی آراء کے اقتباسات

بھی پیش کیے گئے۔اس کی فصل دوم میں نتائج البحث پیش کیے گئے جس میں فقہی اختلافات کا حل اور اسلامی قانون سازی کے حوالے سے متفرق اداروں کے لیے مجوزہ کردار پیش کیا گیا۔ان اداروں میں حکومت ، عوام الناس، ممبران اسمبلی علما، علمائے مدارس دینیہ شامل ہیں۔اس دوران ایک فقہ اکیڈمی کا تصور اور اس کے خدوخال پیش کیے گئے جو اس وقت اداروں کے خلا کو پر کر سکتا ہے۔ بعد ازاں پاکستان میں اسلامی قوانین کے منہج پر روشنی ڈالی گئی اور اس سلسلے میں مختلف اہل علم کی آراء کا جائزہ لیا گیا۔اس کے بعد مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کا مجوزہ حل چند مثالوں کے ذریعے پیش کیا گیا اس ضمن میں شخصی قوانین سے متعلق نکاح (الفاظِ نکاح اور اختلافِ فقہاء کا جائزہ، زوجۃ المفقود کے احکام اور اختلافِ فقہاء کا جائزہ، شوہر کی عدم رضا پر اگر قاضی نکاح فسخ کردے تو کیا وہ فیصلہ نافذہوجائے گا یا نہیں؟)مثالوں کے ذریعے متفرق فقہا کی آراء کا تجزیہ پیش کیا گیااور عصر حاضر میں شخصی قوانین کی تشکیل کی مجوزہ صورتوں کا تجزیہ پاکستان کے عائلی قوانین کی روشنی میں پیش کیا گیا۔اس کے بعد ملکی قوانین سے متعلق حدود(حدود کی تعریف، اقسامِ حدود،حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، اقرار سے رجوع حد کو ساقط کر دیتا ہے،رجم کی سزا، قتل عمد میں کفارہ ہے یا نہیں ؟) مثالوں کے ذریعے متفرق مذاہب کی آراء و افکار کا تجزیہ پیش کیا گیا۔اس ضمن میں پاکستان کے قوانینِ حدود کے ساتھ موازنہ اور اصلاحات کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔بعد ازاں مالیاتی و تجارتی قوانین کے سلسلے میں بیع سلم اوروعد ملزم کو بطور مثال لے کر مالیاتی و تجارتی قوانین کے سلسلے میں متفرق فقہی مذاہب کی آراء کا تجزیہ اور عصر رواں میں مالیاتی و تجارتی قوانین کا مجوزہ خاکہ پیش کیا گیا ۔ آخر میں ضرورت و حاجت اور دفع حرج کے عنوان کے تحت خصوصاً مالیاتی قوانین کے سلسلے میں یسر(آسانی) پیدا کرنے کی تجاویز اسلامی بنکنگ اور امور اطاعت پر معاوضہ کی مثالوں سے پیش کی گئیں۔

آخر میں دستور پاکستان کے حوالے سے چند ترمیمی سفارشات پیش کی گئیں جو بنیادی طورپر پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ اور آئین ِپاکستان کی دفعات کے تجزیہ کے ضمن میں بعض سقم کے مجوزہ حل کے طور پر سامنے آئیں۔ اللہ تعالیٰ اس مساعی کو قبول فرمائے۔ اور پاکستان میں نفاذ ِ اسلام کی رکاوٹوں کو دور فرمائے۔امین !

اختتامیہ /نتائج البحث

1. مقالہ کے آغاز میں قیام پاکستان کی سیاسی و مذہبی تاریخ کا مطالعہ پیش کیا گیا کہ برصغیر میں اسلام کا آغاز کب سے ہوا۔ قائد اعظم کے بقول وہیں سے پاکستان کی بنیاد پڑی، جب برصغیر میں پہلا آدمی مسلمان ہوا۔
2. ہند میں مسلمانوں کی حکمرانی کے بارے میں مختصراً تجزیہ پیش کیا گیا کہ کس طرح ہند میں مسلمانوں کا زوال ہوااور اس کے اسباب کیا تھے۔اس میں ظاہر ہے مسلمانوں کا طرزِ حکمرانی تھا جس کی وجہ سے مسلمان روبہ زوال ہوئے اور ہند میں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔
3. انگریزوں کے قبضے کے بعد احیاء کے لیے کی جانے والی مختلف کوششیں اور ان کا تجزیہ کیا گیا کہ انہیں کس حد تک کامیابی ملی ۔
4. قائد اعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔
5. بانی پاکستان کے افکار اور نظریات کے بارے میں ان کے مختلف تقاریر و بیانات کے اقتباسات پیش کیے گئےجس کا حاصل یہ ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواں تھے جس میں اللہ کے احکام کی عمل داری ہو اور ایک ماڈل اسلامی ریاست بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کی جائے۔تا کہ انہیں احکامات خداوندی کا دورِ حاضر میں قابل عمل ہونے کا عملی ثبوت ملے، اور دنیا انہیں دورِ حاضر کے مصائب و مشکلات سے نجات کا ذریعہ سمجھے۔

مذکورہ تمہیدی گفتگو کے بعد:

6. فقہ اسلامی کا آغاز و ارتقاء بیان کیا گیا۔مختلف ادوار میں فقہ اسلامی کی تدوین کیسے ہوئی ،فقہا کے مابین اختلاف کن وجوہات کی بنا پر تھے ،ان کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔
7. اس بات کا جائز ہ پیش کیا گیا کہ باقاعدہ فقہی مذاہب کا ظہور کب سے ہوا ،اور اس دوران فقہا کرام نے کن اسالیب پر فقہ کی تدوین کی ۔مختلف مذاہب کی ترویج کا عمل کیسے ہوا ۔
8. طریق تخریج اور طریق تتبع حدیث کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی، اور اس پر سیر حاصل بحث کی گئی کہ ان کے مابین مطابقت کیوں کر پیدا کی جا سکتی ہے ۔
9. پاکستان میں رائج فقہی مذاہب کا مختصر جائز ہ پیش کیا ،جس میں فقہ حنفی ،اہل حدیث اور شیعہ شامل ہیں ۔
10. فقہا کے مابین مختلف مسائل میں اختلاف کے ضمن یہ بات سامنے آئی کہ ان کے درمیان اختلاف ان مضبوط اصولوں کی بنا پر ہے جو صدر اول سے چلے آ رہے ہیں۔

11. مختلف مسالک کا آپس میں اختلاف دینِ اسلام کا حسن ہے اور علم ِفقہ کی وسعتوں اور زمانے کے ساتھ اس کے امتزاج کا ذریعہ ہیں۔
12. ان اختلافات میں سے بیشتر کا تعلق فروعی اختلافات کے ساتھ ہے ۔ جس میں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے ۔اور بنیادی مسائل میں سے اکثر متفق علیہ ہیں۔
13. دور حاضر میں ہمارا طرز ِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم متفق علیہ مسائل پر زیادہ توجہ دیں اور دعوت و تبلیغ میں انہی کو موضوع بحث بنائیں ۔اور جہاں اختلافی آراء ہوں ان میں ایک دوسرے کا احترام اور وسعت قلبی کا مظاہر ہ کرنا چاہیے۔
14. پاکستان کے فقہی مذاہب میں فقہ حنفی اور اہل حدیث کے مابین آئین سازی کے بنیادی اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں ۔
15. اہل تشیع کے ساتھ اگر چہ کچھ بنیادی نوعیت کا اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف اسلامی قانون سازی میں کبھی حائل نہیں ہو گا ۔اس کی کئی مثالیں ہمیں اسلاف سے بھی ملتی ہیں ۔اور عصر رواں میں شریعت ِ اسلامی کی تنفیذ میں ان کے متفقہ لائحہ عمل سے بھی اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے ۔
16. ۲/فروری ۱۹۷۳ء سے ۹/اپریل ۱۹۷۳ء تک آئین ِ پاکستان کے لیے بننے والے مسودۂ دستور پر قومی اسمبلی میں ہونے والی مباحث میں متفرق مکاتب فکر کے علماء کرام کی جانب سے دی جانی والی تجاویز و ترامیم کو قدرے تفصیلاً پیش کیا گیا ہے۔ان کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا۔
17. جائزہ سے پتا چلا کہ آئین میں سابقہ دساتیر کے مقابلے میں اسلامی دفعات کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ علماء کرام کی کوششوں کا سنہری باب ہے ،اور اس دوران جب کہ حزبِ اقتدار پارٹی کی کو ئی اسلامی سوچ نہیں تھی ،اس کے باوجود کافی حد تک اسلامی دفعات کو دستور میں جگہ دی گئی۔
18. آئین کی اسلامی دفعات میں کافی سقم ہے لیکن ان کا اس حالت میں بھی آئین میں موجود ہونا بلا شبہ انہی علما کرام کا مرہون منت ہے ۔
19. مباحث آئین کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ علماء کی طرف سے منظم کام میں کافی فقدان موجود رہا، اگر کسی بھی ترمیم کی سفارش پیش کرنے کے لیے تمام دینی جماعتوں سے مشاورت کی جاتی اور اس کے بعد ایک متفقہ پلیٹ فارم سے اس کا مطالبہ کیا جاتا تو اس سے بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی تھی، لیکن اس کی مثال بہت کم رہی۔
20. آئینِ پاکستان کی اسلامی دفعات کا تجزیہ پیش کیا گیا۔
21. اسی ضمن میں اسلامی دفعات کا درج ذیل نکات سے بھی موازنہ کیا گیا:

أ. ۱۹۵۱ ء میں دینی مسالک کے ۳۱ علماء کی طرف سے پیش کردہ ۲۲نکات۔

ب. ۱۹۵۳ء میں انہی علماء کی طرف سے دستوری مسودے پر متفقہ ترامیم و تجاویز۔
ت. ۱۹۵۶ءاور ۱۹۶۲ء کے دساتیر۔
ث. ۲۰۱۱ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے پیش کردہ ۱۵ متفقہ نکات ۔

22. آئین پاکستان میں ہونے والی اہم اسلامی ترامیم کا جائزہ پیش کیا گیا۔
23. ۱۹۷۳ء سے اب تک ملک کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا۔
24. انسدادِ ربوٰا (سود) کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل ،وفاقی شرعی عدالت ، شریعت اپیلٹ بنچ کے فیصلوں اور حکومت کے (ٹال مٹول اور اعراض پر مبنی) کردار کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا جس سے ان اداروں کی اثر اندازی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کا حاصل یہی ہے کہ مختلف ادوار میں آئین ِ پاکستان میں اسلامی دفعات شامل کرنے میں مقتدر حکمرانوں نے اپنے لیے چور دروازے رکھے ہوئے ہیں خاص طور پر انسداد ربا(سود) کے حوالے سے جس طرح کی سفارشات اور فیصلے ان اداروں کی جانب سے کیے گئے بلاشبہ وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں ۔لیکن حکومت نے آئین کی ان دفعات کے سقم سے فائدہ اٹھاتے ہو ئے اس معاملہ کو ابھی تک لٹکا کر رکھا ہوا ہے ۔بلاشبہ اگر اسلامی دفعات کے ان سقم کو دور کر لیا جائے تو اسلامائزیشن کے حوالےسے اس کے دیر پا نتائج مرتب ہوں گے ۔
25. مقالہ کے آخر میں آئین و قانون کے مابین فرق واضح کیا گیا۔
26. مقالہ میں قانون کے دونوں حصوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے ۔ پہلا حکومتی قانون ہے جسے ہم دستور (آئین) کہتے ہیں ۔ دوسرا مروج قوانین ہیں جو مملکت کے افراد کے لیے بنائے جاتے ہیں۔
27. قیام پاکستان سے اب تک دستور و قانون سازی میں ان مکاتب فکر کا کیا کردار رہا ،جس میں خاص طور پر قراردار مقاصد کی منظوری ، ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء کے ۲۲ متفقہ اسلامی ریاست کے رہنمااصول ، ۱۹۵۳ء میں انہی علماء کی طرف سے دستورساز کمیٹی کی رپورٹ میں اصلاحات و ترمیمات پیش کرنا،۱۹۷۰ء میں ۱۱۸ علماء کی طرف سے متفقہ ۲۲نکاتی معاشی اصلاحات کا پیش کرنا ،قادیانی گروہ کی تکفیر میں متفرق مکاتب فکر کی کاوشوں کا جائزہ، ۱۹۸۳ء میں اسلامی نظریاتی کونسل میں متفرق مکاتب فکر کے علماء کی جانب سے ۱۹نکاتی رہنما اصول جو حکومت میں دستور سازی کے لیے پیش کیے ۔اسی طرح ۱۹۹۵ میں ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے متفقہ ۱۷نکات کا جائزہ پیش کیا گیا ۔
28. ۲۰۱۱ء میں متفرق مکاتب فکر کی جا نب سے ۱۹۵۱ء کے ۲۲نکات کی توثیق اور انہی کی تشریح پر مشتمل ۱۵ متفقہ نکات پیش کیے۔

29. ۲۰۱۳ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے ''دینی مسالک میں تقارب اور رواداری کا فروغ'' کے لیے ۲۳ علماء کے ۱۸ نکات پر اتفاق کیا ۔
30. ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت '' اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا سوال نامہ اور موصول ہونے والے مقالات اور ان کے تجزیے کے نتیجے میں سات متفقہ نکات پیش کیے گئے۔
31. چند مقالہ نگاروں کی آراء کے اقتباسات بھی پیش کیے گئے۔
32. ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر دور میں متفرق مکاتب فکر و مذاہب کے مابین آئین و قانون سازی سے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں رہا بلکہ ان کی مشترکہ کاوشوں سے کئی متفقہ نکات سامنے آئے ،جو ان لوگوں کے لیے جواب ہے جو متفرق مکاتبِ فکر کو اسلامی آئین و قانون سازی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔
33. مقالہ کا بنیادی مفروضہ یہ تھا کہ کیا آج کے دور میں متفرق مکاتب فکر کے اختلافات اسلامی قوانین کی تشکیل و تنفیذ میں رکاوٹ ہیں ؟نیز مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کس طرح ممکن ہو گی ؟
34. اول الذکر مفروضہ کے حوالے سے پورے مقالہ میں جن پہلوؤں سے بحث کی ہے ان کے مطابق پاکستان کے مکاتب فکر کے مابین اختلافات کسی موقع پر بھی اسلامی دستورو قانون سازی وتنفیذ میں رکاوٹ نہیں بنے ۔
35. اس دوران فقہی اختلافات کے حل اور اسلامی قانون سازی کے حوالے سے متفرق اداروں کے لیے مجوزہ کردار پیش کیا گیا ۔ان اداروں میں حکومت ، عوام الناس ، ممبران اسمبلی علماء، علمائے مدارس دینیہ شامل ہیں۔
36. ثانی الذکر مفروضہ ، کہ متفرق مکاتب فکر کے مابین اختلافات کی صورت میں مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کیوں کر ممکن ہے ؟ اس کا مجوزہ حل جو سامنے آیا وہ پیش خدمت ہے:

سب سے پہلے ہم نے ملکی قوانین کو تین اقسام میں تقسیم کیا ۔پہلی قسم ان قوانین کی ہے جو قرآن وسنت نے متعین کر دیے ہیں ۔ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی بالکل نہیں ہو سکتی۔ جیسے کائنات کا حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان اللہ کا نمائندہ بن کر اس کے عطا کردہ اختیارات کو بطور امانت استعمال کرتا ہے ۔آئین پا کستان کی دفعہ ۲(الف) میں قرار داد ِ مقاصد کو شامل کیا گیا ہے جس میں اسی حقیقت کا اظہار ہے ۔دوسری قسم ان قوانین کی ہے جو اجتہاد ی کہلاتے ہیں ۔ یعنی ان قوانین کو قرآن و سنت سے مستنبط کیا جاتا ہے ۔اور اسی استنباط کے متفرق طریقوں سے متفرق مذاہب وجود میں آئے ۔ان میں وہ قوانین بھی ہیں جن کا تعلق اجتماعیت یعنی پورے ملک سے ہیں ،اور دوسرے وہ قوانین جن کا تعلق افراد کے ساتھ ہو

یعنی شخصی قوانین جیسے نکاح ، طلاق ، وصیت وغیرہ سے ہے۔
تیسری قسم ان قوانین کی کہلاتی ہیں جو انتظامی قوانین کہلاتے ہیں ۔
اب تینوں اقسام میں پہلی قسم کے قوانین کا تعلق براہ راست قرآن وسنت سے ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔تیسری قسم انتظامی قوانین کی ہے جو پورے ملک کے منتخب نمائندے انتخابات کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں ، وہ ان ا نتظامی قوانین کو تشکیل دیں گے۔ ان قوانین کا چوں کہ براہ راست تعلق قرآن وسنت سے نہیں ہے ۔ان قوانین میں بس اس چیز کو دیکھنا ہو گا کہ کہیں کو ئی قانون قرآن و سنت کی تعلیمات سے ٹکراتا تو نہیں ہے ۔

دوسری قسم اجتہادی قوانین کی کہلاتی ہے جسے مزید دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ۔قسم اول کا تعلق تو شخصی قوانین سے ہے تو یہ ہر مذہب و مسلک کے اپنے افکار و مذہب کے مطابق ہی تشکیل دیے جائیں گے ۔ جبکہ ثانی الذکر جن کا تعلق ملکی قوانین سے ہے تو اس بارے میں دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں ۔پہلا نقطہ نظر یہ کہ ان قوانین کو براہ راست قرآن مجید و سنت ِ رسول ﷺ کے ماخذ سے تشکیل دیا جائے ۔اس نقطہ نظر کے قائلین بھی سلف سے چلتے آرہے ہیں ،بہرحال ان کا گروہ قلیل رہا ہے ۔اور دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مروج فقہی مذاہب کے ذخیرہ سے استفادہ کیا جائے ۔اس لیے کہ براہ راست ان قوانین کو تشکیل دینا جب کہ نصوص میں سے چار سے پانچ سو قرآنی آیات موجود ہیں اور لگ بھگ چار سے پانچ ہزار احادیث کا مجموعہ موجود ہے ،جو سلف فقہا کے مطابق احکامات سے بحث کرتا ہے ، تو اتنی قلیل نصوص سے آج کے لا تعداد مسائل حل کرنا یقیناً مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے ۔اس لیے کہ وہ صلاحتیں ، تقویٰ ، دیانت اور علمی استعداد جو اس اہم و نازک کام کےلیے درکار ہے وہ آج نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اس لیے ثانی الذکر نقطہ نظر زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے ۔

اب پاکستان کی سطح پر ان اجتہادی امور جن کا تعلق ملکی قوانین سے ہے ، کس فقہی مذہب کے مطابق انہیں تشکیل دیا جائے گا ، جب کہ یہاں پر فقہ حنفی ، اہل حدیث اور اہل تشیع موجود ہیں ۔ تو اس بارے میں یہ اصول ذہن میں رہے کہ اس ملکی قوانین کے وہ امور جن کا تعلق مالیات وتجارت یعنی بیع و شراء کے ساتھ ہے ۔ تو ان قوانین کے لیے بھی کسی معین فقہ کے مطابق قانون سازی نہیں ہو گی بلکہ دور ِ حاضر کی ضروریات کے پیش نظر نہ صرف ملکی مذاہب کی فقہ سے استفادہ کیا جائے گا ، بلکہ دوسرے ممالک کے مذاہب کے فقہی ذخیرے سے بھی استفادہ کر کے مالیاتی قوانین مرتب کیے جائیں گے ۔ اس لیے کہ بیرون ملک تجارت تو آج کل عام ہے اور

متعلقہ ممالک کے افراد کا باہم ایک مسلک ہونا بھی ممکن نہیں ہوتا تو اس کے لیے ایسے معیار بنائے جائیں گے جو ہر ایک کی فقہی مذہب کے پیروکار کے لیے قابل ِ قبول ہوں ۔

37. اب آخر میں ہم ان قوانین کی جانب آتے ہیں جن کا تعلق ملکی قوانین سے ہے اور انہیں ملکی سطح پر نافذ کرنا ہے ۔تو اس بار ے میں زیادہ قرین ِ قیاس یہی را ئے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان قوانین کو ملک کی اکثریتی فقہ کے مطابق تشکیل دیے جائیں ۔ پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہاں کی اکثریت فقہ حنفی سے تعلق رکھتی ہے تو ان قوانین کو فقہ حنفی کے مطابق تشکیل دیا جائے ۔اور اس معاملے میں بھی اس بات کی گنجائش بہر حال موجود رہتی ہے کہ کسی قانون کوفقہ حنفی کے مطابق تشکیل دینا اس دور کی ضروریات کے پیش نظر اگر ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے فقیہ کی رائے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔ اس لیے کہ سارے فقہا ء کا کام امت ِ مسلمہ کا اجتماعی ورثہ ہے۔ اور جب کبھی اسلامی نظام کو عالمی سطح پر تنفیذ کی ضرورت پیش آئے گی ،اور احادیث کے مطابق ایسا ضرور ہو گا ، تو اس موقع پر ان تما م فقہا کے علمی ذخیرے سے نئی فقہ اسلامی کی ضرورت پیش آئے گی ۔ اس ضمن میں مروج قوانین کی تینوں اقسام شخصی قوانین ، ملکی قوانین اور بین الاقوامی قوانین جن میں خاص طور پر مالیاتی و تجارتی قوانین کی چند مثالوں کے ذریعے قانون سازی کی مجوزہ صورتوں کا جائزہ پیش کیا گیا ۔

38. مملکت ِ خداداِ پاکستان میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تشریح و توضیح کر سکے۔

39. اس ضمن میں فقہ اکیڈمی کے قیام کا تصور پیش کیا گیا اور اس کے اغراض و مقاصد بیان کیے گئے۔

40. اخیرا ً دستورِ پاکستان کی اسلامی دفعات کے تجزیے کے دوران سامنے آنے والے اسلامی دفعات کے سقم کو دور کرنے کے لیے چند دستوری سفارشات پیش کی گئیں جن کے ذریعے دستور ِپاکستان کی روح بحال ہو سکے گی۔

اللہ تعالیٰ ان مساعی کو قبول فرمائے ۔ اور پاکستان میں نفاذ ِ اسلام کی رکاوٹوں کو دور فرمائے ۔آمین !

ضمیمہ جات

ضمیمہ جات

ضمیمہ (الف)

قرار دادِ مقاصد

چونکہ اللہ تبارک و تعالی ہی پوری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے ؛

چونکہ پاکستان کے جمہور کی منشا ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی؛

جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا ؛

جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق،جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے،ترتیب دے سکیں؛
جس میں قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ اقلیتیں آزادی سے اپنے مذاہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں ؛
جس میں وہ علاقے جو اس وقت پاکستان میں شامل یا ضم ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو بعد ازیں پاکستان میں شامل یا ضم ہوں ایک وفاق بنائیں گے ،جس میں وحدتیں اپنے اختیارات و اقتدار پر ایسی حدود اور پابندیوں کے ساتھ جو مقرر کر دی جائیں، خود مختار ہوں گی ؛
جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے تابع حیثیت اور مواقع میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشرتی اور سیاسی انصاف اور خیال، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل ہوگی ؛
جس میں اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کے جائز مفادات کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا؛
جس میں عدلیہ کی آزادی پوری طرح محفوظ ہوگی؛
جس میں وفاق کے علاقوں کی سالمیت، اس کی آزادی اور زمین، سمندر اور فضا پر اس کے حقوق مقتدر کے بشمول اس کے جملہ حقوق کی حفاظت کی جائے گی؛
تا کہ اہل پاکستان فلاح و بہبود حاصل کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور بین الاقوامی امن اور بنی نوع انسان کی ترقی اور خوشحالی میں اپنا پورا حصہ ادا کر سکیں۔

ضمیمہ (ب)

اسلامی مملکت کے بنیادی اُصول

(۲۲نکاتی رہنما اصول جو ۱۹۵۱ء میں تمام مکاتب فکر کے ۳۱ معتمد علیہ علما کی جانب سے متفقہ طور پر پیش کیے گئے)

اسلامی مملکت کے دستور میں حسبِ ذیل اُصول کی تصریح لازمی ہے:

1. اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔
2. ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا، جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہو تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کردیئے جائیں گے۔
3. مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اُصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔
4. اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرکے منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء و اعلاء اور مسلّمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کاانتظام کرے۔
5. اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگاکہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوّت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پرنسلی و لسانی،علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔
6. مملکت بلاامتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں، یا نہ رہے ہوں یاعارضی طور پر بے

روزگاری، بیماری یادوسرے وجوہ سے فی الحال سعئ اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

7. باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادئ مذہب و مسلک، آزادئ عبادت، آزادئ ذات، آزادئ اظہارِرائے، آزادئ نقل و حرکت، آزادئ اجتماع، آزادئ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

8. مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِجواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمئ موقعۂ صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

9. مسلّمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کرسکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

10. غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدودِ قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب وثقافت اورمذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی، اور انہیں اپنے شخصی معاملات کافیصلہ اپنے مذہبی قانون یارسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

11. غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدودِ شریعہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کاذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک اور مسلم باشندگانِ ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

12. رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر ان کے جمہوری منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

13. رئیس مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے خیالات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کرسکتا ہے۔

14. رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

15. رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کُلاً یا جزواً معطل کرکے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

16. جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

17. رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

18. ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔
19. محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیبت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔
20. ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔
21. ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ان کی حیثیت نسل، لسانی یاقبائلی وحدہ جات کی نہیں محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا۔مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔
22. دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

اسمائے گرامی حضرات شرکائے مجلس

1. علامہ سلیمان ندوی (صدر مجلس ہذا)
2. مولاناسیدابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی پاکستان)
3. مولانا شمس الحق افغانی (وزیر معارف، ریاست قلات)
4. مولانا محمد بدر عالم (اُستاذ الحدیث، دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد، ٹنڈوالہ یار، سندھ)
5. مولانااحتشام الحق تھانوی (مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد، سندھ)
6. مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان، سندھ)
7. مفتی محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)
8. مولانا محمد ادریس (شیخ الجامعہ، جامعہ عباسیہ، بہاولپور)
9. مولاناخیر محمد (مہتمم، مدرسہ المدارس، ملتان شہر)
10. مولانامفتی محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ، نیلاگنبد، لاہور)
11. پیر صاحب محمدامین الحسنات (مانکی شریف، سرحد)
12. مولانامحمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر، دارالعلوم الاسلامیہ، اشرف آباد، سند)
13. حاجی خادم الاسلام محمد امین (خلیفہ حاجی ترنگ زئی، المجاہد آباد، پشاور صوبہ سرحد)
14. قاضی عبدالصمد سربازی (قاضی قلات، بلوچستان)
15. مولانا اطہر علی (صدر عامل جمعیۃ علماے اسلام،مشرقی پاکستان)
16. مولانا ابوجعفر محمد صالح (امیرجمعیت حزب اللہ، مشرقی پاکستان)
17. مولاناراغب احسن (نائب صدر جمعیۃ العلما اسلام، مشرقی پاکستان)
18. مولانامحمد حبیب الرحمن (نائب صدر جمعیۃ المدرسین، سرسینہ شریف،مشرقی پاکستان)
19. مولانامحمد علی جالندھری (مجلس احرارِ اسلام پاکستان)

20. مولانا) داؤد غزنوی (صدر جمعیۃ اہلحدیث، مغربی پاکستان)
21. مفتی جعفر حسین مجتہد (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)
22. مفتی حافظ کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظِ حقوقِ شیعہ پاکستان لاہور)
23. مولانا محمد اسماعیل سلفی (ناظم جمعیت اہلحدیث پاکستان گوجرانوالہ)
24. مولانا حبیب اللہ (جامعہ دینیہ دارالہدیٰ، ٹھیڑھی، خیرپور میرس)
25. مولانااحمد علی (امیر انجمن خدام الدین، شیرانوالہ دروازہ، لاہور)
26. مولانا محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ، کراچی)
27. پروفیسرعبدالخالق (رکن بورڈ آف تعلیماتِ اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)
28. مولانا شمس الحق فریدپوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم، ڈھاکہ)
29. مفتی محمد صاحبداد عفی عنہ (سندھ مدرسۃ الاسلام، کراچی)
30. مولانا محمد ظفر احمدانصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستورساز پاکستان)
31. پیرصاحب محمد ہاشم مجددی (ٹنڈو سائیں داد، سندھ)

ضمیمہ (ت)

دستوری سفارشات پر ہر مکتبہ خیال کے مشاہیر علما کا متفقہ تبصرہ اور ترمیمات

باب دوم... مملکت کی پالیسی کے رہنما اصول... پیرا گراف ۲ شق

(۲)ضمن الف...رپورٹ میں اس ضمن کی موجودہ عبارت سے یہ گنجائش نکلتی ہے کہ حکومت نظام تعلیم کو سابق انگریزی دور کی بنیادوں پر بر قرار رکھتے ہوئے صرف اس امر کی کوشش کرے کہ مسلمانوں کے لیے بس قرآن مجید کی تعلیم لازم کردے اور مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ کس قسم کی زندگی قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق ہوتی ہے، دینیات کا ایک کورس مقرر کردے۔ لیکن یہ انتظام کسی طرح بھی تعلیم اور تربیت کی ان خرابیوں کو دور کرنے کے

لیے کافی نہیں ہے جو سابق ملحدانہ نظام تعلیم کے بدولت پیدا ہورہی تھیں۔ لہٰذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس ضمن کے موجودہ الفاظ کو حسب ذیل الفاظ سے بدل دیاجائے۔

> مسلمانوں کے لیے قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیاجائے اور ملک کے نظام تعلیم میں ایسی اصلاحات کی جائیں جن سے مسلمان اپنی زندگی کو قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق ڈھالنے کے قابل ہوسکیں۔

پیرا گراف ۲ شق ۲ ضمن(ب)...اس ضمن میں رپورٹ کی موجودہ تجویز دو لحاظ سے ناقص ہے۔ ایک یہ کہ وہ صرف شراب خوری کو ممنوع کرتی ہے نہ کہ شراب فروشی اور شراب سازی وغیرہ کو بھی، اور دوسرے مسکرات کے بارے میں خاموش ہے دوسرا یہ کہ وہ شراب جوئے اور عصمت فروشی کے انسداد کےلیے کسی مدت کا تعین نہیں کرتی جس سے اندیشہ پیدا ہوتاہے کہ اسلامی مملکت پاکستان میں یہ فواحش غیر معین مدت تک جاری رہیں گے۔ لہٰذا ہم ضرور ی سمجھتے ہیں کہ اس کی موجودہ عبارت کی جگہ یہ عبارت رکھی جائے۔ہر قسم کی مسکرات،جوئے اور عصمت فروشی کا تاریخ نفاذ دستور سے زیادہ سے زیادہ تین سال کے اندر قانون سازی کے ذریعہ مکمل انسداد کیاجائے۔

پیراگراف۲شق(۴) اس شق میں رپورٹ کے مصنفین نے موجودہ قوانین ملکی کو کتاب و سنت کے مطابق تبدیل کرنے کے لیے کسی مدت کا تعین نہیں کیاہے جس سے یہ اندیشہ ہوتاہے کہ نفاذ دستور سے پہلے کے خلاف اسلام قوانین غیر معین مدت تک ملک میں نافذ رہیں گے ،حالانکہ یہ قابل برداشت نہیں ہے اس لیے ہم اس شق کو بدل کر حسب ذیل صورت میں لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

شق ۴ ضمن الف ...موجودہ قوانین کو پانچ سال کے اندر کتاب و سنت کے مطابق تبدیل کر دینے کا مناسب انتظام کیاجائے۔

شق۴ ضمن ب...قرآن پاک اور سنت کے وہ احکام جو قانونی صورت میں نافذ کیے جاسکتے ہیں ان کی تدوین و تنفیذ کے لیے مناسب کارروائی کی جائے البتہ کوئی قانون جو مسلمانوں کے شخصی معاملات سے متعلق ہو ہر فرقے کے لیے کتاب و سنت کے اسی مفہوم کی روشنی میں کیاجائے گا جو اس کے نزدیک مستند ہو اور کوئی فرقہ دوسرے فرقے کی تعبیر کا پابند نہ ہوگا نہ کوئی قانون ایسا بنایاجائے گا جس سے کسی فرقے کے مراسم و فرائض مذہبی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو۔

پیراگراف۲ شق(٦)...اس شق کی موجودہ عبارت کے بجائے ہمارے لیے ایک یہ عبارت مناسب ہوگی مملکت کی کوشش ہونی چاہیے کہ بلا امتیاز مذہب و ملت پاکستان تمام شہریوں کے لیے کھانے کپڑے مکان تعلیم اور طبی امداد جیسی بنیادی ضروریات زندگی کا کام کرے خصوصاً ان کے لیے جو بیروزگاری کمزوری بیماری یا ایسی ہی کسی دوسری وجہ سے عارضی یا مستقل طور پر اپنی روزی کمانے کے قابل نہ ہوں۔

پیرا گراف ۲شق (۷)...اس شق میں اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ مملکت کی معاشی پالیسی اسلام کے اصول عدل پر مبنی ہوگی۔ اس لیے موجودہ عبارت کی جگہ یہ عبارت ہونی چاہیے:

''مملکت کی معاشی پالیسی اسلام کے اصول عدل عمرانی پر مبنی ہونی چاہیے اور بلا امتیاز مذہب نسل یا رنگ عوام کی ہر قسم کی بہبودی کا انتظام کیاجائے اور اس پر اس طرح عملدرآمد ہونا چاہیے کہ...''

پیرا گراف ۲(۷)(ج) ...اس شق میں اگرچہ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کا مفہوم بہت وسیع ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ محنت پیشہ اور زراعت پیشہ لوگوں کےمعاوضوں کا معاملہ اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا الگ ذکر کردینا اور اس امر کی صراحت کرنا ضروری ہے کہ ملک میں اس طبقہ کے معاوضوں کا معیار کم از کم اس حد تک رکھاجائے گا کہ ان کی بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں، لہٰذا ہماری رائے میں موجودہ عبارت کی جگہ یہ عبارت ہونی چاہیے۔

مزدروں اور کسانوں کے حقوق اور معاوضوں کا ایسا منصفانہ معیار مقرر کیاجائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہیں اور ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جاسکے۔

پیراگراف ۲شق(۱۰)...اس شق میں رپورٹ کی موجودہ عبارت ناقص ہے اور یہ نقص خصوصیت کے ساتھ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ لسانی تعصبات کا ذکر نہیں کیاگیاہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک اس کو حسب ذیل عبارت سے بدلنا چاہیے۔

> مملکت کے لیے لازم ہونا چاہیے کہ وہ پاکستانی مسلمانوں میں سے جغرافیائی، قبائلی، نسلی اور لسانی اور اسی قسم کے دوسرے غیر اسلامی جذبات دور کرنے اور ان میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ وہ ملت اسلامیہ کی سا لمیت وحدت و استحکام اور اس طرز فکر کے لوازمات اور اس مقصد کو سب سے مقدم رکھیں جس کی تکمیل کے لیے پاکستان قائم ہو اہے۔

اضافے...مذکورہ بالا ترمیمات کے علاوہ ہمارے نزدیک رپورٹ کےر ہنما اصولوں میں حسب ذیل امور کا اضافہ بھی ضروری ہے۔

شق ۲ ضمن (و)اسلامی علوم و ثقافت کے فروغ کا موثر انتظام کیاجائے۔

شق۷ضمن(د)حکومت کے ادنیٰ و اعلیٰ ملازمین کے معاوضوں کا تفاوت اعتدال پر لایاجائے۔

مزید نئی دو شقیں...۱...الف...مملکت کے لیے اس امر کا اہتمام لازمی ہوگا کہ مسلم امیدواران ملازمت اور ملازمین حکومت کے انتخاب اور تقرر اور ترقی کے مواقع پر قابلیت اور کارکردگی اور دیگر متعلقہ عوامل کے ساتھ ساتھ اسلامی کردار اور شعائر اسلامی کی پابندی کا موثر لحاظ رکھاجائے۔

(ب)تمام سرکاری ملازمتوں کی ٹریننگ میں خواہ وہ فوجی ہوں یا سول مسلمانوں کے لیے دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیاجائے تاکہ ریاست پاکستان کے ملازمین کا اخلاقی معیار بھی معیار قابلیت کی طرح بلند ہو۔

(ج)مسلمان ملازمین حکومت کو فرائض دینی کی پابندی کی پابندی اور شعائر اسلام کے التزام میں پوری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔
دہریت و الحاد کی تبلیغ اور قرآن و سنت کی توہین و استہزاء کا بذریعہ قانون سازی انسداد کیاجائے۔

باب۳۔قرآن پاک اور سنت کیخلاف قانونی سازی کا سد باب

پیراگراف۳..اس پیراگراف میں صرف سلبی حیثیت سے یہ کہہ دنیا کافی نہیں ہے کہ کوئی قانون سازی قرآن اور سنت کے خلاف نہ ہوگی بلکہ ایجابی طور پر اس اصولی حقیقت کو دستور میں ثبت ہونا چاہیے کہ اس ریاست میں قرآن اور سنت کے احکام و ہدایات ہی قانون کا اصل سر چشمہ ہونگے۔ اس لیے موجوہ پیراگراف کے بعد اس عبارت کا اضافہ ضروری ہے اور مملکت کے قوانین کے ماخذا ساسی(چیف سورس)قرآن و سنت ہوں گے۔
پیراگراف۴,۵,۶ اور ۸...حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب،حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور حضرت مفتی محمد صاحبداد صاحب نے اس کی بجائے ایک دوسری تجویز پیش کی جو ضمیمے میں درج ہے۔
ان میں قرآن اور سنت کے خلاف قانون سازی کی روک تھام کے لیے علماکے ایک بورڈ کے قیام کی جو صورت پیش کی گئی ہے وہ نہ کسی لحاظ سے معقول ہے اور نہ اس طرح کی قانون سازی کو روکنےکے لیے مؤثر ہی ہوسکتی ہے۔ البتہ اس سے بہت سی نئی خرابیوں کے پیدا ہوجانے کا قوی امکان ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جس طرح دوسرے قوانین کے معاملے میں حدود دستور سے متجاوز قانون سازی کی روک تھام کے لیے تعبیر دستور کے اختیارات سپریم کورٹ کے سپرد کیے گئے ہیں، اسی طرح پیرا گراف ۳ کے معاملے کو بھی سپریم کورٹ ہی پر کیوں نہ چھوڑا جائے۔ البتہ یہ امر ضروری ہے کہ جس وقت تک ہمارے ملک میں نئے دستور کے تقاضوں کے مطابق کتاب و سنت میں بصیرت رکھنے والے فاضل جج پیدا نہ ہوں اس وقت تک کے لیے کوئی ایسا عارضی انتظام تجویز کردیاجائے جس سے سپریم کورٹ میں پیرا گراف ۳ کے منشاء کے مطابق کتاب و سنت کی صحیح تعبیر کی جاسکے۔ لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ پیرا گراف ۴ تا ۶ کو اور ان سے تعلق رکھنے والے پیرا گراف ۸ کو حذف کردیاجائے اور ان کے بجائے حسب ذیل پیرا گراف رکھاجائے۔

> (۱)...پیرا گراف ۳ کے تحت مجالس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جو دستوری اعتراضات یا تعبیر دستور کے مسائل پیدا ہوں ان کا فیصلہ کرنے کےلیے سپریم کورٹ میں پانچ علما مقرر کیے جائیں گے جو سپریم کورٹ کے کسی ایسے جج کے ساتھ جسے امیر مملکت تدین و تقویٰ اور واقفیت علوم و قوانین اسلامی کے پیش نظر اس مقصد کے لیے نامزد کرے گا ملکر اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔

۲)...ان علما کا تقرر اسی طریقے سے ہوگا جو سپریم کورٹ کے ججوں کے لیے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات میں تجویز کیاگیاہے۔

۳) ...اس منصب کے لیے صرف ایسے ہی علما اہل ہوں گے جو
(الف).کسی دینی ادارے میں کم از کم دس سال تک مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہوں یا
(ب).کسی علاقے میں کم از کم دس سال تک مرجع فتویٰ رہے ہوں یا
(ج).کسی باقاعدہ محکمہ قضا ءشرع میں کم از کم دس سال تک قاضی کی حیثیت سے کام کرچکے ہوں یا
(د).کسی دینی درسگاہ میں کم از کم دس سال تک تفسیر حدیث یا فقہ کا درس دیتے رہے ہوں۔
یہ انتظام پندرہ سال کےلیے ہوگا اور اگر ضرورت ہو تو رئیس مملکت اس مدت میں توسیع کرسکتاہے۔
ان عالم دین ججوں کے لیے جملہ ضوابط وہی ہوں گے جو بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات میں دوسرے ججوں کے متعلق تجویز کیے گیے ہیں۔
پیراگراف(۷) ...رپورٹ میں اس پیرا گراف کو دیکھ کر ہمیں سخت حیرت ہوئی جن لوگوں نے پیر اگراف ۳ میں اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ اس ملک میں قرآن پاک کے خلاف کوئی قانون نہیں بننا چاہیے ان کے قلم سے یہ بات کیسے نکل گئی کہ حکومت کے مالی معاملات قرآن اور سنت کے احکام کی پابندی سے آزاد رہیں گے۔ اگر یہ ریاست خدا اور رسول کے احکام و فرامین کو قانون سے بالاتر تسلیم کرتی ہےجو پیرا گراف ۳ کے الفاظ سے ظاہر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ریاست کے مالیات خدا اور رسول کے دائرہ اثر (جو رسڈکشن) سے باہر ہوں۔ ہمارے نزدیک جس طرح اسلام دنیا کے ہر معاملے میں ہمارا بہترین رہنما ہے اسی طرح مالی معاملات میں بھی ہے، ہم اس کے لیے ہر گز تیار نہیں ہیں کہ ہمارے دستور کی ایک دفعہ میں مالیات کی حد تک اسلام کی رہنمائی پر صاف صاف عدم اعتماد کا اعلان کردیاجائے، البتہ ہم یہ تسلیم کرتےہیں کہ سردست کچھ مدت تک ریاست کے مالی معاملات کو اسلام کے مطابق درست کرنے میں عملی مشکلات مانع ہوں گی مگر اس کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ مالی مسودات قانون پر باب سوم کے احکام کا اطلاق ہونے کے لیے پانچ سال کی مدت مقرر کردی جائے، لہٰذا اس باب کا پیرا گراف (۷)حذف کرکے اس کی جگہ یہ عبارت ہونی چاہیے۔
باب ہذا کے احکام کا اطلاق مالی مسودات قانون پر تاریخ نفاذ دستور سے پانچ سال کی مدت کے اختتام پر ہوگا۔

حصہ ۲ وفاقیہ اور اس کے علاقہ جات

پیرا گراف ۹ ...اس دفعہ کی شق (۱)میں مملکت کا نام صرف پاکستان تجویز کیا گیا ہے ہمارے نزدیک یہ کافی نہیں ہے اس، کے بجائے مملکت کا نام جمہوریہ اسلامیہ پاکستان ہونا چاہیے۔
اس بات پر یہ اعتراض نہیں کیاجاسکتا کہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کی موجودگی اسلامی جمہوریه کہنے میں مانع ہے۔ آخر جب روس میں کثیر التعداد غیر اشتراکیوں کی موجودگی جمہوریہ روس کو اشتراکی جمہوریہ کہنے میں مانع نہیں ہے تو پاکستان کے لیے غیر مسلموں کی موجودگی اسے اسلامی جمہوریہ کہنے

میں کیوں مانع ہے ؟اسلامی جمھوریه کا مفہوم صرف یہ ہے کہ یہ ایک ایسی جمہوریت ہے جو اسلام کے اصولوں پر قائم ہوئی ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کا اظہار قرار داد مقاصد میں بھی کیاجاچکاہے اور اس رپورٹ کا پیرا گراف ۳ بھی اس پر دلالت کررہاہے۔

علاوہ بریں اس پیرا گراف میں حسب ذیل اضافے بھی ہونے چاہئیں۔ شق (۱) کے بعد حسبِ ذیل عبارت:

ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزائے انتظامی متصور ہوں گے ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع اختیارات سپرد کیے جائیں گے۔

شق(۲) کے بعد حسب ذیل عبارت:

ولایات مملکت کو مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

اس کے بعد موجودہ شق ۲ شق ۴ ہوجائے گی۔

حصہ سوم:باب اول۔عاملہ

پیراگراف ۲۳شق دوم...اس میں انتخابی عدالتیں مقرر کرنے کا اختیارات امور میں داخل کیا گیا ہے۔جو صدر ریاست کی صوابدید پر چھوڑے گئے ہیں، ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔انتخابات میں انصاف قائم کرنا اس ریاست کے وجود کے لیے غایت درجہ اہمیت رکھتاہے اور انصاف کے تمام دوسرے شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی انتظامیہ کی مداخلت سے آزاد اور عدلیہ کے دائرہ عمل میں ہونا چاہیے۔لہٰذا اس پیرا گراف کی شق دوم سے اور انتخابی عدالتوں کے الفاظ حذف کردینے چاہئیں اس کی متبادل تجویز ہم حصہ دواز دھم دربابانتخابات میں پیش کریں گے۔

پیرا گراف ۲۸ شق (۲)، (۳)

ان دونوں شقوں میں اس امر کا امکان رکھا گیاہے کہ ایسے اشخاص وزیراعظم اور وزیر بن سکیں جو مجالس قانون ساز میں منتخب ہو کر نہ آئے ہوں یا انتخاب میں ناکام ہوئے ہوں اور پھر اقتدار کی کرسی پر چھ مہینے تک فائز رہنے کے بعد انتخاب جیتنے کی کوشش کریں۔ یہ چیز نہایت قابل اعتراض اور نقصان دہ بھی ہے کسی شخص کو وزارت کی کرسی پر بٹھا کر پھر انتخاب جیتنے کا موقع دینا حکومت کی انتظامی مشینری کو اوررائے دہندوں کو سخت اخلاقی انحطاط میں مبتلا کرنے کا موجب ہوگا۔لہٰذا اس دروازہ کو قطعی بند ہونا چاہیے اور یہ دونونشقیں حذف کی جانی چاہئیں۔

اس غلطی کا اعادہ پیرا گراف ۸۹شق(۲) میں بھی کیا گیاہے جہاں ولایات (یونٹیں) میں غیر منتخب لوگوں کے وزیراعلیٰ اور وزیر بن جانے اور پھر انتخاب جیتنے کے امکانات رکھے گئے ہیں۔لہٰذا پیر اگراف ۸۹ شق(۲) کو بھی حذف کیاجاناچاہیے۔

باب۲۔وفاقی مقننہ:۔ اس باب میں ایوان ولایات (ہاؤس آف یونٹس) اور ایوان جمہور(ہاؤس آف دی پیل)کی ترکیب وتشکیل جس طرح کی گئی ہے اس میں متعدد

امور ایسے ہیں جو اس مجلس کے نزدیک سخت قابل اعتراض ہیں ،اور ان میں بڑی بے اصولی بھی پائی جاتی ہے مگر چونکہ اس وقت مختلف صوبوں کے سیاسی رہنماؤں کے درمیان ان امور میں گفت و شنید ہورہی ہے اور ہم اس میں خلل ڈالنا پسندنہیں کرتے اس لیے ان کے بارے میں ہم سرِدست اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔

پیر اگراف ۴۰ شق (۱) :اس میں ایوان ولایت کی نشست پُر کرنے کے لیے کسی شخص کے نا اہل ہونےکی جو چار وجوہ بیان کیے گئے ہیں ان میں مسلم ارکان کے لیے پانچویں درجہ کا بھی اضافہ ہوناچاہیے جس کے الفاظ یہ ہوں:

فرائض اسلام کا پابند اور فواحش سے مجتنب نہ ہو۔

اس وجہ کا اضافہ پیر اگراف ۴۷ درباب ایوان جمہور اور پیرا گراف ۱۰۱در باب مجالس مقننہ ولایات میں بھی ہونا چاہیے۔

پیراگراف ۴۰شق(۱)ضمن (چہارم): اس ضمن کی موجودہ عبارت قابل اعتراض ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ایوان ولایات کا ہر رکن لازما اس ولایت کا باشندہ ہونا چاہیے کہ جس سے وہ منتخب ہوکر آئے یہ پاکستانیوں کے درمیان صوبائی تعصبات کو مستقل طور پر قائم رکھنے کاایک موثر ذریعہ ہوگا، لہٰذا ہم تجویز کرتے ہیں کہ اس عبارت کوبدل کر یوں کردیاجائے :

مملکت کے کسی حصہ کی فہرست رائے دہندگان میں اس کانام درج نہ ہو۔

اس غلطی کا اعادہ پیرا گراف ۴۷ شق (چہارم)میں بھی کیا گیاہے اور اس کی بھی مذکورہ بالا طریقے پر اصلاح ہونی چاہیے۔

پیراگراف ۴۲ ضمن(۵):اس میں ہر اس شخص کو ایوان ولایات کی رکنیت کےلیے نااہل قرار دیا گیاہے جسےکسی عدالت مجاز نے کسی جرم کے ارتکاب پر دو سال یا اس سے زیادہ کی سزا دی ہو۔ یہ ''کسی جرم''کا لفظ بہت وسیع ہے اس کی زد میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جنہیں سیاسی اسباب کی بنا پر سزا دی گئی ہو اس کی بجائے ہم تجویز کرتے ہیں کہ اس شق میں کسی ''کسی دوسرےجرم''کے الفاظ حذف کرکے ''کسی اخلاقی جرم ''کے الفاظ رکھے جائیں۔

یہی اصلاح پیرا گراف ۴۸شق(۵)اور پیرا گراف ۱۰۲شق(۵) میں بھی ہونی چاہیے۔

پیراگراف ۴۲شق(ز)اس شق میں ایوان ولایات کی رکنیت کیلیے ہر اس شخص کو نا اہل قرار دیاگیاہے جو سرکاری ملازمت سے بد اطواری کی بنا پر برخاست کیاگیا ہو، یہ بد اطواری بھی بہت وسیع مفہوم رکھتی ہے اور اس کی زد میں ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جن کو کسی وقت کسی پارٹی کی حکومت سیاسی اسباب سے برخواست کردے درآ ں حالیکہ کہ وہ کسی اخلاقی خرابی میں مبتلا نہ پائے گئے ہوں لہٰذا اس شق ''بد اطواری'' کے بعد''جو اخلاقی جرم کی نوعیت کی ہو '' کا اضافہ ہونا چاہیے۔

یہی اصلاح پیر اگراف ۴۸ شق(ز) اور پیرا گراف ۱۰۲شق (ز)میں بھی ہونی چاہیے۔

پیراگراف ۵۰شق(د) اس میں ہر شخص کو رائے دہندگی کے حق سے محروم کیاگیا ہے جس نے کسی عدالت مجازسے کسی جرم کے ارتکاب پر دو سال یا اس

سے زیادہ کی سز اپائی ہو، اس پر بھی ہم کو وہی اعتراض ہے جو پیرا گراف ۴۲ شق(۵) کے سلسلہ میں بیان کیاجاچکاہے، لہٰذا'' کسی جرم کے بعد جو اخلاقی نوعیت کا ہو ''کے الفاظ کا اضافہ ہونا چاہیے۔
یہی اصلاح پیراگراف ۱۰۶شق(د)میں بھی ہونی چاہیے۔
پیراگراف ٦٦شق(ا):اس میں یہ تجویز کیاگیا ہے کہ مقننہ کے ہر رکن کے لیے پاکستان کی وفاداری کا حلف اٹھانا لازم ہوگا یہ بالکل مناسب ہے لیکن اس کے ساتھ ہر رکن مقننہ کو یہ حلف بھی اٹھانا چاہیے کہ وہ مقننہ کی کارروائیوں میں اپنا ووٹ دیانتداری کے ساتھ دےگا لہٰذا اس شق میں ''وہ پاکستان کی وفاداری کا حلف اٹھائے کے بعد ''ان الفاظ کا اضافہ ہونا چاہیے۔
نیز اس بات کا حلف اٹھائے کہ وہ اپنا ووٹ دیانتداری کے ساتھ استعمال کریگا اس فقرے کا اضافہ پیراگراف ۱۱۸ شق(ا)میں بھی ہونا چاہیے۔

حصہ در ۱۰ درباب عدلیہ

عدلیہ کے باب میں کسی مقام پر حسب ذیل دو دفعات کا اضافہ ہونا ضروری ہے۔
(۱)عدلیہ کے ہر اہل منصب کے تقرر و ترقی میں تقرر کرنےوالے کے پیش نظر من جملہ دیگر عوامل متعلقہ کے تقویٰ و تدین اور اصلی ماخذ کے ذریعہ علوم و قوانین اسلامی سےواقفیت بھی موثر عوامل اور وجہ ترجیح کی حیثیت رکھیں گے۔
یہ اس لیے ضروری ہے کہ اسلام انتظامیہ اور مقننہ کے ارکان سے بھی بڑھ کر عدالت ہائے انصاف کے حکام کے تدین و تقویٰ کو اہمیت دیتاہے اور جبکہ اس مملکت میں یہ اصول تسلیم کرلیا گیا ہے کہ یہاں قوانین اسلام کے اصول و احکام پر مبنی ہوں گے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے حکام عدالت قوانین اسلامی سے واقف ہوں۔
(۲)مقننہ یا انتظامیہ کو ٹربیونلز(خاص عدالتیں)مقرر کرنے کے اختیارات نہ ہوں گے۔
یہ اس لیے ضروری ہے کہ کسی خاص مقدمہ کے لیے یا خاص نوعیت کے مقدمات کے لیے انتظامہ کا اپنی اغراض اور مصلحتوں کی بنا پر خود یا مقننہ کے ذریعہ سے خاص عدالتیں قائم کرنا اور ان کے اختیارات داد رسی پر من مانی حدود وقیود عائد کرنا قطعاً خلافِ انصاف ہے ،اور اس اختیار کو جس بے جا طریقےسے استعمال کیاجاتا رہاہے اس کی نہایت بری مثالیں دیکھی جاچکی ہیں، اس لیے خاص عدالتیں مقرر کرنے کے طریقے کو از روئے دستور بند ہونا چاہیے اور ہر قسم کے مقدمات ملک کی عام عدالتوں ہی کی طرف رجوع کیے جانے چاہئیں۔

حصہ ۱۰ باب اول عدالت عظمیٰ

پیراگراف۱۸۲۔۔اس میں سپریم کورٹ کو اس اختیار سے محروم کیا گیا ہے کہ وہ مسلح افواج سے متعلق کسی عدالت یا ٹربیونل کے صادر کیے ہوئے کسی حکم کے خلاف اپیل کرنے کی اجازت دے، ہمارے نزدیک یہ قید غیر منصفانہ ہے ۔جبکہ ہمارے دستور میں سپریم کورٹ کو آخری عدالت انصاف قرار دیاجائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک کے کسی شخص کو خواہ وہ فوجی ہو سویلین یا عام شہری انصاف حاصل کرنے کیلیے اس کا دروازہ کھٹکھٹانے کا موقعہ نہ دیاجائے ۔اگر

فوجی عدالتوں میں کسی شخص کو بے انصافی کی شکایت ہو تو آخر کیوں وہ ملک کی آخری عدالت انصاف سے اپیل نہ کرسکے۔ لہٰذا پیر ا گراف ۱۸۲ کی حسب ذیل عبارت حذف کی جانی چاہیے۔

پیراگراف ۱۸۷:...اس پیر اگراف میں سپریم کورٹ کے اس اختیار کو کہ وہ انصاف کی غرض کے لیے کوئی شہادت یا دستاویز طلب کرسکے، وفاقی مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین سے محدود کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر مقننہ کوئی ایسا قانون بنادے جس میں کسی خاص قسم کی شہادتیں یا دستاویزطلب کرنا ممنوع ہو تو سپریم کورٹ انہیں طلب نہ کرسکے گا۔ خواہ انصاف کے لیے اس کا طلب کرنا کتنا ہی ضروری ہو،یہ بات اسلامی اصول عدل کے قطعاً خلاف ہے، اسلام کی رو سے جس شہادت کے بغیر انصاف نہ کیاجاسکتا ہو وہ جس کے پاس بھی ہو عدالت اس کو طلب کرنے کا حق رکھتی ہے، اور اس شخص کے لیے کتمان حق جائز نہیں ،لہٰذا اس پیر اگراف سے یہ الفاظ حذف کردیئے جائیں:

بحفظ احکام موضوعہ مقننہ وفاقی۔

نیز پیراگراف کے اختتام پر حسب ذیل عبارت کا اضافہ کیاجائے:

’’البتہ عاملہ کو حق ہونا چاہیے کہ اگر اس کے نزدیک کسی شہادت یا دستاویز کا انشاءمملکت کے تحفظ و استحکام کے منافی ہو تو وہ عدالت سے استدعا کرسکتی ہے کہ اس کے اخفاکا خاطر خواہ انتظام کیاجائے۔‘‘

حصہ ۱۰ باب دوم...عدالت ہائے عالیہ

پیراگراف ۲۰۵ شق(۲)اس پیراگراف میں ہائی کورٹ کے اختیارات پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے ماتحت کسی عدالت کے ایسے فیصلوں پر اعتراض کرسکے جن کی اپیل یا نگرانی کسی اور طریقہ سے ہائی کورٹ میں نہ ہوسکتی ہو، ہمارے نزدیک یہ پابندی ولایات کی بلند ترین عدالت کو انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے روکتی ہے، ہائی کورٹ کو تو اس امر کے پورے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں کہ جب کبھی اس کے علم میں کوئی ایسا معاملہ آئے جس میں اسکی ماتحت عدالتیں انصاف کرنے سے قاصر رہی ہوں وہ اس کا نوٹس لے اور انصاف بہم پہنچانے کی کوشش کرے۔ لہٰذا اس پیراگراف کی یہ شق پوری کی پوری حذف کی جانی چاہیے۔

حصہ یا زدہم درباب ملازمین و مامور ِملازمت سرکاری

پیرا گراف ۲۲۲شق (۱) اس شق میں یہ کہا گیا ہے کہ وفاقی مقننہ میں امیر مملکت کی اجازت کے بغیر اور ولایت (یونٹس) کی مجالس مقننہ میں حاکمان ولایات کی اجازت کے بغیر کوئی ایسامسودہ قانون نہیں پیش کیاجاسکتا جو ان تحفظات کو منسوخ یا محدود کرتا ہو جو دفعہ ۱۹۷ ضابطہ فوجداری اور دفعات ۸۰ تا ۸۲ ضابطہ دیوانی میں سرکاری ملازمت کو دیے گئے ہیں ہمارے نزدیک یہ شق سخت قابل اعتراض ہے اگر ریاست پاکستان کے ملازمین امیر مملکت اور حاکمان ولایت کے ملازم نہیں بلکہ پاکستان کی پبلک کے ملازم ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ پبلک کے نمائندے اس کے ملازموں کے حقوق اختیارات اور امتیازات میں تغیر و

تبدل کرنے کے لیے کوئی مسودہ قانون پیش کرنے میں امیر مملکت اور حاکمان ولایات کی اجازت کے محتاج ہوں۔ آزاد پاکستان میں تو دفعہ ۱۹۷ فوجداری اور دفعات ۸۰ تا ۸۲ ضابطہ دیوانی جیسی صریح غیر منصفانہ دفعات کا کتابِ آئین پر موجودرہنا ہی شرمناک ہے کجا کہ دستور میں ان دفعات کو بچانے کے لیے یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ ان میں ترمیم اور تنسیخ کرنے کےلیے کوئی مسودہ قانون نہ پیش کیاجاسکے جب تک کہ امیر مملکت اور حاکمان ولایات اس کی اجازت نہ دیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس پیر اگراف کی یہ شق حذف کی جائے۔

حصہ دواز دھم درباب انتخابات

ا سباب میں کسی مقام پر حسب ذیل عبارات کا بصورت پیر اگراف اضافہ ہونا ضروری ہے۔

(الف)...امیر مملکت، حاکمان ولایات اور عمال حکومت کےلیے یہ ممنوع ہونا چاہیے کہ وہ انتخابات میں کسی شخص یا پارٹی کے خلاف یا موافق رائے عامہ کو متاثر کرنے کی کوشش کرے۔''

(ب)مرکزی اور صوبائی وزراء اعظم،وزراء، مملکتی وزراء او رنائب وزراء اور پارلیمنٹری سیکریٹری کے لیے ممنوع ہونا چاہیے کہ وہ کسی شخص یا پارٹی کے موافق یا خلا ف سرکاری اثرات اور وسائل کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کی کوشش کریں۔

(ج) مرکزی مقننہ اور ولایات کی مجالس مقننہ میں ہر نشست جو خالی ہوگئی ہو زیادہ سے زیادہ چار ماہ کے اندر اندر بذریعہ ضمنی انتخاب پر کرنی ضروری ہوگی۔

پیراگراف ۲۳۴شق(۲)...اس میں انتخابی کمیشن کے'' ارکان کا تقرر بھی چیف کمشنر کے تقرر کی طرح محض امیر مملکت کی صوابدید پر موقوف کردیا گیاہے۔''جہاں تک چیف کمشنر کا تعلق ہے اس کے تقرر کے معاملے میں تو اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ وہ امیر مملکت ہی کی صوابدید پر ہو لیکن انتخابات کی آزادی کےلیے یہ مناسب معلوم ہوتاہے کہ پورا الیکشن کمیشن محض امیر مملکت ہی کا ساختہ پر داختہ نہ ہو۔ لہٰذا ہم تجویز کرتے ہیں کہ اس شق کے الفاظ''اور چیف کمشنر انتخابات سے لیکر''اپنی صوابدید پر مقرر کرے گا۔'' تک حذف کردیے جائیں اور ان کی جگہ یہ عبارت رکھی جائے:

اور امیر مملکت چیف کمشنر انتخابات کو اپنی صوابدید پر اور دوسرے انتخابی کمشنروں کو چیف کمشنر انتخابات کی سفارش پر ایسے قانون کے احکام کے تابع جو وفاقی مقننہ اس بارے میں وضع کرے۔''

نیزاحکام کی بجا آوری کو محفوظ کرنے کے لیے پیرا گراف ۲۳۴ شق(۲) میں یہ اضافہ ہونا چاہیے۔

چیف الیکشن کمیشن کا تقرر مستقل ہونا چاہیے ،اس کے سپرد مرکز اور ولایات میں نہ صرف عام انتخابات کا انتظام ہوگا بلکہ وقتاً فوقتا خالی ہونے والی نشستوں کیلیے ضمنی انتخابات کا انتظام بھی ہوگا نیز انتخابات کے لیے رائے دہندگان کی فہرستوں کو ہر وقت تیار رکھنا بھی اسکا فرض ہوگا چیف الیکشن کمشنر کا مرتبہ

سپریم کورٹ کے ججوں کے مماثل ہوگا اور اس پربھی وہ پابندیاں عائد کی جائیں گی جو پیر اگراف ۲۲۷ شق (۲)و (۳) میں پبلک سروس کمیشن کے صدر پر عائد ہوتی ہیں۔
چیف الیکشن کمشنر وہی شخص مقرر کیاجائے گا جو کم از کم تین سال کسی ہائی کورٹ میں جج رہ چکاہو۔
پیراگراف ۲۳۹شق(۲)...اس شق میں انتخابی عدالتیں مقرر کرنے کا اختیار مرکز میں امیر مملکت اور ولایات میں حاکمان ولایات کو دیا گیاہے لیکن جیسا کہ حصہ سوم کے پیرا گراف ۲۳ میں ہم کہہ چکے ہیں یہ چیز انتخابات کی آزادی کے لیے مضر ہے لہٰذا اس شق کی موجودہ عبارت کے بجائے یہ عبارت ہونی چاہیے۔
انتخابی عدالتیں مقرر کرنے کا اختیار مرکز میں سپریم کورٹ اور ولایات میں ہائی کورٹ کو ہونا چاہیے۔

ضمیمہ اول

فہرست اول...اس فہرست میں حسب ذیل مضامین کا اضافہ کیاجائے۔
(1) مملکت کے رہنما اصول کے مطابق تعلیمی پالیسی کا تعین توافق اور رہنمائی اور علمی و تعلیمی اداروں کا قیام۔
(2) رہنما اصول کے مطابق مملکت کی بنیادی آئیڈیا لوجی اور نصب العین کا تحفظ۔

فہرست اول و سوم...ان دونوں فہرستوں میں نمبر ۳ اپنی موجودہ صورت میں سخت قابل اعتراض ہے، احتیاطی نظر بندی کے اختیارات اب تک جس طریقے سے استعمال کیے جاتے رہے ہیں وہ سیفٹی ایکٹ اور اس قسم کے دوسرے قوانین کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں اور یہ قوانین نہ صرف شریعت کے خلاف ہیں بلکہ عقل عام اور انصاف کے عالمگیر تصورات کے بھی خلا ف ہیں حتیٰ کہ خود وہ لوگ جنہیں آج ان ختیارات پر اصرار ہے اپنی بےاختیاری کے زمانے میں دوسروں پر شدت کے ساتھ اعتراض کرتے تھے کہ وہ ان کے خلاف سیفٹی ایکٹ جیسے قوانین استعمال کررہے ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک یہ ضروری ہے کہ ان دونوں فہرستوں کے نمبر ۳ میں احتیاطی نظر بندی کے بعد حسب ذیل عبارت کا اضافہ کیاجائے:

> بشرطیکہ جس شخص کو اس غرض کے لیے نظر بند کیاجائے اسے پندرہ دن کے اندر اندر عدالت کے سامنے پیش کیاجائے اور اسکو صفائی کا پورا موقع دیاجائے اور مدت نظر بندی کا تعین کا اختیار عدالت کو حاصل ہوگا۔

ضمیمہ دوم...اس ضمیمہ میں مسلم نشستوں کے عنوان کے کالم میں پنجاب کے بالمقابل ۸۸ کی جگہ ۸۷ کا عدد درج کیاجائے اور ایک نئے کالم کا اضافہ کیاجائے جس کا عنوان قادیانیوں کے لیے مخصوص نشستیں ہو اس کالم میں پنجاب کے بالمقابل ایک کا عدد درج کیاجائے نیز ضمیمہ دوم کی تشریحات میں حسب ذیل پانچویں دفعہ کا اضافہ کیاجائے:

پنجاب میں قادیانیوں کی ایک نشست پر کرنے کے لیے پاکستان کے دیگر علاقوں کے قادیانی بھی ووٹ دینے اور مذکورہ نشست پر رکن منتخب ہوسکنے کے مستحق ہوں گے۔

قادیانی کی تشریح یوں کی جائے:

قادیانی سے مراد وہ شخص ہوگا جو مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتا ہو۔

یہ ایک نہایت ضروری ترمیم ہے جسے ہم پورے اصرار کے ساتھ پیش کرتے ہیں ملک کے دستور سازوں کے لیے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور مخصوص اجتماعی مسائل سے بے پرواہ ہو کر محض اپنے ذاتی نظریات کی بنا ء پر دستور بنائے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ملک کے جن علاقوں میں قادیانیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی آباد ہے وہاں اس قادیانی مسئلہ نے کس قدر نازک صورت حال پیدا کردی ہے۔ ان کو پچھلے دور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جنھوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو اس وقت تک محسوس کرکے ہی نہ دیا جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلود نہ ہوگیا ۔جودستور ساز حضرات خود اس ملک کے رہنے والے ہیں ان کی یہ غلطی بڑی افسوسناک ہوگی کہ وہ جب پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں اس وقت تک انہیں اس با ت کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مسلم مسئلہ بھی موجود ہے جسے حل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کو جس چیز نے نزاکت کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے وہ یہ ہے کہ قادیانی ایک طرف مسلمان بن کر مسلمانوں میں گھستے بھی ہیں اور دوسری طرف عقائد، عبادات اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مسلمانوں سے نہ صرف الگ بلکہ ان کے خلاف صف آراء بھی ہیں اور مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو اعلانیہ کافر قرار دیتے ہیں اس خرابی کا علاج آج بھی یہی ہے اور پہلے بھی یہی تھا جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے اب سے بیس برس پہلے فرمایا تھا کہ قادیانیوں۔۔۔الگ ایک اقلیت قرار دیاجائے۔

علاوہ بریں بنیادی حقوق کی جو رپورٹ ۱۹۵۰ء میں پیش کی گئی تھی اور بسرعت منظور بھی کر لی گئی اس کے پیرا گراف ۳ کا یہ حصہ بھی حذف ہونا چاہیے۔

ماسوا اس صورت کے جب کہ ریاست کی سلامتی کو کوئی بیرونی یا اندرونی خطرات لاحق ہو یا کوئی نازک ہنگامی حالت رونما ہوجائے۔

مذکورہ بالا رپورٹ میں یہ استثنائی فقرہ ہیبس کارپس کے حق کو بعض صورتوں میں معطل کردیتاہے دراں حالیکہ اسلامی شریعت کسی حالت میں بھی اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی مسلم یا ذمی شہری کو ملک کی سب سے اونچی عدالت انصاف کے پاس حبسِ جا کے خلاف داد رسی کے لیے جانے کے حق سے محروم کردیاجائے۔

اسمائے گرامی حضرات شرکائے مجلس

1. حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان ندوی صدر مرکزی جمعیت علما اسلام وصدرتعلیمات اسلامی بورڈ دستور ساز اسمبلی پاکستان۔
2. حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، نائب صدر مرکزی جمعیت علما اسلام و مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
3. حضرت مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد صاحب صدر مرکزی جمعیت علما پاکستان۔
4. حضرت مولانا داؤد غزنوی صدر جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان۔
5. حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نائب صدر مرکزی جمعیت علما اسلام۔
6. حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور۔
7. حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان۔
8. حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نائب صدر مرکزی جمعیت علما اسلام و رکن تعلیمات اسلامیہ دستور ساز اسمبلی پاکستان و سرپرست دارالعلوم کراچی١۔
9. حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی وزیر معارف ریاست قلات۔
10. حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی صدر جمعیت علمائے پاکستان سندھ۔
11. حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔
12. حضرت مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان۔
13. حضرت مولانا حاجی محمد امین صاحب خلیفہ حاجی ترنگ زئی پشاور(سرحد)۔
14. حضرت مولانا اطہر علی صاحب صدر جمعیت علما اسلام مشرقی پاکستان۔
15. حضرت مولانا ابو جعفر محمد صالح صاحب(پیر سر سینہ شریف) نائب صدر مرکزی جمعیت علما اسلام و امیر جمعیت حزب اللہ مشرقی پاکستان۔
16. حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب ناظم جمعیت اہلحدیث پاکستان۔
17. حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب جامود دینیہ دارالہدیٰ ٹھیڑی خیر پور میرس سندھ۔
18. حضرت مولانا محمد صادق صاحب مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی۔
19. حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری پرنسپل جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ۔
20. حضرت مولانا مفتی محمدصاحبداد صاحب کراچی۔
21. حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان صاحب، مجددی سرہندی ٹنڈو سائیں داد حیدرآباد۔
22. حضرت مولانا راغب احسن صاحب ایم اے نائب صدر جمعیت علما اسلام مشرقی پاکستان۔
23. حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نائب صدر جمعیت المدرسین سر سینہ شریف مشرقی پاکستان۔

24. حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی، نائب صدر مرکزی جمعیت علما اسلام و صدر جمعیت اہلحدیث پاکستان۔
25. حضرت مولانا حافظ کفایت حسین صاحب مجتہد ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان۔
26. حضرت مولانا مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد رکن تعلیمات اسلامی بورڈ دستور ساز اسمبلی پاکستان۔
27. حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شیخ التفسیر دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہیار سندھ۔
28. حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری صدر مجلس احرار اسلام پاکستان۔
29. حضرت مولانا امین الحسنا ت صاحب پیر مانکی شریف نائب صدر مرکزی جمعیت علمائے اسلام۔
30. جناب قاضی عبدالصمد صاحب سربازی قاضی قلات بلوچستان۔
31. جناب مولانا احتشام الحق صاحب مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیار خطیب جامعہ مسجد جیکب لائن کراچی۔
32. جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری سیکریٹری تعلیمات اسلامی بورڈ دستور سازی اسمبلی پاکستان۔
33. جناب مولانا دین محمد صاحب نائب صدر جمعیت علما اسلام مشرقی پاکستان۔

(نوٹ) اس اجتماع میں حضرت مولانا حماداللہ صاحب بوجہ علالت حضرت مولانا بدر عالم صاحب بوجہ ہجرت مدینہ منورہ اور پروفیسر مولانا عبدالخالق صاحب رکن تعلیمات اسلامی بورڈ و دستور ساز اسمبلی پاکستان بعض نجی مصروفیات کے باعث شرکت نہ فرماسکے۔

(ضمیمہ)

ہمارے نزدیک دفعہ نمبر ۴ کے الفاظ حسب ذیل ہوں:

> ایسی صورت میں جب کہ مجلس مقننہ میں کتاب و سنت کی تعبیر و تعریف پراعتراض ہو تو ضروری ہوگا۔ کہ یہ سوال ماہرین قوانین اسلامی علما پاکستان کے بورڈ میں بھیجا جائے یہ بورڈ اپنا جو فیصلہ صادر کرے مجلس مقننہ اس کی پابند ہوگی۔

(اسی طرح)دفعہ نمبر ۵ کی شق نمبر ۱ میں تشکیل بورڈ کے متعلق ہماری ترمیم یہ ہے کہ:

’’حکومت پاکستان علما کی ان مذہبی جماعتوں سے جو مرکزی اور صوبہ جاتی سطح پر قیام پاکستان کے بعد سےکام کررہی ہیں اور جن کا نظام اس وقت تک باقاعدہ ہے ان سے علما پاکستان کے نام طلب کرے اور امیر مملکت ان کا اعلان کردے۔

ماہرین قوانین اسلامی سےمراد علما دین ہی ہوں تو انہیں ایسا باوقار وبا اختیارہونا چاہیے کہ ان کا فیصلہ نا طق ہو، ہمیں علما کے اجتماع سے اس تجویز سے کہ

کتاب و سنت کی تعبیر کا فیصلہ کرنے کے لیے'' سپریم کورٹ''کے ساتھ علما منسلک ہوں۔

بحالتِ موجودہ اختلا ف ہے، اس لیے علما کا محض کتاب و سنت کی تعبیر و معانی بتانے کے لیے '' سپریم کورٹ''کے ججوں کے ساتھ منسلک ہونا بےکار و بے معنیٰ ہے ۔ البتہ مسلمانوں کے اہم مسائل دینی کے تصفیہ کے لیے اگر علما بحیثیت جج یعنیقاضی مقرر کیے جائیں جن کی ضرورت نزاکت حالات کے باعث لازمی ہے) توموزوں ہوسکتاہے۔

مولانا ابوالحسنات قادری،مولانا محمد عبدالحامدالقادری البدایونی

مفتی محمد صاحب داد۔

ضمیمہ (ث)

۲۲نکاتی معاشی اصلاحات کا خاکہ
کامیاب اصول معیشت و اسلامی تجارت

علمائے بریلوی حضرات

استفتاء:کیا فرماتے ہیں علما دین کہ اس وقت پاکستان میں سب سے بڑا معاشی مسئلہ دولت کی غیر اسلامی تقسیم ہے، عوام کی سب سے اہم اور معقول شکایت یہ ہے کہ ملک کی معاشی ترقی سے چند گنے چنے خاندان نہال ہورہے ہیں اور عام آبادی فقرو افلا س کا شکار ہے، کیپٹلزم اور ناجائز سرمایہ دارانہ نظام کی ستائی ہوئی دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے آج کل سوشلزم کا نسخہ پیش کیاجارہاہے،لیکن ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت حال کا علاج سوشلزم کے پاس نہیں ہے اور صرف اسلام کے پاس ہے، اس سلسلے میں ازروئے شرع موجودہ صورتحال میں فوری نافذالعمل کیا کیا معاشی حل ہوسکتے ہیں؟نیز یہ ۱۱۳علماکے فتویٰ کی روشنی میں کیا تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں کہ متفقہ شرعی حل موجود ہونے کی صورت میں امت مسلمہ صحیح رہنمائی حاصل کرسکے۔ بینواو تو جروا، مستفتی:غلام نبی خان، شیخ چاند اسٹریٹ، صدر کراچی نمبر 3۔

الجواب: غور کیاجائے تو ہمارے معاشرے میں عام آدمی کی معاشی پریشانی کے بنیادی طور پر یہ دو سبب ہیں، آمدنی کی کمی اور گرانی کی وجہ سے اخراجات کی زیادتی، ان دونوں اسباب کی ذمہ داری ہماری معیشت کے اس ناجائز سرمایہ دارانہ نظام پر عائد ہوتی ہے جس نے پوری قوم کی دولت کو چند ہاتھوں میں

سمیٹ کر رکھ دیاہے، اسلام کا نظام معیشت نافذ ہو تو مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعہ چیزیں ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔
(1)سود اتکاز دولت کا سب سے بڑا سبب ہے، قوم کے لاکھوں افراد کے سرمایہ سے جو نفع حاصل ہوتاہے وہ اس سودی نظا م کی وجہ سے سارا کا سارا ان چند سرمایہ داروں کی جیب میں چلاجاتاہے جو بینک سے لاکھوں روپیہ قرض لے کر بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں اور عوام کو نہایت معمولی سی رقم سود حرام کی شکل میں ملتی ہے اور چونکہ سرمایہ دار نفع کی بھاری مقدار حاصل کرکے بازار کے حکمراں بن جاتے ہیں اس لیے یہ معمولی سی رقم بھی بالآخر مزید کچھ سود لے کر انہیں سرمایہ داروں کے پاس پہنچ جاتی ہے، اسلامی نظام قائم ہو تو یہ ظالمانہ نظام ختم ہو کر بینکاری کا نظام سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایاجائے گا جس کے نتیجے میں بینک میں روپیہ جمع کرنے والے عوام بینک کے جمع شدہ سرمایہ کے نفع میں شریک ہوں گے اور اس سے دو طرفہ فائدے ہوں گے، ایک طرف بازار پر سے چند افراد کا تسلط ختم ہوگا اور اس سے ارزانی پید اہوگی، دوسری طرف منافع کے حصہ دار بہت زیادہ ہوں گے اور بڑی بڑی تجارتوں کا مناسب نفع بینکوں کے واسطے سے عوام تک پہنچے گا اور دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائروں میں گردش کرے گی۔
(2)ارتکاز دولت کا دوسرا سبب قمار ہے، انشورنس کا پورا نظام اسی قمار پر قائم ہے، اس کے علاوہ ایسی معمہ بازیاں، لاٹریاں، کھیل تماشوں کے سیزن ٹکٹ، یہ سب قمار کی اقسام ہیں جن کی زد سب سے زیادہ غریب عوام پر پڑتی ہے۔ انشورنس کے موجودہ نظام میں انشورنس کمپنیوں کے جمع شدہ سرمایہ سے سب سے زیادہ نفع بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے جانی ومالی نقصان کی ذمہ داری بھی ان غریب عوام پر ڈال دیتے ہیں جن کا نہ کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے نہ ا ن کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے، اس طریقے کو بدل کر اسلامی حکومت ایسی انجمنیں قائم کرے گی جو انشورنس کو امداد باہمی کے طریقہ پر رائج کرے گی اور جو سود و قمار سے خالی ہوں اور جس سے غریب عوام زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ سے مستفید ہوسکیں۔
(3) اشیاء کی گرانی اور سرمایہ کے ارتکاز کا تیسرا بڑا سبب سٹہ کی اندھی تجارت ہے، سٹہ کے کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار کے قریب نہیں آنے پاتے کہ اس پر سینکڑوں سودے ہوجاتے ہیں، ایک تاجر مال کا آرڈر دے کر مال کی روانگی سے پہلے ہی اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتاہے، دوسرا تیسرے کے ہاتھ اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ، یہاں تک کہ مال بازار میں پہنچنے سے پہلے ہی سینکڑوں مراحل سے گزر چکاہوتاہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دام کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔بیس روپے کی چیز ساٹھ روپے میں بکتی ہے، یہ سارا نفع سٹہ باز لے اٹھتے ہیں اور عوام کی جیب خالی ہوتی چلی جاتی ہے۔ سٹہ کا یہ کاروبار ممنوع ہوجانے سے لازمی طور پر چیزیں سستی ہوں گی، منافع کی وہ زائد مقدار جو سٹہ کی وجہ سے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہنچتی ہے اس سے غریب عوام مستفید ہوسکیں گے۔

(4) لائسنس اور پرمٹ کا مروجہ طریقہ بھی تجارتی اجارہ داریوں کے قیام میں بہت بڑا معاون ہوتاہے، آج کل بڑے سرمایہ داروں کو مختلف بہانے سے بڑے بڑے لائسنس دیے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں صنعت و تجارت پر ان کی خود غرضانہ اجارہ داری قائم ہے، جس سے ایک طرف گرانی بڑھتی جارہی ہے، دوسری طرف معمولی سرمایہ والوں کا بازار میں آنے کا راستہ بند ہوگیاہے۔ اگر تجارت کو اس ظالمانہ طریق کار سے آزاد کردیاجائے تو اشیاء خود بخود سستی ہوجائیں گی اور ایک عام آدمی بھی معمولی سرمایہ سے تجارت و صنعت میں داخل ہوسکے گا اور آج کا مزور کل کا کارخانہ دار بن سکے گا۔

(5) ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ اور چور بازاری پر سخت تعزیری سزائیں مقرر کی جائیں اور ذخیرہ اندوزوں کو اپنے ذخائر بازار میں لانے پر مجبور کیاجائے۔

(6) کلیدی صنعتیں مثلاً فولاد سازی، آئل ریفائنری، جہاز سازی، بجلی، ریلوے وغیرہ کی صنعتیں حکومت خود اپنی نگرانی میں قائم کرے اور ان میں صرف ان لوگوں کے حصص قبول کیے جائیں جن کی آمدنی ہزار روپیہ ماہانہ سے کم ہو یا جن کا بینک بیلنس پانچ ہزار سے کم ہو (یہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے) اب تک اس قسم کی صنعتوں میں ا س سے زائد آمدنی یا بینک بیلنس والے جن افراد کے حصص ہیں ان کے ساتھ شرکت کا معاہدہ ختم میعاد پر فسخ کردیاجائے۔ یہ طریقہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے سے کہیں زیادہ مفید ہوگا، اس لیے کہ صنعتوں کے قومی ملکیت میں چلے جانے سے صنعتیں غریبوں کی ملکیت میں نہیں آتیں بلکہ ان پر سرکاری افسروں کا تسلط قائم ہوجاتاہے، اس صورت میں غریب عوا م براہ راست صنعتوں کے مالک ہوں گے ان پر نہ سر مایہ داروں کا تسلط ہوگا نہ حکومت کا۔

(7) صنعتی اجارہ داریاں جو اس وقت رائج ہیں ان سب کو ممنوع قرار دے کر آزاد مسابقت کی فضا پیدا کی جائے تاکہ ناجائز منافع خوری کا انسداد ہوسکے اس وقت ان صنعتی اجارہ داریوں کی وجہ سے پورا بازار چند بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہے او ر وہی قیمتوں کے نظام کو اپنی طبعی رفتار سے ہٹا کر گرانی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

(8) سرکاری تنخواہ کا معیار موجودہ نظام میں نہایت غیر منصفانہ اور مختلف درجات کا باہمی تفاوت بہت زیادہ ہے اس تفاوت کو کم کرکے اونچے درجات کی تنخواہیں کم اور نیچے درجات میں زیادہ ہونی چاہئیں-پینشن کی شرح بھی اونچے درجات میں کم اور نچلے میں زیادہ۔

(9) مزدوروں کی اجرت کی سطح ہمارے ہاں بہت پست ہے، پاکستان میں پانچ افراد پر مشتمل ایک خاندان کا کم از کم خرچ دو سو روپیہ ہے، (۱۹۶۲ء میں) لیکن اجرتوں کا معیار اس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کم ہے۔ مختلف صنعتوں میں کم از کم تنخواہ ستر روپہ سے لے کر سوا سو تک ہے،نئی لیبر پالیسی میں زیادہ سے زیادہ مقدار ایک سو چالیس مقرر کی گئی ہے لیکن موجودہ گرانی میں یہ بھی ناقابل اطمینان ہے، اس حقیقت پسندانہ اضافہ کی ضرورت ہے، اسلامی حکومت کو

اختیار ہے کہ وہ اجرتوں کی کم از کم ایسی شرح متعین کر دے جو مزدوروں کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور صنعتی نظام کے لیے قابل عمل بھی۔ اس کے تعین کے لیے مزدوروں، آجروں اورحکومت کی مساوی نمائندگی پر مشتمل اجرت بورڈ ہونا چاہیے جو بدلتے ہوئے حالات میں اجرتیں تبدیل کرنے کا مجاز ہو، کم از کم شرح متعین کرنے کے بعد اجرتوں کی مزید مقدار مزدوروں کی صلاحیتوں پر چھوڑ دی جائے۔

(10)آجروں کے ساتھ مزدوروں کے معاملہ میں یہ شرط بھی حکومت کی طرف سے عائد کی جاسکتی ہے کہ وہ نقد اجرت کے علاوہ مزدووں کو کسی خاص کارکردگی پر یا خاص مدت میں یا اوورٹائم کی مخصوص مقدار کے معاوضہ کے طور پر ان کو نقد بونس دینے کے بجائے کسی مخصوص کارخانے کے مالکانہ حصہ میں دے دیں، اس طرح مزدور کارخانوں میں حصہ دار بھی بن سکیں گے۔یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ مزدوروں کی اجرت میں یہ اضافہ اسی صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہوسکتاہے جبکہ صنعتی اجارہ داریوں کو توڑنے کے ساتھ ساتھ وہ اقدامات بھی کیے جائیں جن کا ذکر اوپر کیاگیاہے ورنہ اجرتوں کی زیادتی سے اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی اور سرمایہ دار جو رقم مزدوری دے گا دوسری طرف سے وصول کر لے گا اور مزدور کی مشکلات حل نہ ہوسکیں گی۔

(11)کسانوں کے لیے بٹائی کی ایسی کم از کم شرح متعین کردیں جو کسانوں کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور ان کی زندگی کی ضروریات کی معقول کفالت بھی کر سکے، مزدوروں کی اجرت کی طرح اسلامی حکومت کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسانوں کے لیے ایک بورڈ قائم کرے جس میں کسانوں، زمینداروں اور حکومت کو مساوی نمائندگی حاصل ہو۔

مزارعت(بٹائی) کے معاملات میں جو ظلم و ستم زمینداروں کی طرف سے کسانوں پر ہوتےہیں اور وہ فاسد شرطیں جو زمیندار کسانوں کی بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر قولی یا عملی طور پر عائد کردیتے ہیں جو اسلام کی رو سے ناجائز اور حرام ہیں، ان میں سے بہت سی بیگار کے حکم میں آتی ہیں، ایسی شرطوں کو خواہ زبانی طے کی جاتی ہوں یا رسم و رواج کے ذریعہ ان پر عمل چلا آتا ہو قانوناً ممنوع قرار دے دیاجائے تو مزارعت کا معاملہ کسانوں کے حق میں بالکل بے ضرر ہوجائے گا۔

بٹائی کےمعاملہ میں جس ظالمانہ رسم و رواج نے جڑ پکڑ لی ہے اور جس کی وجہ سے کسانوں پر ناجائز شرطیں لگائی جاتی ہیں، اگر اس پر فوری طور پر قابو پانا ممکن نہ ہوتو اسلامی حکومت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ ایک عبوری دور کے لیے یہ اعلان کردے کہ اب زمینین بٹائی کے بجائے ٹھیکہ پر دی جائیں یا یہ طریقہ تجویز کر دے کہ کاشت کار بٹائی کے بجائے مقررہ اجرت پر زمیندار کے لیے بحیثیت مزدور کام کریں گے اس اجرکا تعین بھی حکومت کرسکتی ہے اور بڑے بڑے جاگیرداروں پر یہ شرط بھی عائد کرسکتی ہے کہ وہ ایک عبوری دور تک زمین کا کچھ حصہ سالانہ اجرت کے طور پر مزدور کاشت کاروں کو دیں گے۔

(12)غیر آباد زمین پر (احیائے موات) کے شرعی قوانین نافذ کیے جائیں یعنی جو کاشت کار غیر مملوکہ، غیر آباد بنجر زمینیں اور بیراجوں میں نئے آباد ہونے والے زمینوں کو خود آباد کریں ان کو ان زمینوں پر مالکانہ حقوق دیئے جائیں۔
(13)زمینوں کے رہن کے جتنے سودی طریقے رائج ہیں ان سب کو یکسر ممنوع قرار دیاجائے اور جو زمینیں اس وقت ناجائز طریقے سے زیر بار ہیں ان کو چھڑا کر ان کے غریب اور مستحق مالکوں کی طرف لوٹائی جائے۔
(14)ہمارے جاگیرداروں کے ارتکاز کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سی زمینوں میں سالہا سال سے وراثت جاری نہیں ہوئی، اسلامی حکومت تحقیق کرکے ایسی زمینوں کو ان کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ اگر اسلام کا قانون وراثت صحیح طریقہ سے جاری ہو تو ایک ہاتھ میں بڑی بڑی جاگیریں جمع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
(15)انتقال جائیداد کے طریقوں کو سہل بنایاجائے اور زمینوں کی آزادانہ خرید و فروخت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
(16)کسانوں کے لیے حکومت کی طرف سے غیر سودی قرضوں کا انتظام کیاجائے اور آسان قسطوں پر زرعی آلات مہیا کیے جائیں اور زرعی تعلیم کا انتظام کیاجائے، زرعی امداد باہمی کی تحریک میں ایسے باہمی طریق کار کو فروغ دیاجائے، جس میں کھاد، بیج اورآلات کی فراہمی انجمن کے تحت ہو۔
(17)زرعی پیداوار کی فروخت اتنے واسطوں سے ہو کر گزرتی ہے کہ ہر درمیانی مرحلہ پر قیمت کا حصہ تقسیم ہوتا چلاجاتاہے، آڑھتیوں، دلالوں اور اس طرح کے دوسرے درمیانی اشخاص کی بہتات سے ایک طرف کاشتکاروں کو پیداوار کا مناسب معاوضہ نہیں مل پاتا اور دوسری طرف بازار میں گرانی پیدا ہوتی ہے، اسی لیے اسلام میں کسانوں اور شہری خوردہ روشوں کے درمیانی واسطوں کوپسند نہیں کیا گیا، اسلامی نظام میں موجودہ طریقہ کو بدل کر یا و یسے منظم بازار کافی تعداد میں قائم کیے جائیں جن میں دیہاتی کسان خود بلاواسطہ پیداوار فروخت کرسکیں یا پیداوار فروخت کرنے کے لیے امداد باہمی کی ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جو خود کسانوں اور کاشتکاروں پر مشتمل ہوں اور یہ انجمنیں پیداوار فروخت کریں تاکہ قیمت کا بڑا حصہ جو درمیان اشخاص کے پاس چلاجاتاہے اس سے کاشت کار اور عام صارفین فائدہ اٹھا سکیں۔
(18)نقصانات کے بارے میں اسلامی قانون کو پورا پورا نافذ کیاجائے اور بیوی بچوں کے علاوہ جن خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت اسلام نے خاندان کے مستطیع افراد پر ڈالی ہے اس کو قانونی شکل دے کر یتیموں، بیواؤں،بیماروں، اپاہجوں کے معاش کا ابندو بست کیاجائے اگر ایسا نہ ہوسکے تو بیت المال سے کفالت کا انتظام ہو۔
(19)زکوٰۃ کی نگرانی کے لیے مستقل محکمہ قائم کیاجائے جو مندرجہ ذیل کام کرے۔
(الف) قیام پاکستان سے لے کر اب تک جن سرمایہ داروں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے ان سے زکوٰۃ وصول کرکے غریبوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔

(ب)ہر سال مویشیوں کی زکوٰۃ اور عشری زمینوں کا عشر وصول کرکے غریبوں میں تقسیم کرے۔
(ج)سونے چاندی کی سالانہ زکوٰۃ مالکان خود ادا کریں اور یہ محکمہ اس بات کی نگرانی کرے کہ مالداروں نے زکوٰۃ اور عشر اداکیاہے یا نہیں۔
(20) روزگار فراہم کرنا ملک کے ہر باشندے کے لیے حکومت کی ذمہ داری ہے اور کوشش کے باوجود جو افراد بے روزگا رہ جائیں ان کے لیے روزگار کی فراہمی تک گزارا الاؤنس جاری کیے جائیں۔
(21) رہائشی مکانات عام باشندگان ملک جو اپنے مکان اور رہائش کے انتظامات نہ کرسکتے ہوں حکومت کی طرف سے رہائش کے لیے مستقل فنڈ قائم کیاجائے اور سالانہ بجٹ میں اس کے لیے مستقل رقم رکھی جائے تاکہ باشندگان ملک کے لیے سر چھپانے او رگرمی سردی سے بچنے کے لیے مکان کا بندو بست ہوسکے۔
(22)کسی قوم کی معاشی حالت محض پیسوں کی کثرت سے نہیں سدھر سکتی جب تک کہ وہ بیہودہ یا مخرب اخلاق چیزوں میں پیسہ خرچ کرنے سے اور ضرورت کے کاموں میں اسرا ف بے جا سے پرہیز نہ کرے، اسراف یوں تو انفرادی ملکیتوں میں بھی حرام اور ناجائز ہے لیکن جو رقم کسی شخص کی انفرادی ملکیت نہ ہو بلکہ قومی ملکیت ہو اس میں فضول خرچی کی مذمت اور شدید ہوجاتی ہے لیکن ہمارے معاشرہ میں سب سے زیادہ فضول خرچی قومی خزانوں میں ہوتی ہے، قومی دولت کی ایک بہت بڑی مقدار آج کل ان مقاصد پر صرف ہورہی ہے جو شرعی طور پر حرام اور ناجائز ہیں، مثلاً شراب، فلمیں وغیرہ کی درآمد پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوتاہے، غیر مسلموں کو شراب استعمال کرنے کی اجازت ہوگی لیکن درآمد کرنے کی نہیں، خاندانی منصوبہ بندی کی خالص احمقانہ تحریک نے بھی ہماری معیشت کو نقصان پہنچایا ہے، تیسرے پنج سالہ منصوبہ میں اس تحریک کے فروغ کے لیے ۲۸۴ملین روپیہ کی رقم مخصوص کی گئی ہے(جبکہ سماجی بہبود کے لیے مخصوص کی جانے والی رقم کل ۱۲۵ملین ہے)
یہ بات پوری طرح ثابت ہوچکی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی شرعی، عقلی، سماجی، معاشی غرض ہر اعتبار سے پاکستانی عوام کے لیے ناقابل عمل اور غیر معقول ہے۔ اگر اسلام کا نظام حیات قائم ہو تو باہمی اخوت اور ایثار و ہمدردی کے جذبات پروان چڑھیں گے اور مسلمانان پاکستان اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کو دنیا کی ہر مادی منفعت پر فوقیت دیں گے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
(۱)فقیر شاہ احمد نورانی صدیقی، نائب صدر مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان۔
(۲)الجواب صحیح منتخب الرحمن، صدر شعبہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔
(۳) الجواب صحیح سید ابن حسن جار چوی،(مجتہد) شیعہ اثنا عشریہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔
(۴)الجواب صحیح عبدالغفار سلفی فاروقی، امام جماعت غرباء اہلحدیث کراچی نمبر 1-
(۵)الجواب صحیح سید شیر محمد شاہ مفتی دارالعلوم امجدیہ کراچی۔

(٦) الجواب صحیح محمد مظہر، (فاضل دیوبند) استاد شعبہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔
(٧)الجواب صحیح محمد عابد البشر(مجتہد)شیعہ اثنا عشریہ استاد معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔
(٨) الجواب صحیح محمد یوسف کلکتہ والے، مفتی پاکستان، (معتمد جماعت اہلحدیث)مؤسس بحرا لعلوم سعودیہ کراچی نمبر 1۔
(٩)الجواب صحیح محمد حقانی نائب مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی۔
(١٠) الجواب صحیح سراج احمد،(فاضل دیوبند)استاد معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی۔
(١١) الجواب صحیح ولی محمد، خطیب جامع مسجد میر پور، بتھورہ ٹھٹھہ سندھ۔
(١٢) الجواب صحیح عبدالخالق رحمانی، مفتی جماعت اہلحدیث و رکن مرکزی جمعیت علما اسلام۔
(١٣) الجواب صحیح فقیر سید سعادت علی القادری، ناظم اعلیٰ مرکز جماعت اہلسنت پاکستان۔
(١٤) الجواب صحیح سید محمد ہاشم، خطیب نئی عید گاہ حیدرآباد سندھ(فاضل جامعہ ڈرابھیل)۔
(١٥)الجواب صحیح غلام رسول سرہندی، ابن پیر غلام مجدد سر ہندی، درگاہ مجددیہ مٹیاری حیدرآباد سندھ۔
(١٦) الجواب صحیح فقیر عبداللطیف،مفتی و خطیب جامع مسجد شاہجہانی ٹھٹھہ سندھ۔
(١٧) الجواب صحیح عبداللہ نعیمی مکرانی، مہتمم دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ صاحبداد گوٹھ، ملیر کراچی۔
(١٨) الجواب صحیح محمد شفیع الخطیب الاوکاڑوی، نائب صدر اول مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان۔
(١٩) الجواب صحیح العبد محمد فیصل خان القادری برکاتی، (مفتی) مہتمم دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد سندھ۔
(٢٠) الجواب صحیح الفقیر غلام علی نقشبندی، خطیب جامع مسجد مکلی ٹھٹھہ، سندھ۔
(٢١) الجواب صحیح عبدالرحمن، مہتمم دارالعلوم مجددیہ ٹھٹھہ سندھ۔
(٢٢) الجواب صحیح محمد ناظم ندوی سابق شیخ الجماعہ بہاولپور و استاد الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ۔
(٢٣) الجواب صحیح العبد محمد گونیلوی، گوجرانوالہ، صدر جمعیت الحدیث پاکستان۔
(٢٤) الجواب صحیح عبدالحق، خطیب اہلحدیث ساہیوال۔
(٢٥) الجواب صحیح محمد عبداللہ، خطیب جامع مسجد اہلحدیث گوجرانوالہ۔
(٢٦)الجواب صحیح محمد صدیق، خطیب جامع اہلحدیث لائل پور۔

ضمیمہ (ج)

۱۵رہنما اصول

ملی مجلس شرعی کی جانب سے اتحاد امت کا نفرنسبمطابق 24/ستمبر 2011ء کو نفاذ ِ اسلام کے ۱۵ رہنما اصول پیش کیے گئے جنہیں کانفرنس میں شریک سارے دینی مکاتب فکر کے جید علما نے متفقہ طور پر منظور کیا ،نیز ۱۹۵۱ء میں ۳۳علما کے ۲۲متفقہ نکات کی توثیق بھی فرمائی۔۱۵ رہنما ئے اصول مندرجہ ذیل ہیں :

1. ہمارے حکمرانوں کی یہ شرعی ذمہ دار ی ہے کہ وہ فرد کو بھی شریعت پر عمل کے قابل بنائیں اور معاشرے اور ریاست کو بھی شریعت کے مطابق چلائیں۔ دینی عناصر کا بھی فرض ہے کہ وہ دعوت و اصلاح اور تبلیغ و تذکیر کے ذریعے فرد کی بھی تربیت کریں،حکمرانوں پر بھی دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور جہاں تک قانون اجازت دے خود بھی نفاذ شریعت کے لیے ضروری اقدامات کریں۔ اسی طرح ہر مسلمان کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرے۔
2. یہ کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی بنیاد ۱۹۵۱ء میں سارے مکاتب فکر کے علما کرام کی طرف سے متفقہ طور پر منظور کردہ ۲۲ نکات اور موجودہ دستاویزات کے ۱۵ نکات کی حیثیت بھی ان کی تفریع و تشریح کی ہے۔
3. یہ کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ پر امن جدوجہد کے ذریعے ہونا چاہیے کیوں کہ یہی اسلامی تعلیمات اور دستورِ پاکستان کا مشترکہ تقاضا ہے اور عملاً بھی اس کے امکانات موجود ہیں۔نیز شریعت کا نفاذسارے دینی

مکاتبِ فکر کی طرف سے منظور شدہ متفقہ رہنما اصولوں کے مطابق ہو نا چاہیے (یہ ۱۵ نکات اس قرارداد کا حصہ ہیں) اور کسی گروہ یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی کا اسلام معاشرے پر قوت سے ٹھونس دے۔

4. دستورِ پاکستان کے قابل نفاذ حصے میں بصراحت یہ لکھا جائے کہ قرآن و سنت مسلمانوں کا سپریم لاء ہے اور اس تصریح سے متصادم قوانین کو منسوخ کر دیا جائے۔یہ دستوری انتظام بھی کیا جائے کہ عدلیہ کی طرف سے دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو اور دستور کی کسی بھی شق اور مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے کسی فیصلے کو کتاب و سنت کے خلاف ہونے کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جا سکے۔نیز ان دستوری دفعات کو دستور میں بنیادی اور ناقابل تنسیخ دفعات قرار دیا جائے۔ آئین توڑنے سے متعلق دفعہ 6 (الف)اور عوامی نمائندوں کی اہلیت سے متعلق دفعات 62،63 کو مؤثر اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔کسی بھی ریاستی یا حکومتی عہدیدار کی قانون سے بالاتر حیثیت اوراستثناپر مبنی دستوری شقوں کا خاتمہ کیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج صاحبان کو دیگر عدالتوں کے جج صاحبان کی طرح باقاعدہ حیثیت دی جائے اور ان کے سٹیٹس اور شرائط تقرری اور ملازمت کو دوسری اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے سٹیٹس اور شرائط تقرری اور ملازمت کے برابر لایا جائے۔بعض قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے مستثنیٰ قرار دینے کے فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے اور وفاقی شرعی عدالت کو ملک کے کسی بھی قانون پر نظر ثانی کا اختیار دیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلیٹ بنچ کو آئینی طور پر پابند کیا جائے کہ وہ مناسب وقت (Time frame) کے اندر شریعت پٹیشنوں اور شریعت اپیلوں کا فیصلہ کریں۔ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی طرح صوبائی،ضلعی اور تحصیل سطح کی عدالتوں میں بھی علما ججوں کا تقرر کیا جائے اور آئین میں جہاں قرآن وسنت کے بالا تر قانون ہونے کا ذکر ہے وہاں نبی کریم ﷺ کے شارع ہونے کا بھی ذکر کیا جائے۔ حکومت اسلامی نظریاتی کونسل میں تمام مکاتب فکر کے جید علما بطور رکن نامزد کرے۔ہر مکتبہ فکر نمائندہ اپنے حلقوں سے مشاورت کے بعد تجویز کرے۔ نفاذ ِ شریعت کے حوالے سے جن نکات پر ارکان کی اکثریت کا اتفاق ہو جائے حکومت چھ ماہ کے اند ر اسے قانون بنا کر پاس کرنے کی پابند ہو۔

5. پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں پہلے سے موجود اسلامی قوانین پر مؤثر طریقے سے عمل در آمد کیا جائے اور اسلامی عقوبات کے نفاذ کے ساتھ ساتھ مؤ ثر اصلاحی کوششیں بھی کی جائیں۔

6. اسلامی اصول و اقتدار کے مطابق عوام کی بنیادی ضروریات و سہولیات زندگی مثلاً روٹی،کپڑا، مکان،علاج معالجہ، اور تعلیم فراہم کرنے،غربت و جہالت کے خاتمے اور عوامی مشکلا ت و مصائب دور کرنے اور پاکستانی عوام کو دنیا میں عزت اور وقار کی زندگی گزرانے کے قابل بنانے کو اولین ریاستی ترجیح بنایا جائے۔
7. موجودہ سیاسی نظام کی اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاح کی جائے مثلاً عوامی نمائندگی میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی حوصلہ شکنی اور غریب و متوسط طبقے کی نمائندگی کی حوصلہ افزائی کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں۔ نمائندگی کے لیے شرعی شہادت کی اہلیت کو لازمی شرط قرار دیا جائے۔متناسب نمائندگی کا طریقہ اپنایا جائے۔ علاقائی ،نسلی، لسانی اور مسلکی تعصبات کی بنیاد پر قائم ہونے والی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی جائے اور قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے مناسب پالیسیاں اور ادارے بنائے جائیں۔
8. تعلیمی نظام کی اسلامی تناظر میں اصلاح کے لیے قومی تعلیمی پالیسی اور نصابات کو اسلامی اور قومی سوچ کے فروغ کے لیے تشکیل دیا جائے جس سے یکساں نظام تعلیم کی حوصلہ افزائی اور طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ ہو، اساتذہ کی نظریاتی تربیت کی جائے اور تعلیمی اداروں کا ماحول بہتر بنایا جائے۔مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور مغربی لباس کی پابندی اور امور تعلیم میں مغرب کی اندھی نقالی کی روش ختم کی جائے۔تعلیم کا معیار بلند کیا جائے۔پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو قومی نصاب اپنانے کا پابند بنانے اور ان کی نگرانی کا مؤثر نظام وضع کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔ تعمیر سیرت اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ تعلیم سے ثنویت کا خاتمہ کیا جائے۔ دینی مدارس کے نظام کو مزید مؤثر و مفید بنانے اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں تاکہ بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ ملے اور فرقہ واریت میں کمی واقع ہو دینی مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کیا جائے۔ تعلیم کے لیے وافر فنڈز مہیا کیے جائیں۔ ملک میں کم ازکم میٹرک تک لازمی مفت تعلیم رائج کی جائے اور چائلڈ لیبر کا خاتمہ کیا جائے۔
9. ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی جائے۔ اسلامی تناظر میں نئی ثقافتی پالیسی وضع کی جائے جس میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے والے مغربی و بھارتی ملحدانہ فکر و تہذیب کے اثرات و رجحانات کو رد کر دیا جائے۔ صحافیوں کے لیے ضابطۂ اخلاق تیار کیا جائے اور ان کی نظریاتی تربیت کی جائے۔پرائیویٹ چینلز اور کیبل آپریٹر ز کی مؤثر نگرانی کی جائے۔ اسلام اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کے خلاف پروگراموں پر پابندی ہونی چاہیےبلکہ تعمیری انداز میں عوام کے اخلاق

سدھارنے اور انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی ترغیب دینے والے پروگرام پیش کیے جائیں اور صاف ستھری تفریح مہیا کی جائے۔

10. پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنانے اور افلاس اور مہنگائی کے خاتمے کےلیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں جیسے جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ رجحانات کی حوصلہ شکنی کرنا، شعبہ زراعت میں ضروری اصلاحات کو اولین حکومتی ترجیح بنانا، تقسیم دولت کے نظام کو منصفانہ بنانا اور اس کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف موڑنا۔ بیرونی قرضوں اور درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا اور زرمبادلہ کے ذخائر کو بڑھانے کے لیے مؤثر منصوبہ بندی کرنا۔ معاشی خود کفالت کے لیے جدوجہد کرنا اور عالمی معاشی اداروں کی گرفت سے معیشت کو نکالنا۔سود اور اسراف پر پابندی اور سادگی کو رواج دینا۔ ٹیکسز اور محاصل کے نظام کو مؤثر بنایا جائے اور بینکوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بڑے قرضوں کے اجراء کے ساتھ ساتھ مائیکرو کریڈٹ کا بھی اجراء کریں تا کہ غریب اور ضرورت مند لوگ ان بلا سود قرضوں کے ذریعے اپنی معاشی حالت بہتر کر سکیں نیز قرضوں کو بطور سیاسی رشوت دینے پر قانونی پابندی عائد کی جائے۔ زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ دستور پاکستان کے آرٹیکل 38 میں درج عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے متعلقہ امور کی تکمیل کے لیے حکومت خود نجی شعبے کے اشتراک سے فوری طور پر ٹھوس اقدامات کرے۔لوٹ مال سے حاصل کردہ اور بیرون ملک بینکوں میں جمع خطیر رقوم کی وطن واپسی کو یقینی بنایا جائے۔

11. عدلیہ کی بالفعل آزادی کو یقینی بنایا جائے اور اسے انتظامیہ سے الگ کیا جائے۔ اسلامی تناظر میں نظام عد ل کی اصلاح کے لیے قانون کی تعلیم،ججوں،وکیلوں،پولیس اور جیل سٹاف کے کردار کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں۔انصاف سستا اور فوری ہونا چاہیے۔

12. امن و امان کی بحالی اور لوگوں کے جان و مال کا تحفظ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔حکومت کو ان مقاصد کے حصول کے لیے ہر ممکن قدم اٹھانا چاہیے۔

13. خارجہ پالیسی کو متوازن بنایا جائے۔ تمام عالمی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے جائیں اور اپنی خود مختاری کا تحفظ کیا جائے۔ اپنے ایٹمی اثاثوں کے تحفظ پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ مسلمانان عالم کے رشتہ اخوت و اتحاد کو قوی تر کرنے کے لیے ،او آئی سی کو فعال بنانے کے لیے پاکستان اپنا کردار ادا کرے۔

14. افواج میں روح جہاد پیدا کرنے کے لیے سپاہیوں او رافسروں کی دینی تعلیم اور تربیت کا اہتمام ہونا چاہیے۔ بنیادی فوجی تربیت ہر مسلم نوجوان

کے لیے لازمی ہونی چاہیے۔ فوجی افسروں کی اس غرض سے خصوصی تربیت کی جائے کہ ان کا فرض ملک کا دفاع ہے نہ کہ حکومت چلانا۔ بیوروکریسی کی تربیت بھی اسلامی تناظر میں ہونی چاہیے تاکہ ان کے ذہنوں میں یہ راسخ ہو جائے کہ وہ عوام کے خادم ہیں حکمران نہیں۔

15. امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے ایک آزاد طاقتور ریاستی ادارہ قائم کیا جائے جو ملک میں اسلامی معروفات اور نیکیوں کے فروغ اور منکرات و برائیوں کے خاتمے کے لیے کام کرے اور معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کرے جس میں نیکی پر عمل آسان اور برائی پر عمل مشکل ہو جائے اور شعائر اسلامی کا احیاء و اعلاء ہو او دستور کے آرٹیکل 31 میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہو ان پر مؤثر عمل در آمد ہو سکے۔ دفاع اسلام خصوصاً اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات کے ازالے اور مسلمانوں و غیر مسلموں تک مؤثر انداز میں دین پہنچانے کےلیے بھی حکومت پاکستان کو فنڈز مختص کرنے چاہییں اور وسیع الاطراف کوششیں بروئے کار لانی چاہییں۔

فہرست علما کرام

جو اتحاد امت کانفرنس میں شریک ہوئے اور جنہوں نے قرارداد کی منظوری دی :

1. مولانا مفتی محمد خان قادری(مہتمم جامعہ اسلامیہ و صدر ملی مجلس شرعی،لاہور)
2. پیر عبدالخالق قادری (صدر مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان)
3. علامہ احمد علی قصوری (صدر مرکز اہل سنت،لاہور)
4. صاحبزادہ علامہ محب اللہ نوری (مہتمم جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور ،اوکاڑہ)
5. علامہ قاری محمد زوار بہادر (ناظم اعلیٰ،جمعیت علما پاکستان،لاہور)
6. مولانا حافظ غلام حیدر خادمی (مہتمم جامعہ رضویہ،سیالکوٹ)
7. مولانا مفتی شیر محمد خان (صدر دارالافتاء دارلعلوم محمدیہ غوثیہ۔بھیرہ[ضلع سرگودھا])
8. علامہ حسان الحیدری (حیدر آباد،سندھ)
9. مولانا راغب حسین نعیمی (مہتمم جامعہ نعیمیہ ،لاہور)
10. مولانا خان محمد قادری(مہتمم جامعہ محمدیہ غوثیہ،داتا نگر،لاہور)
11. مولانا محمد خلیل الرحمن قادری(ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ لاہور)
12. علامہ محمد شہزاد مجددی (سربراہ دار الاخلاص،مرکز تحقیق ،لاہور)
13. علامہ محمد بوستان قادری (شیخ الحدیث دارلعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ[ضلع سرگودھا])
14. سید منور حسن (امیر جماعت اسلامی پاکستان،منصورہ،لاہور)
15. مولانا عبدالمالک (صدر رابطۃ المدارس الاسلامیہ،منصورہ ،لاہور)

16. ڈاکٹر فرید احمد پراچہ (ڈپٹی سیکٹری جنرل جماعت اسلامی پاکستان،منصورہ،لاہور)
17. ڈاکٹر وسیم اختر (امیر جماعت اسلامی پنجاب،لاہور)
18. مولانا سید محمود الفاروقی (ناظم تعلیمات ر ابطۃ المدارس الاسلامیہ،لاہور)
19. محمد ایوب بیگ (ناظم نشرو اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان ، لاہور)
20. مولانا ڈاکٹر محمد امین (ڈین صفہ اسلامک سنٹر وناظم اعلیٰ ملی مجلس شرعی،لاہور)
21. مولانا محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ،وفاق المدارس العربیہ،ملتان)
22. مولانا مفتی رفیق احمد(دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ،علامہ بنوری ٹاؤ ن،کراچی)
23. مولانا حافظ فضل الرحیم (نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ،لاہور ۹
24. مولانا زاہد الراشدی (ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی،گوجرانوالہ)
25. مولانا عبدالرؤ ف فاروقی(ناظم اعلیٰ جمعیت علما اسلام،لاہور)
26. مولانا محمد امجد خان (ناظم اطلاعات جمعیت علما اسلام،لاہور)
27. مولانا مفتی محمد طاہر مسعود(مہتمم جامعہ مفتاح العلوم،سرگودھا)
28. مولانا مفتی محمد طیب (مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ،فیصل آباد)
29. مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (نائب مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ،لاہور)
30. مولانا اللہ وسایا(عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت،ملتان)
31. مولانامفتی محمد گلزاراحمد قاسمی (مہتمم جامعہ قاسمیہ،گوجرانوالہ)
32. مولان قاری محمد طیب (مہتمم جامعہ حنفیہ بورے والا، وہاڑی)
33. مولانا رشید میاں (مہتمم جامعہ مدنیہ،کریم پارک،لاہور)
34. مولانا محمد یوسف خان(مہتمم مدرسہ الفیصل للبنات،ماڈل ٹاؤ ن،لاہور)
35. مولانا عزیر الرحمن ثانی (مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، لاہور)
36. مولانا رضوان نفیس(خانقاہ سید احمد شہید،لاہور)
37. مولانا قاری جمیل الرحمن اختر (مہتمم جامعہ اشرفیہ قادریہ،لاہور)
38. مولانا حافظ محمد نعمان (مہتمم جامعہ الخیر،جوہر ٹاؤن،لاہور)
39. مولانا قاری ثناء اللہ(امیر جمعیت علما اسلام لاہور)
40. پروفیسر مولانا ساجد میر(امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان،لاہور)
41. پروفیسر حافظ محمد سعید (امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان،لاہور)
42. مولانا عبدالغفارروپڑی(امیر جماعت اہل حدیث پاکستان،لاہور)
43. مولانا عبید اللہ عفیف (امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان،لاہور)
44. مولانا سید ضیا ء اللہ شاہ بخاری (ناظم اعلیٰ متحدہ جمعیت اہل حدیث ،پاکستان)
45. مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی (نائب امیر جماعت اہل حدیث پاکستان)

46. مولانا محمد شریف خان چنگوانی(نائب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان)
47. مولانا ڈاکٹر محمد حمادلکھوی (پروفیسر پنجاب یونیورسٹی و خطیب جامع مسجد مبارک اہل حدیث،لاہور)
48. مولانا ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (نائب مدیر جامعہ اسلامیہ لاہور [رحمانیہ] لاہور)
49. مولانا امیر حمزہ(کنوینر تحریک حرمت رسول[جماعۃ الدعوۃ] لاہور)
50. مولانا قاری شیخ محمد یعقوب (جماعۃ الدعوۃ، لاہور)
51. مولانا رانا نصر اللہ (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث،لاہور)
52. مولانامحمد زاہد ہاشمی الازہری (ناظم اعلیٰ جماعت غرباء اہل حدیث،پنجاب)
53. علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر (مہتمم ادارہ منہاج الحسین،لاہور)
54. علامہ حافظ کاظم رضا نقوی (تحریک اسلامی،اسلام آباد)
55. مولانا محمد مہدی (جامعۃ المنتظر،لاہور)

ضمیمہ(د)

تقریر وزیر اعظم لیاقت علی خان

وزیراعظم لیاقت علی خان کی طرف سے 7/مارچ 1949 ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرار داد مقاصد پیش کرنے کے موقع پر کی جانے والی تقریر

میں اس موقع کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں، با اعتبار اہمیت صرف حصول آزادی ہی اس سے بلند تر ہے کیوں کہ حصول آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملاکہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کر سکیں۔

میں ایوان کو یاد دلانا چاہتاہوں کہ بابائے ملت قائد اعظم نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان کے خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی۔ پاکستان اس لیے قائم کیا گیا کہ اس بر صغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کردینا چاہتے تھے کہ آج جو حیات انسانی کو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ان سب کے لیے اسلام اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ برائیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو جن اپنے اوپر مستولی کرلیا ہے، اب اس سے ناصرف انسانی معاشرہ کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے

یہ عام طور پر تسلیم کیاجاتاہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ کیا ہوتا تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی خطرہ میں نہ پڑتی، محض وجود باری کا احساس انسانیت کو تباہی سے بچا سکتاہے۔ جس کی منشاء یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں سب کو ایسے اخلاقی معیاروں کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے جو وحی سے فیضیاب ہونے والے ان معلموں نے معین کردیئے ہیں جنہیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر سمجھتے ہیں، ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوزو فلاح میں حقیقی اضافہ کرسکتے ہیں۔

لہذا جناب والا!آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرارداد کی تمہید میں صاف و صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار و اقتدار کا ذات الہی کے تابع ہونا لازم ہے۔یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکیا ولی کے خیالات کے بالکل بر عکس ہے۔جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ اس کے نظام حکومت میں روحانی و اخلاقی قدروں کو مطلق دخل نہیں ہونا چاہیے اس لیے شاید اس بات کا خیال بھی رواج کے کسی قدر خلاف ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کو خیر کا آلہ ہونا چاہیے نہ کہ شر کا۔لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جراءت ایمان ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے۔تا کہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے جو خدا وند تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لیے تفویض ہو ا ہے کہ ہم اسے نوع انسانی کی خدمت کے لیے استعمال کریں اور یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن جائے۔ بہتر صورت میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سے ہر گز ہماری یہ مرادنہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظل الہی ہونے کے فرسودہ نظریہ کو پھر سے زندہ کریں۔ کیوں کہ جذبہ اسلامی کے تحت تمہید قرار داد میں اس حقیقت کو کلی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا نے اختیارات سوائے جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کیے، اور اس کا فیصلہ خود جمہور ہی کو کرنا ہو گا کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعہ استعمال کیا جائے گا۔

اسی لیے قرارداد میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ 'مملکت تمام حقوق و اختیارات حکمرانی کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ یہی جمہوریت کا نچوڑ ہے، کیونکہ عوام ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔

جناب والا!میں نے ابھی یہ عرض کیا تھا کہ:' اختیارات کے حقیقی حامل عوام ہیں'۔ چنانچہ اس راستے کو اختیار کرنے سے قدرتی طور پر 'تھیاکریسی 'کے قیام کا خدشہ جاتا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ'تھیاکریسی' کے لغوی معنیٰ 'خدا کی حکومت' ہیں اور اس اعتبار سے تو پوری کائنات ہی 'تھیاکریسی ' قرار

پاتی ہے۔ کیونکہ اس پوری کائنات کا کون سا گوشہ ایسا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل نہیں ہے؟ لیکن [علم سیاسیات کے] اصطلاحی معنوں میں تھیاکریسی ’برگزیدہ پادریوں کی حکومت‘ کو کہتے ہیں، جو محض اس بنا پر اختیار رکھتے ہوں کہ وہ ایسے اہل تقدس کی طرف سے خاص طور پر مقرر کیے گئے ہیں، جو اپنے مقام قدس کے اعتبار سے ان حقوق کے دعوے دار ہیں۔ اس کے برعکس میں اس امر پر جتنا بھی زیادہ زور دوں کم ہو گا، کہ اسلام میں اس تصورحکمرانی کی ہرگز کوئی گنجایش اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اسلام، پاپائیت یا کسی بھی حکومت مشائخ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے اسلام میں ’تھیاکریسی ‘ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو تا۔ اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظام حکومت کے ضمن میں ’تھیاکریسی ‘کا ذکر کرتا ہے، تووہ یا کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے یا پھر دانستہ طور پر شرارت آمیزی سے ہمیں بدنام کرنا چاہتاہے۔

جناب والا! اب میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں، کہ قرارداد مقاصد میں جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری، اور سماجی عدل کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے۔ اس کی مزید صراحت یہ کی گئی ہے کہ دستور مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظِ نظر رکھا جائے، جو وضاحت اسلام نے ان الفاظ کی بیان کی ہے۔ ان الفاظ کی صراحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ (الفاظ) بالعموم مبہم طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مغربی طاقتیں اور اشتراکی روس دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ’ان کے نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں‘ --- لیکن ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ دونوں نظام کس قدر مختلف ہیں۔ اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا ہے، کہ ان الفاظ کے مفہوم کا تعین کر دیا جائے، تاکہ ہر شخص کے ذہن میں ان کا واضح مفہوم آجائے۔

جس وقت ہم ’جمہوریت‘ کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظام حکومت پر ہے، اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے۔ کیونکہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفات سے مالا مال کیا ہے، ان میں سے ایک صفت عام انسانوں کی مساوات بھی ہے۔ اسلام، نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات کو کبھی اور کسی سطح پر بھی تسلیم نہیں کرتا۔ اسلامی تواریخ کا یہ روشن باب ہے کہ انحطاط کے دور میں بھی مسلم معاشرہ رنگ و نسل کے اُن تعصبات سے نمایاں طور پر پاک رہا ہے، جنھوں نے دنیا کے دوسرے انسانوں کے باہمی تعلقات کو زہر آلود کر دیا تھا۔

اسی طرح ہماری اسلامی تہذیب میں رواداری کی روایات بھی عظیم الشان ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں اقلیتوں کو کسی نظام حکومت کے تحت وہ مراعات حاصل نہیں ہوئیں، جو مسلمان ملکوں میں انھیں حاصل تھیں۔ جس زمانے میں کلیساسے اختلاف رکھنے والے مسیحیوں اور مسلمانوں کو [ہولناک] اذیتیں دی جاتی تھیں، اور انھیں گھروں سے نکالا جاتا تھا اور پھر جب انھیں جانوروں کی طرح شکار کیا جاتا تھا اور مجرم قرار دے کر زندہ جلا دیا جاتا تھا، اُنھی دنوں

اسلام ان سب [مظلوموں، زیردستوں اور مقہوروں] کا ضامن اور پناہ گاہ ثابت ہوا کرتا تھا، کہ جنھیں مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا، اور جو تنگ آ کر بھاگ نکلنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ زندہ جلانے کا تو تصور تک اسلام میں کبھی نہیں آیا۔

تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب ’سامیوں سے نفرت کے تحت بہت سے یہودیوں کو یورپ کے ممالک سے نکال دیا گیا، تو یہ سلطنت عثمانیہ تھی جس نے کھلے دل سے انھیں اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ مسلمانوں کی رواداری کا سب سے شان دار ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں، اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھے ہوئے ہوں۔ سب سے زیادہ ہندستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحددود اختیارات حکمرانی حاصل تھے، غیر مسلموں کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور ہمیشہ ان کا تحفظ کیا گیا۔

میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں، کہ مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں ہندوستان کی بہت سی مقامی زبانوں کو ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔ بنگال سے تعلق رکھنے والے میرے دوستوں کو یاد ہو گا کہ یہ صرف مسلمان حکمرانوں ہی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا، کہ سب سے پہلے ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے بنگالی میں کیا گیا۔ یہی وہ رواداری ہے جس کا تصور اسلام نے ہمیشہ پیش کیا ہے، اور جس میں اقلیتیں ذلت و رسوائی کی حالت میں نہیں رہتیں، بلکہ باعزت طریقے پر زندگی بسر کرتی ہیں۔ انھیں اپنے نظریات اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے مواقع دیے جاتے ہیں، تاکہ وہ پوری قوم کی عظمت میں اضافہ کر سکیں۔

جہاں تک سماجی عدل کا تعلق ہے، جناب محترم، میں یہ کہوں گا کہ اسلام اس میں شان دار اضافہ کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کے قیام کا حامی ہے، جس میں سماجی عدل کا تصور نہ تو بھیک اور خیرات پر مبنی ہے اور نہ ذات پات (اور رنگ و نسل) کی کسی تمیز پر موقوف ہے۔ اسلام جو سماجی عدل قائم کرنا چاہتا ہے، وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصوارت پر مبنی ہے، جو انسان کی زندگی کو دوسروں کی محتاجی سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں، اور جو آزادی و حریت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (قرارداد میں) جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور سماجی عدل کی ایسی تعریف کی گئی ہے، جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع تر معانی پیدا ہوگئے ہیں۔

قرارداد مقاصد کی اس دفعہ کے بعد یہ درج ہے، کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بنا لے، تواس پر اصولی طور پر ہمارے کسی غیر مسلم بھائی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

جناب والا!آپ اس امر کو بھی مدنظر رکھیں، کہ حکومت ایک غیر جانب دار تماشائی کی حیثیت سے اس بات پر اکتفا نہیں کرے گی، کہ مسلمانوں کو اس مملکت میں صرف اپنے دین (مذہب) کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ کیونکہ حکومت کے اس طرز عمل سے ان مقاصد کی صریحاً خلاف ورزی ہو گی، جو مطالبہ پاکستان کے بنیادی محرک تھے۔ حالانکہ یہی مقاصد تو اس مملکت کا سنگ بنیادہونے چاہییں، جسے ہم تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مملکت ایک ایسا ماحول پیدا کرے گی، جو ایک حقیقی اسلامی معاشرے کی تعمیر میں ممد و معاون ثابت ہو گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت پاکستان کو اپنی کوشش و کاوش میں مثبت پہلو اختیار کرنا ہو گا۔

جناب والا! آپ کو یاد ہو گا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ اور مسلم لیگ کے دوسرے مرکزی رہنماؤں نے ہمیشہ یہ بڑے واضح او ر غیر مبہم اعلانات کیے ہیں کہ: ’پاکستان کے قیام کے لیے مسلمانوں کا مطالبہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اپنے ’طریق زندگی اور ضابطہ اخلاق موجود ہیں‘۔ انھوں نے بارہا اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ اسلام کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک ایسا نجی تعلق قائم ہو، جسے مملکت کے کاروبارمیں کسی قسم کا دخل نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسلام سماجی اخلاق کے متعلق معاشرے کے طرز عمل کی رہنمائی کرتا ہے۔اسلام محض ذاتی عقائد اور انفرادی اخلاق کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ماننے والوں سے توقع کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کریں، جس کا مقصد حیات صالح ہو۔ اہل یونان کے برعکس اسلام نے صالح زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کی بنیادلازمی طور پر روحانی قدروں پہ قائم ہے۔

ان اقدار کو اہمیت دینے اور انھیں نافذ کرنے کے لیے مملکت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی سرگرمیوں کی اس طریقے پر ہم نوائی کرے، کہ جس سے ایک ایسا نیا سماجی نظام قائم ہو جائے، جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو۔ ایک ایسا سماجی نظام کہ جس میں جمہوریت، حریت، رواداری اور سماجی عدل شامل ہیں۔ ان امور کا ذکر تو میں نے محض بطورمثال کیا ہے، کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات جو قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہیں، محض اسی بات پر ختم نہیں ہو جاتیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کا اس پر ایمان نہ ہو کہ کلام اللہ اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے روحانی فیضان کے بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان سرچشموں کے متعلق مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائےنہیں ہے اور اسلام کا کوئی ایسا مکتب فکر نہیں، جو ان کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو۔

لہٰذا، کسی بھی ایسے فرقے کو جو پاکستان میں اقلیت میں ہو، اس مملکت کی نیت کی طرف سے اپنے دل میں کوئی غلط فہمی نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ مملکت ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کرے گی، جو باہمی تنازعات سے پاک ہو۔ لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اعتقادات کے معاملے میں وہ مسلمانوں کے کسی مکتب فکر کی آزادی کو سلب کرے گی۔ کسی مکتب فکر کو خواہ وہ

اکثریت میں ہو یا اقلیت میں، یہ اجازت نہیں ہو گی کہ دوسروں کو اپنا حکم قبول کرنے پر مجبور کرے، بلکہ اپنے اندرونی معاملات اور فرقہ وارانہ اعتقادات میں تمام فرقوں کے لیے وسعت خیال و عمل کا اہتمام ہوگا اور کامل آزادی کو یقینی بنایا جائے گا۔ درحقیقت ہمیں یہ امید ہے کہ مختلف مکاتب فکر اُس منشا کے مطابق عمل کریں گے، جو اس حدیث نبویؐ میں مذکور ہے: 'میری اُمت [کے لوگوں]میں اختلاف رائے ایک رحمت ہے'۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے اس]فطری[اختلاف کو اسلام اور پاکستان کے لیے باعث استحکام بنائیں اور چھوٹے موٹے مفادات کے لیے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، کیونکہ اس طرح پاکستان اور اسلام دونوں کمزور ہو جائیں گے۔ بسا اوقات اختلافات رائے ہم آہنگی اور ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں، لیکن یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب رائے کے اختلافات میں اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ہمارے حقیقی نصب العین کو جو اسلام کی خدمت اور اس کے مقاصد کو ترقی دیتا ہے، اسے نظروں سے اوجھل کر دیں۔ پس ظاہر ہے کہ قرارداد میں اس دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا سیاسی نظام قائم کرنے کی سہولت دی جائے، جس کی تجربہ گاہ میں وہ دنیا کو عمل کر کے دکھا سکیں، کہ اسلام دنیا میں نہ صرف ایک متحرک اور ترقی پسند طاقت ہے، بلکہ وہ ان گوناگوں خرابیوں کا علاج بھی مہیا کرتا ہے، جن میں آج نوع انسانی مبتلا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو اپنی پستی اور محکومی کے طویل دور میں ہمیشہ اس قسم کے موقع کی تلاش رہی ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ایک غیراسلامی فعل ہوتا، اور ایسا کر کے ہم یقینا اپنے دینی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ اقلیتوں کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے، اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح روکا نہیں جائے گا۔ اسلامی ثقافت کے نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے، کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں اس دولت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئی ہیں، جسے مسلمانوں نے بطور وراثت حاصل کر کے فروغ دیا ہے۔میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم و فکر کی دولت میں اضافہ کر سکنے کے قابل ہوں گی، تو یہ امر پاکستان کی نیک نامی میں چار چاند لگائے گا اور اس سے قوم کی زندگی اور توانائی میں قابل قدر اضافہ ہو گا۔ اس لیے اقلیتوں کو نہ صرف مکمل آزادی کی توقع کرنی چاہیے، بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہیے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدر دانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی، جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

جناب والا!قرارداد کے مطابق طرز حکومت وفاقی ہونا چاہیے، کیونکہ جغرافیائی حالات اسی قسم کی طرز حکومت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس صورت میں، جب کہ ہمارے ملک کے دو حصوں کے درمیان ایک ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ موجود ہے۔مجلس دستور ساز، ان جغرافیائی وحدتوں کو ایک دوسرے سے

قریب تر لانے اور بہتر رابطے پیدا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گی، جن سے ہماری قوم پوری طرح متحد و منظم بن جائے۔ بلاشبہہ میں نے ہمیشہ صوبہ پرستی کے جذبات کو بھڑکانے کی کوششوں کی سخت مخالفت کی ہے، مگر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں، کہ میں غیر منصفانہ یکسانیت کا حامی بھی نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جن علاقوں اور جغرافیائی اکائیوں پر پاکستان مشتمل ہے، ان سب کو ہماری قومی زندگی کی خوبیاں بڑھانے میں حصہ لینا چاہیے۔ لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی ایسی بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے، کہ جو کسی طرح بھی پاکستان کی قومی وحدت کو کمزور کرنے کا ذریعہ بنے۔ ہم آبادی کے مختلف طبقوں کے موجودہ باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کا بندوبست کرنے کا پختہ عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مجلس دستور ساز کو اس مسئلے پر ازسرنو غور کرنا ہو گا، کہ کون سے امور مرکز کے تحت ہونے چاہیں اور کون سے امور صوبوں کے پاس رہیں؟... مزید یہ کہ ہمارے نئے نظام میں صو بوں کا تعین کس طرح کیا جائے؟

صدر محترم، بعض بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین دلانا بھی ایک رسمی سی بات ہو گئی ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ایک ہاتھ سے حقوق دیں اور دوسرے ہاتھ سے انہیں واپس لے لیں۔ میں اس بات کے ثبوت میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں، کہ ہم حقیقی معنوں میں ایک آزاد حکومت بنانا چاہتے ہیں، جس کے تمام ارکان کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو گی۔ قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہوں گے۔ لیکن اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ ان فرقوں کے شخصی قانون کا تحفظ نہیں کیا جائے گا۔ قانون، حیثیت اور انصاف کے معاملے میں مساوات ہمارا عقیدہ ہے۔

یہ ہمارا پختہ یقین ہے اور ہم نے اکثر جگہ اس کا اعلان کیا ہے، کہ پاکستان مفاد پرستوں اور مال دار طبقوں کی ہوس زر کے لیے نہیں بنا ہے، بلکہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایک منصفانہ معاشی نظام تعمیر کرنا ہمارا مقصد ہے۔ کیونکہ یہ اصول دولت کی بہتر تقسیم میں اور ناداری کو ختم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اپنے عروج و کمال پر پہنچنے میں جو وجوہ انسانیت کی راہ میں مانع ہیں، وہ افلاس اور پس ماندگی ہیں، اور پاکستان سے ہم (ان شاء اللہ) ان کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ اس وقت ہمارے عوام غریب و ناخواندہ اور ان پڑھ ہیں، چنانچہ ہمیں ضرور ان کا معیار زندگی بلند کرنا ہے۔ انہیں افلاس اور جہالت کی زنجیروں سے ضرور آزاد کرانا ہے۔

جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے، تو اس ضمن میں حکومت کی اجتماعی حکمت عملی کے تعین میں اور ان لوگوں کے انتخاب میں ہر شخص کو دخل ہو گا، جو حکومت چلانے کے لیے منتخب کیے جائیں گے، تاکہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں حکومت کا نظم و نسق ہو، وہ مفاد عامہ کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چونکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ خیالات کے اظہار پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو سکتی، اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخص کو اس کے خیالات کے اظہار سے باز رکھیں۔ نہ ہم کسی کو جائزقانونی اور اخلاقی مقاصد کے پیش نظر

عوامی رابطے اور انجمن سازی سے روکنا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم اپنے نظام حکومت کی بنیاد آزادی، ترقی اور سماجی عدل پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی عدمِ توازن کو اس طریقے سے ختم کرناچاہتے ہیں، کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے اور انسانی خیالات اور جائز رجحانات پر بھی پابندیاں عائد نہ ہوں۔

جناب والا! اقلیتوں کے بہت سے مفادات ایسے ہیں جن کا وہ بجا طور پرتحفظ چاہتے ہیں۔ یہ قرارداد ان حقوق کے برملا تحفظ کی ضامن ہے۔ ہماری خصوصی ذمہ داری معاشی اعتبار سے پس ماندہ لوگوں کی دست گیری سے منسوب ہے۔ ہم اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ وہ بغیر کسی قصور کے اپنی موجودہ قابل رحم حالت میں مبتلا ہیں۔ پھریہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ان ہم وطنوں کی اس معاشی زبوں حالی تک پہنچنے کے کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہمارے شہری ہیں، اس لیے ہماری خاص طور پر یہ کوشش ہو گی، کہ ہم انہیں دوسرے آسودہ حال شہریوں کے دوش بدوش لے آئیں، تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں، جو ایک آزاد اور ترقی پسند مملکت کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب تک ہمارے عوام میں پس ماندہ طبقے موجود ہیں، ہمارے معاشرے کی ترقی کی رفتار سست رہے گی۔ لہٰذا مملکت کی تعمیر کے لیے یہ ضروری ہے،کہ ہم ان پس ماندہ اور زیردست طبقوں کے بنیادی، معاشی اور سماجی مفادات کو ملحوظ رکھیں۔

آخر میں، میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں اور ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم پاکستان کی بنیادیں ان اصولوں پر قائم کر کے، جن کی وضاحت کی گئی ہے، اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا، جس کے باشندے بلا تمیز عقیدہ و حیثیت اس پر فخر کیا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے عوام بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ اپنی بے بہا قربانیوں اور اس قابل تعریف نظم وضبط کی بدولت جس کا مظاہرہ انہوں نے ایک ابتلائی اور تاریک دور میں کیا ہے، وہ تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم نہ صرف زندہ رہنے کی مستحق ہے، بلکہ وہ انسانیت کی فلاح اور ترقی میں بھی لازمی طور پر اضافہ کرے گی۔ یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے جذبۂ قربانی کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ نصب العین پر قائم رہے۔ پھر قدرت خود اسے اس بلند مقام پر پہنچا دے گی، جو دُنیاوی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں اس کے لیے موزوں ہے، اور اسے انسانیت کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دے گی۔

جناب والا، یہ قوم زبردست کامیابیوں کی روایات رکھتی ہے۔ اس کی تاریخ شان دار کارناموں سے بھرپور ہے۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کے ساتھ پورا پورا حصہ لیا ہے۔ ہماری قوم کی بہادری کے کارنامے فوجی تاریخ کی زینت ہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کے ارکان نظم و نسق نے ایسی روایات قائم کی ہیں، جو زمانے کی دست برد سے اب تک محفوظ ہیں۔ اس کے تخلیقی فنون، شعر و شاعری، فن تعمیر اور جمالیاتی ذوق نے دنیا بھر سے خراج تحسین وصول کیا ہے۔ روحانی عظمت کے لحاظ سے یہ قوم عدیم المثال ہے۔ اب پھر یہی قوم راہ عمل پر

گام زن ہے اور اگر اسے ضروری مواقع میسر آ جائیں تو وہ اپنی شان دار کامیابیوں کی سابقہ عظیم الشان روایات سے بھی بہتر کام کر دکھائے گی --- قرارداد مقاصد اس ماحول کو پیدا کرنے کی طرف پہلا قدم ہے، جس سے قوم کی روح پھر سے بیدار ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کوقوم کی اس نشاۃِ ثانیہ کے زبردست عمل میں حصہ لینے کے لیے منتخب کیا ہے، خواہ وہ حصہ کتنا ہی حقیر اور غیر اہم کیوں نہ ہو۔ ہم ان زبردست اور گونا گوں مواقع سے، جو آج ہمیں حاصل ہیں، محو حیرت ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان مواقع سے خردمندی اور دُور اندیشی کے ساتھ فائدہ اٹھائیں۔ مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، کہ اللہ کے فضل و کرم سے جس کی رحمت سے پاکستان قائم ہوا ہے، ہماری یہ کوششیں ہماری بڑی سے بڑی توقعات سے بڑھ چڑھ کر بار آور ثابت ہوں گی۔

بڑی قوموں کو اپنی میراث روز روز نہیں ملتی۔ قوموں کی نشاۃِ ثانیہ کا دروازہ ہر روز نہیں کھلتا۔ قدرت ہر روز مظلوموں اور محکوموں کو نہیں ابھارتی اور انھیں شان دار مستقبل کی طرف بڑھنے کی باربار دعوت نہیں دیتی۔ روشنی کی کرنیں افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں ،اور ہم اس طلوع کا اس قرارداد کی شکل میں خیر مقدم کرتے ہیں۔

ضمیمہ(ذ)

تقریر علامہ شبیر احمد عثمانی ممبر اسمبلی دستوریہ حکومت پاکستان

9مارچ کو قرار دد مقاصد کی تائید میں مجلس دستور ساز اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر

جناب صدر محترم،قرار دادِ مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیا قت علی خان صاحب نے ایوان کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریہ حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اگر غور کریں تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آزاوررقیبانہ ہوسناکیوں کے

میدان کا رزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پرنادم ہو کر تھوڑی دیر کے لیے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لیے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اس کو دوا اور اکسیر کے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لیے جس قدر پھڑپھڑائے گی اس قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی۔ وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کر دیں، اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑ ی کو کچھ ہٹانا پڑتا ہے ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہمیں کچھ پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشا دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے جال میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف و سیدھی شاہراہ پرڈالنے کی کوشش کریں گے،یہی حال آج دنیا کا ہے۔اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سرنو جائز ہ لینا ہو گا۔کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بے کار ہے۔اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو۔آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو۔کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے جب تک ا ن کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائے۔قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طبقوں سے نہ گھبرائیے بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجیے جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور اثر سے بطور مسلمات عامہ،اصول موضوعہ اور مفروع عنہا صداقتوں کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہیں،ان ہی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے،اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کوششوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے،وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لیے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے اور اگر دنیا کو انسانیت کے حقیقی فلاح کے لیے کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہو گا جنہیں مادی و معاشی مسابقت کی بے

تحاشا دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔اسے یوں خیال کیجیے کہ کتنی صدیوں تک ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا میں مستولی رہا۔فیثا غورس کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی، پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے چھپا ہوا بیج جو فیثا غورس دبا گیا تھا،زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ وبار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑائیں گے۔حق اکیلا رہ کر بھی حق رہتا ہے۔اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا کہ جب اس کے جھٹلانے والے زمانے کے چھکے مکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن قریب آرہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیا قت علی خان نے فرمایا روشنی کی تحریر افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کی پیش خیمہ بن رہی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو خفا ش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت و الحاد کے اندھیروں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔یہ دنیا کے لیے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لیے پرامن پیغام حیات اور اطمینان و خوش حالی کی راہ تلاش کر نے والوں کے لیے سہولیت مہیا کرتا ہے۔ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لیے عموماً اور پاکستان کے لیے خصوصا کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری مملکت بھی شامل ہے،مالک اصلی و حاکم حقیقی کون ہے ''اور ہے یا نہیں ''اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضا کا یہ عقیدہ ہو گا) تو ہمارے لیے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہو گا کہ کسی مالک کی خصوصا اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لیے بھیجے او ر وحی ربانی کا سلسلہ اسی لیے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیے جائیں ۔اسی نقطہ و خیال کے پیش نظر ریزولیشن میں ''اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر ''کے الفاظ رکھے گئے ہیں ۔ اور یہ ہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے اپنی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا، ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں

موجود ہیں ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو وہ خود کسی جامع اور حاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔ قائد اعظم نے اگست 1944ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں:''قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے، اس میں مذہبی اور مجلس، دیوانی و فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لیکر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لےکر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کےحقوق و فرائض تک، دنیاوی زندگی میں جزا و سزا سے لیکر عقبیٰ کی جزا و سزا تک، ہر فعل و قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے ۔لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتاہوں''۔'' ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی اور معاشرتی، تاریخی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کوبغور و خوض مطالعہ کرے تاکہ یہ انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو''قائد اعظم نے ان خیالات، عزائم کا بار بار اظہار کیاہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتاہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ یا یہ کہ اگر قائد اعظم زندہ ہوتے یہ تجویز مقاصدپیش نہیں ہو سکتی تھی۔

قرآن مجید میں صاف صاف ارشاد ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [4:65] ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ٤٤﴾ ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ٤٥﴾ ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ٤٧﴾ [5: 45،44، 47]اس موقع پر یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنیٰ پاپائیت یا ''کلیسائی حکومت ''کے نہیں۔بلکہ جس بت کو قرآن نے﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے ؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہو ئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہو گی۔ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے۔مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت

در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت،حکومت راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ رشدحکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے ، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن ،اور مملکت کے عوام کو نیکو کار ہونا چاہیے۔قرآن نے حکومت اسلامی کی یہ غرض و غایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ کاری کے خلاف ہے،اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں۔ جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے اس کا دائرہ و سائرہ رکھنا چاہتی ہے۔مگر ا س کام کو اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوشدلی عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتے ہو ئے اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے،زائد سرمایہ کے لیے ملی بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال بحال رکھتی ہے۔

شورائی اسلامی حکومت کی اصل ہے ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی محض توریت یا جبر و استبدار کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشا ء کے سراسر خلاف ہے۔وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی کے ہاتھوں سے سٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے۔ہاں انہیں یہ حق نہیں دیتا ہے کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار،ابتری اور طوائف المکوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت نے بلند ترین منتہائے خیال کو پورا کرنے کے لیے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ،مساوات حقوق،آزادی ضمیر،سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی قلمرو میں بسنے والے تمام مسلمانوں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں، جان ، مال،آبرو،مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرےاور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لیے ناقابل تحمل ہو۔جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوں ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم و کرم پر

نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں۔

اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے۔جو اب تک اتنا کافی ہو گا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم و جبر،عہد شکنی،مالی دست برد،کشت وخون،بربادی و ہلاکت،انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی۔افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آرہی ہیں خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔غرض یہ کہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز ِ حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں کہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز ِ حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔جنہوں نے ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگریسی وزراء کو یہ ہدایات دیں کہ تم ابو بکر ؓاور عمر ؓ کی سی حکومت قائم کرو۔نیز قائد اعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا جب ۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ '' میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت کا آج سے ساڑھے تیرہ سوسال قبل قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا تھا۔''انہوں نے نومبر ۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا تھا اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ ''اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت میں جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہو گی،پاکستان کے لیے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے '' اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظم اور دوسرے زعماء لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے جس کابخوف طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔بہر حال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشباط نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین و نظام ِ اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جارہی ہے۔ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کیے جارہے تھے۔جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کیے اور پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطہ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا مرہون منت ہے اور ان کی قومی خصائص و ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔اب

اگر ایسی سیدھی او ر صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقع پر یہ بات فراموش نہ کیجیے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اس کی دعوت دیں۔اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں او رجو اشتراکیت،سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لیے مضبوط آہنی دیوا ر کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے اسلامی اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہو گا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دے گا اور جس کے لیے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لیے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہو گا۔میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تا کہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے ولا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہو گا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کیے جاسکتے ہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگاز بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہر حال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات وخطبات میں کھل کر کہہ چکا ہوں۔چنانچہ خطبہ لاہور میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین سے قریب تر کرے گا۔جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعتاً و بغتتاً بیماری سے چنگا نہیں ہوجاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

جناب صدر محترم۔آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبر ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور

وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہوچکے ہیں۔ اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہوجائیں گے کیوں کہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت سے محسوس کررہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی وماذالک علی اللہ بعزیز!

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل ، فہیم،مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں اس کے فحواکو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے آسان ہو گا۔بہر حال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔وباللہ التوفیق!

ضمیمہ(ر)

محاضرہ: شرعی احکام میں ضرورت و حاجت کی رعایت اور حرج و مشقت کی صورت میں تخفیف کے شرعی اصول و ضوابط

اس محاضرہ میں فقہ اسلامی کے ایک اہم موضوع: شرعی احکام خصوصاً مالی معاملات اور لین دین میں ضرورت و حاجت کی صورت میں شریعت کا مزاجِ یسر و سہولت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اب تک اس موضوع پر عرب و عجم میں جو تحقیقی کام ہو چکا ہے اس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

قرآن کریم کی واضح آیات اور رسول اللہ ﷺکے کھلے ارشادات سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا مقصد انسانوں کو دنیوی اور اخروی مصالح و فوائد سے مالا مال کرنا اور ان سے حرج اور مشقت کو دور کرنا ہے، نیز شرعی نصوص سے یہ بھی واضح ہے کہ دین اسلام کا مزاج سختی اور تنگی کی بجائے یسر و سہولت پر مبنی ہے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ دینی مسائل و احکام لوگوں کے لیے ایک مفید اور آسان زندگی گزارنے کی بجائے ناقابل تحمل ضرر اور خرابی کا باعث بنے، چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جگہ ایسا محسوس ہو کہ کوئی (بظاہر) شرعی مسئلہ مصلحت کی بجائے مفسدہ، عدل کی بجائے ظلم، حکمت کی بجائے عبث اور بے تدبیری کا سبب بن رہا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ شریعت کا تقاضا قطعاً نہیں، اگرچہ اسے بظاہر شریعت کا تقاضا اور شرعی مسئلہ سمجھا گیا ہو۔ (إعلام الموقعین: 3/ 2) اسی سلسلے میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي ٱلدِّينِ مِنۡ حَرَجٖۚ﴾ [22:78]

ترجمہ :اللہ تعالیٰ تم پر دین کی بات میں کوئی تنگی نہیں لائے۔

﴿يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمۡۚ وَخُلِقَ ٱلۡإِنسَٰنُ ضَعِيفٗا﴾ [28:4]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعا) کمزور پیدا ہوا ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِلَّا وُسۡعَهَاۚ﴾ [۲:۲۸۶]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف (پابند) نہیں بناتا۔

یہ آیات صراحت کے ساتھ شرعی احکام میں تخفیف و تیسیر کے وجود کا یقین دلاتی ہیں، اس بناء علامہ شاطبي رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیہ سے رفعِ حرج سے متعلق جو دلائل ہیں وہ قطعی اور یقینی ہیں۔ (الموافقات: 340/1)

احادیث بھی بہت صراحت کے ساتھ دین اسلام کی آسانی اور ہر حال میں قابل عمل ہونے کو بیان کرتی ہیں، المعجم الکبیر کی روایت ہے:

بعثت بالحنفية السمحة.[1]

ترجمہ:میں (یعنی رسول اللہ ﷺ) ایسے دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں جو باطل سے مکمل کنارہ کش اور آسانی و سہولت پر مشتمل ہے۔

نیز ارشاد ہے:

إن الدين يسر. [2]

ترجمہ:دین اسلام سراسر یسر و سہولت پر مشتمل ہے۔

---

[1]۔ الطبراني ،حافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد ،المعجم الكبيرللطبراني ، باب الصاد، صدي بن العجلان أبو أمامة الباهلي نزل الشام ومات بها ومن أخباره ،مكتبة العلوم والحكم الموصل، الطبعة الثانية ، 1404 1983، تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي،جلد8،ص170،حديث7715.

[2]۔ البخاري، كتاب الإيمان،باب الدين يسر.

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہے۔ان آیات و احادیث کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسلامی احکام میں آسانی اور اعتدال ملحوظ رکھنے میں دو بڑی حکمتیں ہیں، پہلی یہ کہ جب ایک انسان کی طرف بیک وقت مختلف النوع شرعی احکام متوجہ ہوں تو ان سب سے عہدہ برآ ہونا تب ممکن ہے جب ان احکام میں بذاتِ خود آسانی ہو اور ان پر عمل کرتے ہوئے انسان اعتدال سے بھی کام لے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ احکام میں آسانی و اعتدال کی صورت میں انسان کی دلچسپی اورعمل کا جذبہ تب برقرار رہتا ہے جب اس کو شرعی احکام اذیت کا سبب اور بوجھ کا باعث محسوس نہ ہوں، دین کے ساتھ جب اس کا جسم، مال، حال بھی محفوظ اور رو بترقی ہوں تو وہ شریعت کو واقعی اپنے مصالح کا امین سمجھ کر دل و جان سے اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوگا۔ (الموافقات: 136/2)

منکورہ بالا معروضات کے پیش نظر آج کل کے زمانے (جس میں مسلمان اپنے سیاسی اور معاشی غلبہ سے محروم اور ان میدانوں میں مغلوبیت کے شکار ہیں) میں دین اسلام کے اعتدال، توازن اور یسر کے رُخ کو زیادہ نمایاں کرنے اور اس پر ترجیحی بنیادوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر بندہ نے جامعۃ الرشید میں علما کے ایک مجمع میں اس موضوع پر کچھ گزارشات پیش کی تھیں۔ یہ محاضرہ چونکہ کسی تحریر کی مدد کے بغیر زبانی طور پر پیش کیا گیا تھا، اس لیے سب تفصیلات تو نہیں آسکیں لیکن چند ضروری باتیں اور اس موضوع کے بنیادی پہلوؤں کا تعارف اس میں موجود ہے، اس موضوع کی طرف اہل علم کی توجہ مبذول کروانے اور افادۂ عام کی خاطر اس محاضرہ کو شایع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے ایک صحیح رُخ پر صحیح غور و فکر کا سبب بنائیں۔آمین والحمداللہ رب العالمین.

موضو ع کی اہمیت :

مندرجہ بالا موضوع آج کل کے حالات کے حوالے سے انتہائی اہم ہے،آج کل مسلمان جن حالات سے گذررہے ہیں ان حالات میں مسلمانوں کے اندر ذاتی ہمت وعزم اوردین پرپختگی جیسے اوصاف کی کمی کے ساتھ ساتھ ملکی وبین الاقوامی قوانین، سیاست ومعیشت اوردوسرے معاشرتی قوانین بھی مسلمانوں کے لیے اسلامی احکام پر سوفیصد عمل کرنے میں رکاوٹ ہیں،کیوں کہ موجودہ حالات میں کوئی چیز بھی مسلمانوں کے اپنے قبضہ واختیار میں نہیں جس میں وہ سوفیصد اپنے دینی تقاضوں کوپورا کرنے کی کوشش کریں۔

مسلمانوں کی یہ حالت اس وقت سے قائم ہے جب سے دنیا سے اسلامی خلافت کا خاتمہ ہو چکا ہے ،لہٰذاجوموضوع زیربحث ہے اس پراس وقت سے صحیح غور ہونا چاہیے تھالیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اجتماعی اورعمومی طورپراس موضوع کوکوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کی بجائے اس موضوع میں افراط یاتفریط (حدود سے تجاوز)سے کام لیاگیا۔

حالات کا رخ تبدیل ہونے پر مسلمانوں کے ہاں اختلاف ِ فکر و نظر :

حالات کی اس تبدیلی کے پیش نظر ارباب فکرودانش کی طرف سے دوقسم کے طرز عمل سامنے آئے اورافسوس ہے کہ وہ دونوں حداعتدال سے گذرکرافراط یاتفریط کا شکار ہوئے۔ ایک نقطہ نظر تویہ سامنے آیا کہ دین کے سیاسی اور معاشی احکام پرموجودہ حالات اور اس

زمانے میں عمل ممکن نہیں، لہٰذا اس حوالے سے دین کے طوق ہی کو گردن سے اتارا جائے اورجوطریقہ کاردوسرے مذاہب کے لوگوں نے اختیار کیاہے اس کومعیار بناکرزندگی کالائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔اس طبقے کے خیالات کی بہترین ترجمانی کے لیے یہ عر بی کہاوت مشہور ہے:

دع مالقیصر لقیصر، وما للہ للہ.[3]

یعنی دین و سیاست کی راہیں جدا جدا ہیں، دین کا سیاسی اور معاشرتی و معاشی نظام سےواسطہ نہیں۔

ظاہر ہے یہ طبقہ افراط کاشکارہے، اوران کے نظریہ اور طرز عمل کے مطابق دین کے سیاسی،معاشی اور معاشرتی احکام ایک تاریخی یادگار کے علاوہ کچھ نہیں۔جبکہ دوسرانقطہ نظر ہمارے بعض اہل علم وافتاء کی طرف سے سامنے آیا اور وہ یہ کہ جوچیزصریح فقہی نصوص اورجزئیات (جواکثر اجتہادی ہیں، نیز جن میں سے بہت سارے ایسے مسائل ہیں جو سینکڑوں سال پہلے کے حالات وضرورات کے مطابق تجویزکیے گئے تھے)سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹا جائے اور ان فقہی تصریحات پر جوں کے توں عمل کیا اور کرایا جائے، اگرچہ ان اجتہادی اورفروعی جزئیات پرجمے رہنے اوران پرسوفیصد عمل کرنے کرانے میں امت کے افراد کتنی ہی پریشانی ومشکلات اورکھلے ہوئے حرج میں مبتلاہوں۔

دوسری طرف ہمارایہ دعویٰ ہے(اوربجاہے)کہ اسلام ایک دین کامل ہونے کے ناطے قیامت تک ہرزمانے میں اس زمانے کے حالات کے مطابق انسان کی رہنمائی کرتارہاہے اور کرتا رہے گا،اب یہ دعویٰ عملی میدان میں درست تب ثابت ہوگاجب اسلام اورفقہ اسلامی ایک طرف معتدل اورسوفیصد اسلامی ماحول (یعنی خلافت وحکومت جب اسلامی ہو اور زندگی کی راہیں، اطوار اور قوانین طے کرنے میں بھی مسلمان بالکل آزاد ہوں) کے لیے تجویز کردہ احکام اور طریقۂ کار پرمشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف آج کل کے ہنگامی اورغیرمعتدل حالات سے متعلق احکام پر بھی مشتمل ہو۔اور ظاہر بات ہے کہ ثانی الذکر احکام کی نوعیت اول الذکر سے کچھ مختلف بھی ہو سکتی ہے، اس اختلاف و تنوع کا ادراک کم اَز کم ایک مفتی کا فریضہ ضرور ہونا چاہیے۔

فقہ اسلامی کی جامعیت :

اسلامی فقہ جو زندگی کے عملی احکام کے مجموعے کانام ہے۔ اس نے ہمیشہ زمانے کلساتھ دیاہے،فقہی تاریخ میں ایسانہیں ہوا کہ زندگی کی سرگرمیاں آگے نکل گئیں ہوں اور فقہ اسلامی ان کے حل سے عاجز ہو کر پیچھے رہ گئی ہو،بلکہ اس نے بارہویں صدی ھجری تک ایک زندہ قانون کی حیثیت سے اپنے وجودکوبرقرار رکھا، افسوس ہے کہ جب سے خلافت اسلامیہ کا سقوط ہواہے اس کے ساتھ فقہ کاعملی زندگی کی نت نئی صورتوں میں راہنمائی فراہم کرنے کاعمل بھی قریب قریب رک ہی گیا ہے اورشامیہ اورشرح المجلہ پرتقریباً اس تطبیق وتدوین کاعملاً خاتمہ ہی ہوگیا۔

زندگی کی نئی مشکلات کے حل کے لیے فقہ اسلامی کی سرگرمیوں کی مثالیں توبہت ہیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر اجارہ کی ایک مثال پر اکتفاء کرتے ہیں جس سے فقہ اسلامی اور

---

[3] الشحود ، علي بن نايف ،موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة ، الباب الثامن والعشرون، الحرب الصليبية على العراق ۔الحلقة الحادية عشرة،المكتبة الشاملة.

بالخصوص فقہ حنفی کی زمانے کے حالات کے ساتھ مطابقت اوروقت بروقت اس میں مناسب تبدیلی کاعنصر بہت نمایاں طور پرظاہر ہوتاہے۔

فقہ اسلامی کی وسعت کی ایک مثال :

علامہ شامیؒ شفاء العلیل نامی کتاب میں فرماتے ہیں کہ قرون ثلاثہ (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کامبارک زمانہ) اور زمانہ اجتہاد میں علما کرام اجرت علی الطاعات (دینی سرگرمیوں پراجرت لینے) کومطلقاً منع اورحرام فرماتے تھے۔ تین صدیوں تک مسلمان اس پر عامل تھے،اس کے بعد چوتھی صدی کے فقہاء کرام نے زمانہ کی ضرورت وحاجت کودیکھ کرتعلیم قرآن کواس حکم سے مستثنٰی فرمایا،جن میں فقیہ ابوالليث المتوفی373ھ اورامام فضلی المتوفی381ھ بھی شامل ہیں،پانچویں صدی ہجری تک یہ استثنا صرف تعلیم قرآن کے ساتھ ہی مختص رہا چناں چہ علامہ شمس الائمہ سرخسی المتوفی 500ھ نے یہ تصریح فرمائی ہے:

وأجمعوا علی أن الِاجارۃ علی تعلیم الفقه باطلة.[4]

یعنی علم فقہ کی تعلیم وتدریس پر اجرت لینا باطل وحرام ہے۔

اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں بعض فقہاء نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ اور امامت کوبھی شامل فرمایا۔ جیسا کہ علامہ ابن الساعاتی صاحب مجمع البحرین نے کیاہے لیکن فقہاء کی غالب اکثریت پھر بھی منع فرماتی رہی، چنانچہ صاحب ہدایہ المتوفی593ھ اورقاضی خان المتوفی 5925ھ جیسے جلیل القدر اصحاب تخریج وترجیح نے بھی صرف تعلیم قرآن ہی کی اجرت کوجائز قرارر دے کرباقی دینی سرگرمیوں پر اجرت لینے سے منع فرمایا اورکنزالدقائق جورائج متون میں ایک ممتاز شان رکھتی ہے، جو ساتویں صدی میں تصنیف ہوئی تھی اس میں بھی صرف تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کی اجازت مذکور ہے اس کے علاوہ نہیں۔اس کے بعد اکثر اصحاب متون وشروح اورارباب فتاویٰ نے تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم فقہ اور امامت کوبھی شامل کیاہے چنانچہ صاحب مختصر وقایہ المتوفی 747ھ اورصاحب ملتقی الابحر المتوفی956ھ،صاحب درالبحار المتوفی788ھ نے امامت کی اجرت کااضافہ فرمایااورصاحب الایضاح والاصلاح المتوفی940ھ اور صاحب تنویرالأبصار المتوفی1004ھ میں تعلیم قرآن وفقہ اور امامت کے ساتھ اذان کوبھی شامل فرمایا اوران کے بعد کے فقہاء نے اقامت اور وعظ اوربہت ساری دینی سرگرمیوں پر تنخواہ (اُجرت) لینے کے جواز کااضافہ فرمایا۔

فقہ میں حالاتِ زمانہ کی رعایت کے مثبت نتائج :

اب اصل مذہب کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو ان میں سے کسی چیز کی گنجائش نہیں اوراگر اسی پر عمل ہوتا رہتا تو آج کل کے دینی مدارس (جن میں تنخواہیں لے کر علم دین پڑھایا

---

[4] ۔مذکورہ عبارت کا حوالہ راقم کو دستیاب نہیں ہو سکا لیکن اس سے ملتی جلتی عبارات فقہ کی کئی کتب میں موجود ہیں۔مثلاً الجوهرة النيرة میں لکھا ہے : وأما تعليم الفقه فلا يجوز الاستئجار عليه بالإجماع. (الحداد اليمني،الامام العلام شيخ الاسلام ابی بکر علی بن محمد ،الجوهرة النيرة، الجز ء الاول ، قدیمی کتب خانہ کراچی کتاب الإجارة، أجير مشترك وأجير خاص،ص591) ترجمہ: اس بات پر اجماع ہے کہ فقہ کی تعلیم دینے پر معاوضہ لینا جائز نہیں۔ الموسوعۃ الفقھیہ میں مکتوب ہے : والمذهب عند المالكية: جواز الاستئجار على تعليم القرآن، أما الإجارة على تعليم الفقه ـفإنها مكروهة عندهم.(الموسوعۃ الفقھیہ،الجزء الثالث عشر،ص16) ترجمہ :مذہب مالکیہ کے مطابق تعلیم ِ قرآن میں معاوضہ لینا جائز ہے ،جبکہ فقہ کی تعلیم پر معاوضہ لینا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔

جاتاہے)کا وجود ہی نہ ہوتا،لیکن رفتہ رفتہ زمانے کی تبدیلی اورضرورت وحاجت کے وجود کی صورت میں فقہاء امت کی بصیرت واحساس کی برکت سے ان مشکلات کاحل سامنے آتارہا جس پر عمل پیراہوکرہر زمانے میں آسانی کے ساتھ دینی خدمات انجام دی جاتی رہیں۔ فقہ اسلامی میں اگر ضرورت و حاجت کے ادراک کا فقدان ہوتا اور ضرورت و حاجت کی رعایت کی بجائے جمود ہوتا تو آج کل کے اس وسیع پیمانے پر دینی مدارس کا وجود بھی نہ ہوتا۔

زمانے کے ساتھ مطابقت کے یہ عملی نمونے ہی فقہ اسلامی کی اصل پہچان ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج فقہ اسلامی بہت کم انسانوں کے لیے قابل عمل چیز ہوتی۔فقہ اسلامی کی مذکورہ خصوصیت کوئی ذہنی اختراع نہیں بلکہ فقہ اسلامی کایہ مزاج فقہاء کرام نے بہت وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے،چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(فهذ ا)كله وأمثاله دلائل واضحة على أن المفتى ليس له الجمود على المنقول فى كتب ظاهر الرواية،من غيرمراعاة الزمان وأهله، وإلا يضيع حقوقا كثيرة ويكون ضرره أكثر من نفعه.[5]

ترجمہ: مفتی کے لیے جائز نہیں کہ زمانہ اوراہل زمانہ کی رعایت کیے بغیر قدیم فقہی مسائل پرجما رہے،اگر اس طرح کرے گاتو بہت سارے لوگوں کی حق تلفی کامرتکب قرار پائے گااور اس کانقصان اس کی افادیت پر غالب رہے گا۔

نیز فرماتے ہیں:

أن الحاكم أو المفتي ليس له أن يحكم أو يفتي بظاهر الرواية ويترك العرف. [6]

ترجمہ: مفتی اورقاضی کے لیے یہ درست نہیں کہ عوام الناس کے عرف وعادت کا لحاظ کیے بغیر ظاہر الروایۃ (مفتٰی بہ مسائل)کے مطابق فیصلہ دیں۔

منیۃ المفتی (جو فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں شامل ہے)کے آخر میں فرماتے ہیں:

لو أن الرجل حفظ جميع كتب أصحابنا لا بد أن يتلمذ للفتوى حتى يهتدي إليها، لأن كثيرًا من المسائل يجاب عنه على عادات أهل الزمان فيما لا يخالف الشريعة. [7]

ترجمہ:اگر کوئی عالم فقہ کی ساری کتابیں حفظ کرلے تب بھی اس پر لازم ہے کہ کسی(ماہر اورزمانے کے عرف اورتقاضوں سے)باخبر مفتی کی شاگردی اختیار کرے تاکہ وہ صحیح فتویٰ دے سکے،کیوں کہ بہت سارے مسائل کا جواب (کتابوں میں لکھے ہوئے مسائل کی بجائے) اہل زمانہ کے عرف وعادت کے مطابق دیاجاتاہے۔

ان اصول کومدنظر رکھتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فإن الشريعة مبناهاو أساسها على الحكم ومصالح العباد فى المعاش والمعاد،فهى عدل كلها وحكمة كلها ورحمة كلها ومصالح كلها، فكل مسألة خرجت عن العدل إلى الجور، وعن الرحمة إلى ضدها، وعن المصلحة الىٰ المفسدة، وعن الحكمة إلى العبث، فليست من الشريعة وإن أدخلت فيها بالتأويل.[8]

---

[5]۔ شامی ،ابن عابدین ،العلامہ المحقق المدقق السید محمد امین افندی ،مجموعہ رسائل ابن عابدین،الجزء الثانی ، ص۱۳۱.

[6]۔ شامی ،ابن عابدین ،العلامہ المحقق المدقق السید محمد امین افندی ، حاشیہ ابن عابدین، باب الإيلاء،مطلب في قوله أنت علي حرام ،الجزء الثالث ، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. بيروت. 1421هـ 2000م.، ص۴۳۴.

[7]۔ مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة، العرف، الجزء الخامس، ص 2377.

[8]۔ ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، إعلام الموقعين عن رب العالمين، دراسة وتحقيق: طه عبد الرؤوف سعد، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية، مصر، القاهرة1388هـ/1968م، الجزء الثالث،ص۲.

ترجمہ: شریعت کی بنیاد ہی انسانوں کی دینی اوردنیوی مصلحتوں اورحقوق کی نگہداشت پرقائم ہے،لہٰذاجو مسئلہ شریعت کی طرف منسوب ہواور اس میں حکمت کی بجائے عبث اوربے تدبیری کاعنصر ہویا رحمت کی بجائے عذاب اور تکلیف کاپہلو ہو،یا مصلحت کی بجائے فساد کااندیشہ ہو تو وہ مسئلہ شریعت کاحصہ نہیں ہوسکتا،اگرچہ تاویلات اور بزعم خود دلائل کے ذریعے اس کو شریعت کاحصہ بنانے کی کوشش کی جائے۔

اسلامی فقہ میں ضرورت کا مفہوم اور اس کے احکام :

منکورہ بالا عبارات واقوال سےیہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ فقہی اور شرعی احکام میں لوگوں کے حالات،ان کے ضرورت وحاجات اور زمانے کے تقاضوں کی رعایت رکھی جائے گی اور یہ امر اتنا ضروری ہے کہ اس رعایت کے بغیر کوئی مسئلہ شریعت کی طرف منسوب ہی نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ وہ شریعت کی ترجمانی کہلانے کا مستحق ہو،مذکورہ بالا عبارت سے حاصل شدہ اصول کولیتے ہوئے ہم زیر بحث موضوع میں آگے بڑھتے ہیں جس میں سب سے پہلے ضرورت اورحاجت کی تعریف نیز ضرورت وحاجت کے اسباب اورپھر ان کے احکام اورآخر میں ضرورت وحاجت کے قواعد کے استعمال کے لیے چند اصول وضوابط شامل ہوں گے۔

سب سے پہلےضرورتکی اصطلاح کو لیتے ہیں۔ضرورت ۔کی تعریف کے لیے اگر آپ کتب فقہ واصول فقہ کی طرف مراجعت کریں گے توآپ کوایک قسم کا ابہام نظر آئے گا اور گنجلک محسوس ہوگی کیوں کہ وہاں آپ کو ضرورت کی مختلف تعبیرات وتعریفات ملیں گی، ہم ان تعریفات کاخلاصہ کرکے ان میں سے راجح تعریف متعین کرنے کی کوشش کریں گے۔

ضرورت کی ایک تعریف تووہ ہے جوعلامہ حموی نے الأشباہ کے حاشیہ میں اور علامہ سیوطی نے الأشباہ والنظائرمیں،علامہ بدرالدین زرکشی نے المنثور فی قواعد الفقہ میں اورحضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تحقیقی رسالے انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں ذکرفرمائی ہے،ان حضرات کی ذکر کردہ تعریف کے مطابق ضرورت اس اضطرارکامترادف ہے جس کا ذکر قرآن کی آیت ﴿فَمَنِ ٱضۡطُرَّ فِي مَخۡمَصَةٍ﴾ [5: 3]ترجمہ :جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہوجائے، میں ہے اور اس بناء پر ضرورت کی انہوں نے یہ تعریف تجویز فرمائی ہے:

فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك أو قارب.[9]

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف جان تلف ہونے کی حالت کوضرورت کی حالت کہاجائے گا،البتہ بعض فقہاء کرام نے جان تلف ہونے کی حالت کے ساتھ تلف عضو کابھی ذکر فرمایاہے۔اس تعریف کی روسے ضرورت کا مفہوم بہت محدود ہے صرف جان سے متعلق ہلاکت اورصرف غذائی ضرورت کی صورت کوہی شامل ہے اوربس،جب کہ یہاں ایک دوسری تعریف بھی ہے جو اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے اورشریعت کے مزاج اورفقہی نصوص سے بھی اس کی تائیدہوتی ہے وہ علامہ شاطبي رحمہ اللہ نے اختیار فرمائی جس کوبعد

9۔الزركشي،محمد بن بهادر بن عبد الله،المنثور في القواعد،الناشر : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت الطبعة الثانية ، 1405، تحقيق : د. تيسير فائق أحمد محمود،الجزء الثانی ،ص319.

کے ماہرین فقہ میں سے وھبہ زحیلي نے الفقه الاسلامی وأدلتهمیں اورأبوزھرۃ نے اصول الفقهمیں اور اس خطے کے فقہائے کرام میں سے اسلامی فقہ اکیڈمی ہند کے حضرات نے تجویز کی۔

شریعت کی نظر میں انسانی فلاح سے متعلق پانچ بڑے مقاصد:

علامه شاطبي رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجویز کردہ تعریف پر مزید بحث سے پہلے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے اوروہ یہ کہ شریعت کے جتنے بھی احکام ہیں وہ مصالح اورعلل اور مختلف النوع حکمتوں کے تحت تجویز فرمائے گئے ہیں،ان علل وحکم کوایک جامع انداز میں اگر بیان کرنا چاہیں تووہ شریعت کے مقاصد خمسه (پانچ بڑے مقاصد) کہلاتے ہیں جس میں سب سے پہلے مرحلے میں حفظ دین ہے، پھر حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اورحفظ عقل ترتیب وار آتے ہیں،ان مقاصد پنج گانہ میں حفظ دین سے متعلق ضروری احکام میں عقائد، اسلام کے ارکان اربعہ،دعوت الی اللہ اورجہادشامل ہیں اورحفظ نفس سے متعلق ضروری تقاضے پورے کرنے کے لیے مخصوص حالات اور مجبوریوں میں محرمات کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، ضروری خوردونوش،لباس وربائش کا انتظام، قصاص، دیت کانفاذ اور خودکشی کی ممانعت بھی اس میں شامل ہیںحفظ نسل سے متعلق ضروری تقاضے پورے کرنے کے لیے حدزنا کااجراء، زنا کی حرمت اوردوسری طرف نکاح جو افزائش نسل کاذریعہ ہے کی اجازت دی گئی ہےحفظ عقل کے پیش نظرنشہ آور اشیاء کی حرمت، شراب نوشی پر سزا وغیرہ احکام تجویزہوئے ہیںحفاظت مال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کسب معاش کی اجازت،چوری اورخیانت کی حرمت،انفرادی ملکیت کاتصور،مال کاقابل ضمان ہونا،سودکی حرمت،احتکار اورسٹہ بازی کی ممانعت کے ساتھ دوسری طرف مختلف انسانی مالی ضروریات کے لیے مختلف معاملات اور ان کے اصول وضوابط طے کیے گئے ہیں۔

اب اس تمہید کے بعد ضرورت کی تعریف (علامه شاطبي کے مطابق) ہم یہ کرسکتے ہیں کہ ’’جو اُمور (خواہ وہ عمومی ضابطے کے لحاظ سے جائز ہوں یاعام حالات میں حرام ہوں) ان مصالح پنج گانہ یا ان میں سے بعض کے حصول کے لیے اس قدر ضروری اور لازمی ہوں کہ ان کے فقدان کی وجہ سے ان مصالح یا ان میں سے بعض کے ضائع ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو تو ایسے امور کو ان مصالح پنجگانہ کے لیے ضرورت قراردیا جائے گا ،نیز اس حالت(مقاصد میں سے کسی بھی مقصد کے فوت ہونے کے اندیشے کی حالت)کو ضرورت کی حالت کہا جائے گا۔‘‘

اب اس مفہوم کے لحاظ سے ضرورت، اضطرار سے وسیع ہو کر ایک مستقل فقہی اصطلاح ہے اوراضطرار اس کی ایک قسم ہے، دونوں میںعموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

آج کے زمانے میں مقاصدِ خمسہ کا زوال :

آج کل مسلمانوں کے حالات اگر باریک بینی سے ملاحظہ کیے جائیں تو دشمنان اسلام کی طرف سے ان مصالح خمسہ میں سے ہرایک کے خلاف باقاعدہ تحریکیں اورسرگرمیاں مسلسل ہر ملک اور عالم اسلام کے طول وعرض میں چل رہی ہیں، خصوصاً میڈیا وار کے ذریعے ان مصالح خمسہ کاقلع قمع کیا جارہا ہے اوربہت سارے مسلمان ان کی غلط تبلیغات سے متاثر ہوکر مرتد ہورہے ہیں،اپنا دین ودنیا خطرے میں ڈال رہے ہیں، اب خرابیٔ حالات کے اس دلدل میں مناسب وسائل کے ساتھ ایسے اقدامات کرنا فقہ اسلامی کی روسے ایک ضرورت ہے

جس سے عمومی طور پر مسلمانوں کے دین،نسل،عقل اورمال وغیرہ کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔ یہ توایک عمومی اُصول ہے اس کی تفصیلات علما کرام مل بیٹھ کرطے کرسکتے ہیں۔

ضرورت کی یہ دوسری (علامہ شلطبي کی) تعریف کئی وجوہ سے مناسب قرار پاتی ہے، ایک تواس میں جامعیت ہے اور پورے دین کی اساسی باتوں کی رعایت وحفاظت پرمشتمل ہے دوسری طرف ضرورتکے لغوی معنیٰ بھی اصطلاحی معنیٰ میں اس وسعت پردلیل ہے،لغت کی کتابوں مثلاً لسان العرب اورتاج العروس میں ضرورت کوحاجت کامترداف قرار دیا گیاہے اورظاہر ہے حاجت صرف حالت اضطرار کو نہیں کہا جاتا، چنانچہ اہل لغت فرماتے ہیں:

والضرورة ويجمع على الضرورات الضرر أيضا: الضيق.[10]

ضرورت کامعنیٰ ہے تنگی میں ہونا اور محتاج ہونا۔

نیز مشہورلغوی ابوالدقیش کے حوالہ سے تاج العروس اورلسان العرب میں ہے کہ ضرورت ضرر سے لیا گیا ہے، لہٰذا اس کی تعریف یہ ہوگی:

كل ماكان من سوء حال وفقرأو شدة في بدن.[11]

کہ انسان کومختلف حالات میں جونقصان،تنگی اورمشقت کاسامنا کرناپڑتاہے اس حالت کوضرورت کہا جائے گا۔

قرآن کی رو سے انسانی طاقت اور وسعت کا مفہوم :

علامہ شلطبي کی تجویز کردہ تعریف کے راجح ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی جن آیات میں یہ بیان کیاگیا ہے کہ شریعت میں حرج کاوجود نہیں اورشرعی احکام حرج کی بجائے آسانی پرمشتمل ہیں، ان میں ایک اللہ تعالیٰ کایہ فرمان بھی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [7: 42]

اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ انسانی وسعت کے بقدر ہی اللہ تعالیٰ کسی انسان کو شرعی احکام کامکلف فرماتے ہیں اب انسانی وسع کامفہوم کیاہے؟امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

إنه ما يقدر الإنسان عليه في حال السعة والسهولة، لا في حال الضيق والشدةوأما أقصى الطاقة فيسمى جهدا لا وسعا.[12]

اس آیت میں لفظوسع کا مطلب یہی ہے کہ جوچیز انسان سہولت کے ساتھ کسی غیر معمولی حرج ومشقت کا شکار ہوئے بغیر عمل میں لا سکے، اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہرحکم پر سو فیصد عمل کرنے میں انسان اپنی آخری ممکنہ طاقت صرف کرے کیوں کہ أقصى الطاقة کو عربی میں جُهد کہا جاتاہے نہ کہ وسعجبکہ اللہ تعالیٰ نے إلا وسعها فرمایا ہے، اِلا جهد ها نہیں فرمایا۔ اس طرح علامہ زمخشری نے بھی کشاف میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں یہ بات فرمائی ہے اورساتھ مثالوں کے ذریعہ اس کو واضح فرمایا ہے کہ دیکھیں انسان دن رات میں پانچ نمازوں سے زیادہ پر قادر ہے،سال میں ایک ماہ سے زائد روزہ رکھنے پرقادر ہے اس طرح جسے استطاعت ہوتو عمرمیں ایک بارسے زیادہ حج کرنے پر قادر ہے،اڑھائی فیصد سے زیادہ زکٰوۃ دینے پر قادر ہے، لیکن اس کے باوجود شریعت نے یہ احکام نہیں دئیے کیوں کہ وہ انسانی طاقت میں اگرچہ داخل ہے لیکنوسع جس کامفہوم ابھی بیان ہو اس کے تحت نہیں آتے۔

---

[10]۔ الحسيني ،محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق ، تاج العروس من جواهر القاموس ، الناشر دار الهداية،جلد12،ص388.

[11]ایضاً،ص384.

[12]۔ الرازي، الامام فخر الدين محمد بن عمر بن الحسين بن الحسن ابن على التيمي البكرى ،التفسير الكبير ،المجلد السابع ، دارلكتب العلمية بيروت،لبنا ن، الطبعة الثانيه 2004م- 1425ھ،ص65.

لفظ ضرورت کا فقہائے کرام کے ہاں استعمال :

علامہ شاطبي کی تجویز کردہ تعریف کے راجح ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ فقہاء کرام نے بھی ضرورت کوصرف اضطرار کی حالت کے لیے استعمال نہیں فرمایا بلکہ اسے نسبتاً عام معنیٰ میں استعمال فرمایا ہےمثلاً صاحب ہدایہ کوہم لیتے ہیں، توانہوں نے ضرورت کبھی تواضطرار (جان یا عضو ضائع ہونے کے خدشے)کے معنیٰ میں استعمال فرمایا ہے مثلاً باب التیمم میں مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر پانی اتنا ٹھنڈا ہوکہ اعضاء مفلوج ہونے کااندیشہ ہو تووہاں ضرورت کی وجہ سے تیمم کی اجازت ہے،لیکن بہت سارے مواقع پر اضطرار کے مرحلے سے کم مراحل میں بھی ضرورت کااستعمال فرمایا ہے مثلاًخنزیر کے بالوں سے گانٹھے ہوئے جوتوں اورموزوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

ويجوز الانتفاع به للخرز للضرورة فإن ذلک العمل لا يتأتى بدونه .[13]

ضرورت کی بناء پرخنزیر کے بالوں کو جوتوں اورموزوں میں سلائی کے لیے استعمال کرنا(جو اس زمانے میں ضرورت کی وجہ سے رائج تھا)جائز ہے۔

اب ظاہر ہے یہاں اضطرار کی کیفیت نہیں اس کے باوجود ضرورت کی اصطلاح کااستعمال ہوا ہے، نیز اس فقہی مسئلے میں ایک بہت اہم اورقابل غوربات یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ نا پاک بال جوتے اور موزے بنانے میں استعمال ہورہے تھے اس زمانے کے بعض حضرات مثلاً امام ابو یوسف اورعلامہ ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے میں ثابت ہے کہ انہوں نے ان جوتوں اورموزوں کے استعمال سے احتراز فرمایا، لیکن عام لوگوں کو فتویٰ دے کر اس سے منع نہیں فرمایا،اس طرز عمل سے دوباتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس زمانے میں بھی ان جوتوں اورموزوں کی ضرورت اس درجہ کی نہیں تھی کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کارہی نہ ہو،کوئی ممکنہ متبادل توموجود تھا جسے یہ حضرات استعمال فرمارہے تھے،لیکن وہ متبادل ایسا ہوگا کہ عام لوگوں کو آسانی سے میسر نہ ہوگا تو اس متبادل کو کالعدم مان کراس کے جوازکا فتویٰ دیاگیا،دوسرا یہ بھی ثابت ہواکہ اولوالعزم لوگوں کی ذاتی احتیاطات اور معیارات کوفتویٰ اورعمومی مسائل کا مدار نہیں بنایا جاسکتا، بلکہ عوام کے لیے شریعت کے احکام اس طرح تجویز ہونے چاہیں جو اِن کے لیے ان کی دیانت اور دینی معیار کے مطابق قابل عمل ہوں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں بہت وضاحت کے ساتھ ذکر فرمائی ہیں۔(شامیہ: کتاب البیوع)

اس طرح صحرائی کنوؤں میں جانوروں کے بول وبراز گر جانے کی صورت میں کنویں کو پاک قرار دینے کے حکم میں بھی صاحب ہدایہ نے ضرورت کا حوالہ دیاہے:

فجعل القليل عفوا للضرورة.[14]

ریشمی کیڑے کے انڈوں کی بیع کوبھی لوگوں کے عرف وتعامل کی بناء پر ضرورۃً جائز قرار دیا ہے،بلکہ یہاں تک کہ انفرادی حاجت کوبھی ایک جگہ ضرورت کے نام سے موسوم کیاہے مثلاً جس خاتون کی عدت طویل ہورہی ہوتواسے طویل عدت سے بچانے کے لیے

---

[13]۔ المرغيناني ،الامام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي،المجلدالخامس، مكتبة البشرى كراتشي باكستان ،2008م،ص105.

[14]۔ المرغيناني ،المجلد الاول ،ص66.

حکم یہ ہوگا کہ اس کو کسی بھی وقت کوئی بھی رطوبت آئے تو اسے ضرورت کی بناء پر (یعنی طولِ عدت سے بچانے کے لیے) حیض قرار دیاجائے گا۔

اب صاحب ہدایہ کی ان چند مثالوں سے (جو ''مشت نمونہ خروارے''کے طور پرپیش کی گئی ہیں)سے دوباتیں ثابت ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ ضرورت کامفہوم اضطرار سے وسیع ہے دوسرا یہ ہے کہ حاجت کے بعض درجات کوبھی ضرورت کہاگیا ہے،فقہاء کے ہاں مذکورہ مسائل اور ان جیسے دوسرے مسائل میں ضرورت کا لفظ استعمال ہونے کومجاز یااصطلاحی تسامح پرمحمول کرنے کی بجائے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ حاجت کے بعض درجات بھی حکم میں ضرورت کی طرح ہیں اوران پر ضرورت کے بعض احکام جاری ہوں گے جیسا کہ آگے الاشباہکے حوالے سے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

حاجت کا شرعی مفہوم :

اب حاجت کی بحث کوہم لیتے ہیں جس میں تین مراحل پیش نظر ہیں:

(۱) حاجت کسے کہتے ہیں؟

(۲) حاجت وضرورت میں فنی لحاظ سے کیا فرق ہے؟

(۳) حاجت کی صورت میں شرعی حکم کیا ہوگا؟اوریہ کہ حاجت کوضرورت کاحکم دیاجاسکتاہے یا نہیں؟

پہلے حاجت کی تعریف کو لیتے ہیں،حاجت کی تعریف میں بھی ضرورت کی طرح دومفہوم سامنے آئے ہیں،جوحضرات ضرورت کواضطرار کامترادف قرار دیتے ہیں ان کے ہاں حاجت کی تعریف بھی محدود ہے چناں چہ علامہ حموی غمزعیون البصائر میں فرماتے ہیں:

والحاجة كلجائع الذى لولم يجد ما يأكله لم يهلک، غيرأنه يكون فى جهد ومشقة، وهذا لا يبيح الحرام، ويبيح الفطر فى الصوم.[15]

اور علامہ سیوطی اورزرکشی نے بھی یہ تعریف ذکرکی ہے جس کاخلاصہ یہ ہے کہ حاجت کاتعلق بھی صرف انسان کی بدنی حرج ومشقت اور غذائی ضرورت کے ساتھ ہے جس میں ہلاکت جان کاخدشہ تونہیں ہوتالیکن جسمانی حرج اورتکلیف پیدا ہوتی ہے۔

جبکہ یہاں ایک دوسری تعریف بھی ہے جوچھٹی صدی ہجری کے مشہور اصولی اور فقیہ علامه شاطبي اوربعد کے محققین میں سے شیخ ابوزہرۃ نے فرمائی ہے اور اسے اسلامی فقہ اکیڈمی ہند نے بھی تجویز کیاہے جس کاخلاصہ یہ ہے کہ ''حاجت انسانی حالت کاوہ درجہ ہے کہ اگر اسے پورانہ کیا جائے تولوگ غیر معمولی تنگی اورحرج محسوس کریں، اور شریعت کے مقاصد خمسہ حفظ دین،نفس،نسل،عقل اورحفظ مال کے حصوں میں مشقت کاسامنا کرنا پڑے،یاان مقاصد خمسہ کوبرقرار رکھنے کے لیے جوحفاظتی تدابیر ضروری ہیں ان میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ پیدا ہوجائے جس سے رفتہ رفتہ ان مقاصد خمسہ کے ضائع ہونے کاخدشہ ہو۔'' (الموافقات: ص۔۱۷)

حاجت کایہ دوسرا مفہوم ہی راجح ہے جس میں جامعیت کے ساتھ ساتھ شریعت کے مزاج یسر وسہولت کی بھر پور ترجمانی بھی پائی جاتی ہے،حاجت کامفہوم واضح ہونے کے بعد اس پرغور کرنا ہے کہ حاجت مفہوم کے لحاظ سے توضرورت سے الگ اوراس سے ادنیٰ درجہ

---

[15]۔ الحموي، أحمد بن محمد الحنفي، غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر،الجزء الثانى ، ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها،ص91،المكتبة الشاملة.

کی چیز ہے لیکن کیا حکم میں دونوں میں فرق ہے؟نیز اگر فرق ہے تو فقہ اور اصول فقہ کے اس قاعدے کا کیا مطلب ہے جو الأشباہ میں مذکور ہے کہ:

الحاجة قد تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة.[16]

کہ شریعت میں حاجت کی حالت کو بھی ضرورت کی حالت کی طرح قرار دیا جاسکتاہے۔

ان سوالوں کااجمالاایک ہی جواب ہے کہ حاجت ایک لحاظ سے ضرورت کے حکم میں ہے اور ایک دوسرے لحاظ سے اس کے حکم میں نہیں ہے، لیکن اس اجمال کی تفصیل میں چارآراء سامنے آئی ہیں،ہم زیادہ تفصیل میں جائے بغیر ان آراء کاتذکرہ کرتے ہوئے اپنے خیال میں راجح رائے کی تعیین کرتے ہیں۔

حاجتکے حکم میں فقہی آراء:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ حاجت کی وجہ سے کسی شرعی حکم کے عمومی ضوابط و کیفیات میں توکمی کی جاسکتی ہے لیکن کوئی حرام اس کی وجہ سے مباح نہیں ہو سکتا، مثلاً مختلف اعذار کی وجہ سے نماز،روزے اورحج وغیرہ کی کیفیات میں کمی بیشی تغییر وتبدیل ہو سکتی ہے، لیکن اس کی وجہ سے منہی عنه (ممنوع اشیاء) کاارتکاب درست نہیں،علامہ حموی کے حوالے سے حاجت کی جوتعریف ہم ذکر کرچکے ہیں اس میں اس بات کی تصریح ہے، لیکن دوسری طرف فقہ اسلامی میں حاجت کی صورتوں سے متعلق رخصتوں کی جو مثالیں ملتی ہیں اس کی روسے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی چناں چہ فقہاء کرام نے حرام اور ممنوع چیزوں سے علاج کی اجازت شخصی حاجت اور بیماری کی وجہ سے دی ہے، اس طرح بعض حالات میں سونے کے اعضاء لگانے کاذکرحدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے حضرت عبدالرحمان بن عوف اورحضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو حضورﷺ نے ایک جلدی بیماری کی صورت میں ریشمی کپڑے کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی تھی نیز عنایه کے مصنف علامہ بابرتی باب الربا میں فرماتے ہیں:

ألا ترىٰ أن الحاجة إذا اشتدت أثرت في إباحة الحرام.[17]

کہ ضرورت کی طرح حاجت شدیدہ سے بھی محرمات میں گنجائش کی صورت بن سکتی ہے۔

ان سب عبارات سے معلوم ہوتاہے کہ حاجت بھی فی الجملہ ممنوعات کے ارتکاب میں گنجائش کا سبب ہے۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ حاجت کی وجہ سے منصوص وصریح حرام تومباح نہیں بن سکتا، البتہ اجتہادی حرام کی اباحت واجازت میں اس کودخل ہوگا،شیخ زرقاء نے المدخل الی الفقه الاسلامی میں اور وہبہ زحیلی نے نظریہ الضروة الشرعية میں اس رائے کے دلائل ذکرفرمائے ہیں،تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے الأشباہ کی ایک عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ وہ کسی فقیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

المشقة والحرج إنما يعتبران في موضع لا نص فيه وأما مع النص بخلافه فلا.[18]

جہاں شریعت میں کسی چیز کے ممنوع ہونے کی تصریح ہو اس میں حاجت کی وجہ سے اجازت نہیں دی جاسکتی۔

---

[16]۔ابن نجیم ، العالم العلامه زین الدین بن ابراهیم ، الاشباه والنظائر فی فقه الحنفی، قدیمی کتب خانه کراچی ،ص93.

[17]- البابرتي، محمد بن محمد، العناية شرح الهداية،باب الربا، الجزء التاسع ،ص296،المكتبة الشاملة.

[18]۔ابن نجیم ،ص85.

لیکن خودالاشباہ میں امام ابویوسف کے حوالے سے اس رائے کی تردید موجود ہے نیز جیسا کہ ذکرہوا علاج کی صورت میں حرام چیزوں کااستعمال،سونے اورریشم کا استعمال، ڈاکٹر کے ہاں بوقت ضرورت کشف عورت کامسئلہ وغیرہ سب منصوص حرام ہیں، لیکن حاجت کی صورت میں ان کی اجازت ہے،یہ سارے مسائل اس رائے کے مطابق درست نہیں بن سکتے،لہٰذا یہ رائے بھی قابل ترجیح معلوم نہیں ہوتی۔

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ حاجت سے حرام قطعی (قطعی الثبوت والدلالہ)کی اجازت تونہیں ہوتی البتہ حرام ظنی(خواہ وہ منصوصی حرام ہویا اجتہادی ہو) کے ارتکاب کی اجازت ہوتی ہے،حضرت مفتی محمدتقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے تحقیقی مقالے ملکیت زمین اوراس کی تحدیدمیں اس رائے کاتذکرہ موجودہے۔

(۴) ہمارے نزدیک جوراجح رائے ہے وہ ان تین آراء سے ہٹ کر چوتھی رائے ہے،وہ یہ کہ حاجت کی وجہ سے حرام لعینہ(بذات خود حرام چیز) کی تواجازت نہیں ہوتی،البتہ حرام لغیرہ(کسی دوسرے ممنوع کا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام شدہ چیز) کی اجازت ہوسکتی ہے، الاشباہ میں لکھا ہے :

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.[19]

کہ حاجت شدیدہ کے وقت سودی قرض لینا جائز ہے۔

اس میں سود دینے کے جواز کی تخریج بھی اس رائے پردرست طرح ہوسکتی ہے کیوں کہ اس صورت میں سود دینے کا عمل پایا جاتاہے اور یہ حرام لغیرہ ہے۔ اس طرح سونے اورریشم کے استعمال کے مسائل وغیرہ بھی اس رائے کے مطابق درست ہوتے ہیں، مزید یہ کہ اس رائے کے پیچھے ایک معقول وجہ بھی موجود ہے وہ یہ کہ جو چیزیں شرعاً حرام لعینہ ہوں توچونکہ ان کی حرمت خود ضرورت کے درجے میں ہوتی ہے۔ یعنی ان کاحرام ہونا خود ضرورت کاتقاضا ہوتاہے توحاجت کے ذریعے اس میں گنجائش دینے کاکوئی جواز نہیں بنتا،البتہ جو چیز یں حرام لغیرہ ہوں توان کا بذاتِ خود حرام ہونا چوں کہ بناء برحاجت ہے نہ کہ بناء برضرورت،لہٰذااس میں موجود حاجت سے بڑے درجہ کی حاجت اگر پیش آئے تو ایسی صورت میں اس کے ارتکاب کی اجازت ہونی چاہیے، اس رائے کی مزید تفصیل ودلائل کے لیے الموسوعۃالفقھیہ الکویتیہ،اصول الفقہ لابی زھرہ اوراسلامی فقہ اکیڈمی ہندکی تجاویز پرمشتمل کتاب،اہم فقہی فیصلے ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مذکورہ تفصیلات سے واضح ہواکہ الحاجۃ قنتنزل منزلۃ الضرورۃ[20] کاقاعدہ اپنی جگہ درست ہے کیوں کہ بعض حالات میں حاجت کوضرورت کاقائم مقام مانا گیا ہے اوران بعض حالات سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز جس کا حاجت کی حالت میں مرتکب ہونا پڑے،حرام لعینہ (بذات خود حرام)نہ ہو۔

حاجت کی تین قسمیں :

نیز یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے جیسا کہ الأشباہ کے قاعدہ میں حاجت عامہ اور خاصہ دونوں کاذکرآیا ہے کہ حاجت کاجومذکورہ حکم ہے وہ حاجت عامہ اورخاصہ دونوں صورتوں میں لاگوہوگا،حاجت عامہ کامفہوم توظاہر ہے کہ عوام الناس سب کے سب یا اکثر اس سے دوچار ہوں،حاجت عامہ کی مثالیں قدیم فقہی ذخیرے میں بہت ساری ہیں مثلاً مزارعت،مساقاۃ،استصناع

---

[19]۔ ابن نجیم ،ص93.

[20]۔ ابن نجیم ،ص93.

وغیرہ کی اجازت اور احتکار واجارہ داری، ذخیرہ اندوزی وغیرہ کی ممانعت حاجت عامہ کی بنیاد پرہی ہے۔

حاجت عامہ کے علاوہ حاجت کی دوقسمیں اورہیں حاجت خاصہ اورحاجت شخصیہ، حاجت خاصہ معاشرے کے کسی ایک طبقہ کی ضرورت کی صورت ہوتی ہے جیسا کہ خاص اہل بخاریٰ کے عرف ومعمول اورمجبوری کی وجہ سے فقہاء کرام نے بیع بالوفاء (بیع کی ایک خاص صورت جو عام قواعد کی رو سے درست نہیں لیکن فقہاء کرام نے استثنائی طور پر اس کی اجازت دی ہے) کی اجازت دی، جس کی فقہی توجیہ میں خودفقہی آراء بہت مختلف رہی ہیں اوربعض فقہاء نے یہاں تک فرمایاہے کہ اس میں عقد صحیح اور عقدفاسد اوردوسری طرف رہن یعنی تینوں کے اثرات پائے جاتے ہیں، نیز دارالحرب (جہاں عملاً جہاد ہورہا ہو)میں غازیوں کے لیے قبل ازتقسیم غنیمت میں سے بعض چیزوں کے استعمال کی اجازت بھی حاجت خاصہ کی رعایت کی ایک صورت ہے۔ تیسری قسم یعنی شخصی اورانفرادی حاجت کی صورت میں ممنوعات کے ارتکاب کی مثالیں بھی بہت ہیں مثلاً بیماری کی صورت میں محرمات کااستعمال،بعض خاص حالات میں مردوں کے لیے سونے اورریشم کا استعمال،دفع ظلم یاشرعی حق وصول کرنے کے لیے رشوت کی ادائیگی، شدید مجبوری میں سودی قرض لینے کاجوازوغیرہ۔ یہ سب حاجت شخصیہ میں ممنوعات کے ارتکاب کی مثالیں ہیں۔

کسی چیز کو ضرورت یا حاجت کا درجہ دینے میں سب لوگوں کا یکساں طور پر مبتلا ہونا لازم نہیں :

دوسرے عنوان پرمنتقل ہونے سے پہلے یہ بات بھی قابل ذکرہے جس کا تذکرہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ الموافقات میں یوں فرماتے ہیں:۔

المشاق تختلف بالقوة والضعف، وبحسب الأحوال، وبحسب قوة العزائم وضعفها، وبحسب الأزمان وبحسب الأعمال.[21]

کہ انسان کی بدنی قوت وضعف کی بناء پر او رمجبوری کے شکار شخص کی دینی حالت کی پختگی وکمزوری کی بناء پر نیززمانہ واعمال کے اعتبار سے یعنی ان مختلف اسباب وحالات کی بناء پر مشقت اورحرج کے پیمانے مختلف لوگوں کے لیے مختلف حالات میں مختلف ہوسکتے ہیں،جس کی بناء پر معاشرے کے مختلف طبقات کے لحاظ سے شرعی احکام کی تجویز میں بھی الگ الگ صورتیں سامنے آسکتی ہیں،لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ ایک چیز مثلاً تاجر برادری کی ضرورت ہو دوسرے لوگوں کی نہ ہو،یاایک چیز شہری لوگوں کی ضرورت ہواوردیہات میں رہنے والوں کی نہ ہو،نیز ایک چیز ملکی سطح پر ادارے سنبھالنے اورکام چلانے میں ضرورت ہواورپرائیوٹ سیکٹر میں ضرورت نہ ہو،ایک چیز ملک کی یعنی سٹیٹ کی ضرورت ہولیکن عام افراد اوراداروں کی ضرورت نہ ہو،یا ادارہ کی سطح پرکام کرنے میں کسی چیز کی ضرورت ہولیکن شخصی طور پرکام کرنے میں اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔اس طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک خاص زمانے میں کسی چیز کی ضرورت نہ ہولیکن زمانہ اورحالات میں تبدیلی آنے کے بعد وہ چیز ضرورت بن جائے۔

ایسے حالات میں ایک مفتی کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ متعلقہ لوگوں،زمانے اورمکان وحالت کامکمل ادراک کرتے ہوئے اور ان سب چیزوں کی رعایت کے ساتھ ہی کوئی فیصلہ

---

[21]۔ الشاطبي، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي، الموافقات، المحقق : أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، الناشر : دار ابن عفان، الطبعة : الطبعة الأولى 1417ھ/ 1997م،الجزء الاول ،ص484.

صادر کرے،یہ قطعاً مناسب نہیں کہ ایک مخصوص ماحول میں رہ کر دنیا ومافیہا سے مستغنی ہوکر کوئی رائے دی جائے۔ایسی رائے دین کے تقاضوں کی ترجمانی کی بجائے لوگوں کودین کے بارے میں مایوسی میں مبتلا کرنے کاسبب بن سکتی ہے۔

آپ علامہ شامی (جنہیں فتویٰ و تحقیق کے میدان میں نمایاں مقام حاصل ہے) کو دیکھیں انہوں نے کتنے سارے مسائل میں قدیم فقہاء کے فرمودات اورآرا کی بجائے متاخرین کے اقوال کے مطابق فتویٰ دیاہے،اس کے بعدشرح المجلہجو معتمد فقہاء کرام کامرتب کردہ ہے، کے طرز عمل کودیکھا جائے اس میں بھی مذکورہ اصول کی بھرپور رعایت رکھی گئی ہے، زمانہ قریب کے فقہاء میں سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوادث الفتاویٰ کامطالعہ کیاجائے توواضح ہو جائے گا کہ انہوں نے بھی لوگوں کوحرج وتنگی سے بچانے کے لیے کبھی مذہب غیر اوربعض صورتوں میں ضعیف اقوال پربھی فتویٰ دیاہے۔

اکابر (دیوبندی علما) کے فتاویٰ میں فقہی وسعت کی مثالیں :

اس سلسلے میں مثالیں توبہت ساری ہیں اختصار کے پیش نظر دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں:

امدادالفتاویٰ تیسری جلد میں ایک سائل پوچھتاہے کہ ایک شخص قصاب کوپیشگی رقم دیتا ہے اوراس کے بدلے مختلف اوقات میں گوشت وصول کرتارہتا ہے اورچارروپے کلو والا گوشت پیشگی ادائیگی کی وجہ سے وہ تین روپے میں لیتا ہے تواس کی گنجائش ہے یانہیں ؟حضرت نے جواب میں فرمایا ہے کہ احناف کے نزدیک تویہ معاملہ کسی طرح درست نہیں، اس لیے کہ سلم میں تاجیل(کم ازکم ایک ماہ مہلت) کی شرط ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی لٰہذا فقہ حنفی کی روسے تویہ قرض جرنفعاً (قرض دینے کا عمل جس میں اضافی نفع حاصل ہورہا ہو)میں شامل اورنا جائز ہے،البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سلم معجل (فروخت کنندہ کو کوئی طے شدہ مہلت دیے بغیر سلم کا معاملہ کرنا)بھی درست ہے،اس بناء پر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذ ہب کے مطابق اس کے جواز کا پرفتویٰ دیتاہوں۔[22]

تیسری جلد میں اسی طرح ایک اور سائل بھی سلم سے متعلق ایک مسئلہ پوچھتاہے کہ ہم پیشگی رقم دے کرگنّا خریدتے ہیں جبکہ مارکیٹ میں اس وقت گنّاموجود نہیں ہوتاتویہ جائز ہے؟حضرت جواب میں فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تویہ عقد درست نہیں اس لیے کہ سلم میں معاملہ طے ہونے کے وقت سے نافذ ہونے کی تاریخ تک خریدی ہوئی چیز کا مارکیٹ میں مسلسل موجود ہونا شرط ہے اور یہ شرط یہاں نہیں پائی جاتی،البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں یہ شرط نہیں، اس لیے سہولت کے خاطر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق فتویٰ دیتاہوں مضاربت فی الحیوا ن (بٹائی پر جانور دینے)کے مسئلے میں حضرت حکیم الامۃ نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق فتویٰ دیاہے۔اورہنڈی کے مسئلے میں فرمایا کہ کاش مجھے کسی بھی مذہب میں سفتجۃ (ایک علاقے یا ملک میں کسی کو رقم بطور قرض دینا اور یہ شرط لگانا کہ کسی اور ملک یا علاقے میں قرض کی ادائیگی کرے، اس قرض دینے کا مقصد یہ ہے کہ رقم کو راستے کے خطرات سے محفوظ بنایا جائے) کے جوازکاقول مل جائے کہ میں اس کے مطابق فتویٰ دوں۔

یہ تومذہب غیر پر فتویٰ کی بہت ساری مثالوں میں سے ایک دومثالیں ہیں،قول ضعیف پرفتویٰ دینے کی مثال بھی ملاحظہ ہوبیع بالوفاء (اس شرط پر جائیداد فروخت کرنا کہ جب

---

[22]۔ تہانوی ، حضرت مولانا اشرف علی ، امداد لفتاویٰ ، (مرتب: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)، جلد ۳ ، مکتبہ دارالعلوم کراچی ،2010ء، ص۲۰۔۲۱

فروخت کنندہ قیمت واپس کرنا چاہے تو خریدار بھی جائیداد واپس کرے گا)میں حنفی مذہب کے مطابق خریدار سے پیشگی طور پر جائیداد کے واپس کرنے کا وعدہ لینے اور اس کے بعدمعاملہ کرنے کی گنجائش نہیں،لیکن حضرت نے ایک جگہ اس کے مطابق بھی بعض صورتوں میں مخصوص ضرورتوں کی بناء پرفتویٰ دیاہے۔[23]

ان مثالوں کے عرض کرنے سے مقصد یہ ہے کہ فقہی دائرہ میں رہتے ہوئے لوگوں کی ضروریات وحاجات کاادارک ایک مفتی کی شرعی ذمہ داری ہے،نیزمفتی کی شایان شان یہی ہے کہ ضرورت وحاجت پائے جانے کی صورت میں حالات کادرست طور پر علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خود اپنے آپ کو اس ضرورت میں مبتلا لوگوں کی جگہ فرض کرکے ہی کوئی رائے قائم کرے، تاکہ درست طور پر یہ اندازہ ہوسکے کہ آیا میں جو مسئلہ بتا رہا ہوں وہ لوگوں کے لیے قابل عمل ہے بھی یا نہیں۔

مذکورہ تفصیلات کے تحت ایک جدید فقہی مسئلے کا تجزیہ :

کافی عرصہ سے اہل افتاء کے درمیان اسلامی بینکنگ کامسئلہ زیر بحث ہے بعض حضرات اسے درست نہیں سمجھتے، یہ ٹھیک ہے ان کی ایک رائے ہے جس کے مطابق وہ عمل کرنے اور فتویٰ دینے کے مجاز ہیں،لیکن اس طرح کے مسائل میں رائے قائم کرنے میں معروضی حقائق اور لوگوں کی واقعی ضروریات کونظر انداز کرنا ایک درست طرزِ عمل نہیں،مثلاً یہ کہنا کہ بینکنگ معاشرے کے تیس فیصد افراد کی ضرورت ہے تواسے ہم کیسے شرعی حاجت یاضرورت کادرجہ دے سکتے ہیں؟یہ بات ہمارے خیال میں قابل غور ہے، کیوں کہ یہ تیس فیصد افراد اگر انسان ہیں اور مسلمان ہیں اوران کی مجبوری بھی ہے تو اس کی کیوں رعایت نہ کی جائے؟اس کی مثال توبالکل ایسی ہے کہ کوئی کہے حج وعمرہ پرجانے کے لیے تصاویر بنوانا معاشرے کے 0.1 فیصد افرادکی ضرورت ہے (کیوں کہ اس سال حج پر جانے والے لوگ ایک لاکھ ساٹھ ہزارہیں جن کا ملک کی مجموعی آبادی میں یہی تناسب بنتا ہے) لہٰذااس کوہم کیوں ضرورت تسلیم کریں اور اس کی وجہ ایک منصوصی حرام (تصویر سازی) کے ارتکاب کی اجازت کیوں دیں؟ظاہر ہے کو ئی بھی مفتی مذکورہ صورت میں ایسا جواب نہیں دے سکتا، نیز فقہائے کرام نے اہل بخاراکے لیے بیع بالوفاء کاجو فتویٰ دیا تھا تو یہ سوچا جائے کہ اہل بخارا پوری مسلم آبادی کے تناسب سے کتنے فیصد لوگ تھے؟ ظاہر ہے پوری امت کی آبادی میں ان کا کوئی قابل ذکر تناسب نہ تھا،لیکن فقہاء کرام نے ان کی ضرورت کوشرعی حاجت کادرجہ دیابلکہ جیسا کہ پہلے ذکرہوا کہ فقہ میں توحاجت شخصیہ کا بھی اعتبار ہے، جب ایساہے تو پورے معاشرے کے تیس فیصد افراد کی حاجت کا اعتبار کیوں نہ ہوگا؟

جن لوگو ں کے پاس فاضل رقم ہے اوربینک کے ذریعے کاروبار چلانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں دیکھ پاتے توبینک ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہوسکتی ہے نہ کہ ہر شہری اوردیہاتی کی ضرورت، نیز بینک سے متعلق کچھ ایسے کام بھی ہیں کہ وہ ملک کی ضرورت ہونے کی وساطت سے معاشرے کے تمام افراد کی ضرورت بھی کہلاسکتے ہیں،لیکن اگریہ معاشرے کے ہر طبقے کی ضرورت نہ بھی ہوتب بھی اس کوبالکلیہ مسترد کرنے کو حالات وحقائق سے چشم پوشی ہی کہا جاسکتاہے۔

اس طرح یہ بات کرنا کہ بینک توپیسے سے پیسہ کمانے اورسودخوری کاایک دہندہ ہے،اس کی کوئی واقعی ضرورت ہی نہیں،ہمارے خیال میں یہ بھی حقیقت پسندانہ بات نہیں، کیوں

---

[23]۔ تھانوی،جلد ۳،ص۱۰۸۔۱۰۹

کہ بینک کے بنیادی مقاصد چارکام ہیں جن میں سے ہر ایک معاشرے کی واقعی ضرورت ہے:
بینک کا ایک کام یہ ہے کہ معاشرے کے ان لوگوں کاجن کے پاس فاضل بچتیں ہیں لیکن محنت نہیں کرسکتے ہیں ان افراد کے ساتھ رابطہ کاکام دے جو محنت تو کرسکتے ہیں لیکن مطلوبہ مالی مقدار ان کے پاس نہیں،یعنی معاشرے کے ان دوقسم لوگوں کے درمیان ''وسیط مالی ''کاکردار اداکرنا بینک کا ایک اہم کام ہے، بینک کایہ کام کہ وہ وساطت مالیہ کی خدمت انجام دیتاہے شرعی نقطہ نظر سے کوئی غیر اہم یا بلا ضرورت نہیں بلکہ کتبِ فقہ میں مضاربت کا فلسفہ مشروعیت یہی بیان فرمایا گیا ہے:

ہدایہ میں ہے:

هي (المضاربة) مشروعة للحاجة إليها، فإن الناس بين غنى بالمال غبي عن التصرف فيه وبين مهتد فى التصرف صفر اليد عنه، فمست الحاجة إلى شرع هذا النوع من التصرف.[24]

وساطت مالیہ کے اس عمل کوصاحبِ ہدایہ نے باقاعدہ شرعی حاجت قرار دے کر مضاربت جیسے عقد(جوضابطہ کے لحاظ سے اجارہ فاسدہ کی طرح نا جائزہونا چاہیے) کی اجازت کی علت قرار دیاہے۔ نیز صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

وبعث رسول اللهﷺ والناس يتعاملونه، فأقرهم عليه وتعاملت به الصحابه.[25]

کہ حضور ﷺ جب مبعوث ہوئے تو پہلے سے یعنی جاہلیت کے دور سے لوگ چوں کہ مضاربت کا عمل ایک ضرورت کی بناء پر کرتے چلے آرہے تھے تو حضور ﷺ نے انہیں ان کے اس معمول پر برقرار رہنے دیا اور محض اس وجہ سے اس کو مسترد نہیں فرمایا کہ یہ تو جاہلیت کے زمانہ کا کاروبار ہے، لہٰذا بینک سے متعلق بھی یہ درست نہ ہوگا کہ یہ چوں کہ غیر مسلموں کی ایجاد ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

بینک کادوسرابڑا مقصد سرمایہ کاتحفظ ہے جوکرنٹ اکاؤنٹ اورلاکرز وغیرہ کی شکل میں ہوتاہے۔اورتیسرا مقصد سرمایہ کا انتظام ہے کہ آپ کومختلف اوقات میں مختلف جگہوں میں مختلف اغراض ومقاصد کے لیے سرمایہ فراہم کرنے یا وصول کرنے کی ضرورت پڑجاتی ہے،یہ ضرورت آپ بینک کے شعبوں کے ذریعے بآسانی پوری کرلیتے ہیں۔جبکہ بینک کاچوتھا بڑا مقصد مختلف سروسزوخدمات فراہم کرنا مثلاً درآمد برآمد میں وکالت وضمانت اورافراط وتفریطِ زرپر کنٹرول وغیرہ۔

بینک کے یہ کام ایسے ہیں جو معاشرے کی حاجت ہیں جب کہ مذکورہ بالا مقاصد اور کاموں میں سے بینک کے ایک کام یعنی ترسیل زرکے لیے ہنڈی کی صورت کے متبادل پیش کرنے کے لیے اکابر بالخصوص حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ نے کتنی محنت اور فکرمندی سے کام لیاجوبینک کے بیسیو ں کاموں میں سے صرف ایک کام ہے،اگر حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ آج حیات ہوتے تووہ ضرور سودی بینکینگ کے متبادل کی حوصلہ افزائی فرماتے، جیسا کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے اکابر نے فرمایا، بلکہ اس کابنیادی طریقہ کاربھی تجویز فرمایا۔

بینک کااصل وجود توان ضروری مقاصد ومصالح کے لیے تھا، لیکن چوں کہ یہ سارا نظام یہودیوں کے ہاتھ میں چلا گیاجن کی خصوصیت قرآن نے یہ بیان فرمائی ہے:

﴿سَمَّٰعُونَ لِلۡكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحۡتِۚ﴾ [۴۲:۵]

---

[24]- المرغيناني، المجلد السادس، ص166.

[25]- المرغيناني، المجلد السادس، ص166.

ترجمہ : کہ کان لگالگا کرجھوٹ سنتے ہیں اورپیٹ بھر بھر کرحرام کھاتے ہیں۔

توانہوں نےاس کوحرام اور سود کے طریقے پرتشکیل دیا،اگربینک سے سود کے عنصر کو ھٹایا جائے توبینک کے منکورہ بالا مقاصد (جوجائز مقاصد ہیں)جائز طریقوں سے بھی پورے ہوسکتے ہیں۔

شریعت میں رخصت کے گیارہ اسباب :

ضرورت و حاجت کی عملی صورتیں بیان کرتے ہوئے فقہائے کرام نے گیارہ صورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، جنہیں اسبابِ رخصت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (اگرچہ بعض مصنفین مثلاً وھبہ زحیلی وغیرہ نے سترہ تک اسباب بیان کیے ہیں) وہ گیارہ اسباب یہ ہیں:

(۱) سفر:

جس کہ وجہ سے قصر کا حکم اورروزہ توڑنے یا نہ رکھنے کی اجازت ہے،مسافرسے اضحیہ کا وجوب اورجمعہ کی فرضیت بھی ساقط ہے۔

(۲) مرض:

جس کی وجہ سے تیمم کرنے،بیٹھ کرنماز پڑھنے،اشارہ سے نماز پڑھنے،رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح حج میں کسی کو نائب بنا کر حج کرنے کی سہولت بھی شریعت نے مریض کو دی ہے۔

(۳) اکراہ:

یعنی وہ حالت جس میں اگر مبتلا انسان وہ عمل نہ کرے تو جان جانے یا معذور ہونے کا قوی خطرہ ہو۔

جس کی تفاصیل کتب فقہ میں معروف ہیں۔ جس کی بعض صورتوں میں زبان سے کفریہ کلمات ادا کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

(۴) نسیان:

یہ اگرچہ حقوق العباد میں عذر نہیں لیکن حقوق اللہ میں عذر ہے۔اس طرح حقوق العباد میں اس کی اپنی تفصیلات ہیں جوکتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۵) جہل اور لاعلمی:

یہ بھی ایک عذرہے حتٰی کہ بعض مقتدر علما امت تو اس کو اعتقادیات میں بھی عذر مانتے ہیں جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص مرتے وقت وصیت کرتا ہے کہ مرنے کے بعد مجھے جلادو۔

فواللہ لئن قدر علي ربي ليعذبني عذابا ما عذبه أحدا.[26]

اگر اللہ تعالیٰ کو میرے اوپر قدرت حاصل ہوجائے تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی کونہ دیا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو توجیہات کی گئی ہیں وہ سب تکلف پر مبنی ہیں اورحدیث کے الفاظ ان پرفٹ بھی نہیں ہوتے، صحیح بات یہ ہے کہ اس

---

[26]- البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار.

شخص کا واقعی خیال یہی تھا جو لفظوں سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی لا علمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہوگا۔

(٦) عسر اور عموم بلویٰ :

عموم بلویٰ کی آسان اور مختصر تعریف یہ ہے کہ یہ وہ ناپسندیدہ حالت یا چیز ہوتی ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور اس سے بچنا مشکل ہوتاہے۔اس کی مثالیں بھی بہت ہیں مثلاًنجاست خفیفہ میں ایک چوتھائی عضوکا اعتبار، معذور کی نجاست کامانع صلٰوۃ نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ عموم بلویٰ سے متعلق ''امدادالاحکام'' میں فرماتے ہیں:

عموم بلویٰ کی وجہ سےکہ خاص و عام ایک ناجائز کام میں مبتلا ہوں، ہر نا جائز کام جائز نہیں ہو جاتابلکہ جس میں بوجہ اختلاف ائمہ کسی درجہ میں جواز کی گنجائش ہو،وہاں عموم بلویٰ کی وجہ سے کسی دوسرے امام کے قول کواختیار کرلیا جاتا ہے۔[27]

(۷) نقص:

یعنی اہلیت وصلاحیت کاکم ہونامثلاًنابالغ،مجنون،عورت اور غلاموں سے متعلق احکام میں کمی اور نرمی اس نقص اور صلاحیتوں میں کمی کی بناء پر ہے۔

(۸)دفاع شرعی:

شریعت میں کسی شخص کی جان،مال اورعزت پرکسی کی طرف سے دراندازی کی صورت میں اپنے دفاع کاحق ہر انسان کوحاصل ہے،لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت کے اصول کو مدنظر رکھا جائے جس کی تفصیلات فقہائے کرام نے ذکر فرمائی ہیں،مثلاًدفاع کی صورت میں سب سے پہلے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ بھاگنے یاظلم کی جگہ سے منتقل ہونے کے ذریعے ظلم سے اپنے آپ کو بچایا جائے،اگر یہ نہ ہوسکے تو دفاع کرتے وقت سب سے پہلے انتہائی اقدام (قتل کا اقدام)نہ کیا جائے بلکہ غیر قاتل آلات،لاٹھی وغیرہ سے مارنے سے کام لیا جائے، ہاں اگر دشمن آپ کوقتل کرنا چاہتا ہے اوراسے قتل کرنے کے علاوہ اس کے دفاع کی صورت نہ ہوتو پھر اسے قتل کرنا بھی جائز ہے۔

نیز دفاع کی صورت میں ایک اہم اصول یہ بھی ہے جو علامہ عز الدین نےقواعد الاحکام‌میں ذکر فرمایا ہے:

قتال الصوال ما داموا مقبلين على الصيال، فإن انكفوا حرم قتلهم وقتالهم.[28]

جب حملہ آور لوگ اقدام کرنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا پیچھا کرنا اورقتل وقتال کرنا حرام قرار پائے گا۔

نیز فقہاء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مال سے دفاع محض جائز ہے واجب نہیں، البتہ جان سے دفاع کو جمہورفقہاء کرام لازم قرار دیتے ہیں جبکہ فقہاء حنابلہ اسے بھی صرف جائز ہی قرار دیتے ہیں۔ فقہاء حنابلہ کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرزِ عمل ہے کہ ان کے چار سو غلام تھے لیکن جب بلوائی آگئے توحضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے

---

[27]۔عثمانی ،حضرت مولانا ظفر احمد صاحب ،امداد الاحکام ، جلد ۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی ،2009ء، کتاب العلم، ص213

[28]۔ عز الدين، أبو محمد، عبد العزيز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن الحسن السلمي الدمشقي، قواعد الأحكام في مصالح الأنام، قاعدة في الجوابر والزواجر، راجعه وعلق عليه: طه عبد الرؤوف سعد، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة، طبعة: جديدة مضبوطة منقحة، 1414ھ،1991 م،الجزء الاول، ص١٨٧.

غلاموں کودفاع سے روک دیا بلکہ یہ فرمایا کہ جواسلحہ نہیں اٹھائے گا وہ آزاد ہےنیز ایک مشہور حدیث جو آخری زمانے کے فتنوں سے متعلق ہے:

فكن عبد الله المقتول ولا تكن عبد الله القاتل.[29]

فتنوں کے زمانے میں قاتل بننے کی بجائے مقتول بننا گوارہ کرو۔

اس حدیث سے بھی یہ حضرات استدلال فرماتے ہیں۔

(۹) مصالح مرسلہ :

یعنی ایسے مفید اقدامات اورامور ومقاصد جن کا ذکر شرعی نصوص میں صراحتاً تو نہ ہو لیکن وہ شریعت کے واضح مقاصد کے ساتھ متصادم بھی نہ ہو ں تو ایسے امور واقدامات بھی شریعت کاحصہ بن جاتے ہیں،کیوں کہ شریعت نام ہے مصالح اور حکمت کے طریقوں کا،چنانچہ صحابہ کرام کے بعض اقدامات مثلاً قرآن کو ایک مصحف کی شکل میں ایک ہی خط اور انداز کتابت میں جمع کرنا،فوجی اورعسکری نظم بنانا، بیت المال کے شعبے بنانا،جیل خانے وغیرہ بنانا یہ سب چیزیں فقہائے کرام کے نزدیک مصالح مرسلہ کے اصول کے تحت شریعت کاحصہ ہیں۔

مصالح مرسلہ کے اصول میں دو باتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں ایک یہ کہ مصلحت کا اعتبار شریعت میں اس وقت ہے جب مصلحت کے حصوں کے لیے اقدامات کے نتیجے میں اس مصلحت کے ساتھ مساوی یا بڑے درجے کامفسدہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ ضروری ہے کہ مصلحت مفسد ے پر غالب ہو،چناں چہ اگر کوئی شخص دنیا سے شراب ختم کرنا کا یہ طریقہ سوچے کہ دنیا سے انگور کی پیداوار ہی ختم کی جائے تو اسے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ آج تک علما امت میں سے کسی نے اس کامشورہ دیاہے،اسی طرح تا ریخ بتاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ابتداء میں بزرگوں کی تعظیم اچھی نیت سے شروع کی تھی کہ عبادت میں یکسوئی اورتوجہ رہے گی، لیکن اس کاجو طر یقہ تجویز کیا گیا کہ ان کی شبیہ اور تصویریں بنا کر عبادت خانوں میں رکھی گئی یہ طریقہ غلط تھا اور بعد میں پوری قوم کے لیے شرک میں مبتلا ہونے کاذریعہ بنا جس کی وجہ سے پوری قوم دنیا وآخرت کی بربادی کاشکار ہوگئی۔

لہٰذا آج مثلاً اگر کوئی شخص سکولوں سے مغربی نظام تعلیم ختم کرنے کا یہ طریقہ سوچھے کہ سکول ہی معاشرے سے ختم کردیے جائیں تو مذکورہ بالا اصول کے تحت یہ طرزِ عمل بھی درست قرار نہیں پائے گا،یا یہ کہا جائے کہ معیشت وتجارت میں شرعی خرابیاں ختم کرنے کا طریقہ ہے کہ تجارتی سر گرمیاں ہی معاشرے سے ختم کی جائے تو یہ طرز عمل بھی درست نہ ہوگا۔

(۱۰) استحسان الضرورۃ :

استحسان کی آسان تعریف علامہ کرخی رحمۃ اللہ نے یہ بیا ن فرمائی ہے:

أنه قطع المسائل عن نظائرها لدليل خاص يقتضي العدول عن الحكم الأول فيه إلى الثاني، سواء كان قياسا أو نصا، يعني أن المجتهد يعدل عن الحكم من مسئلة بما يحكم في نظائرها إن الحكم بخلافه، لوجه يقتضي العدول عنه.[30]

---

[29]۔ المتقي ،علاء الدين علي بن حسام الدين ،كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، حرف الفاء ،الفصل الثالث: في قتل الخوارج وعلاماتهم وذكر الرافضة، الناشر: مؤسسة الرسالةالطبعة: الطبعة الخامسة، 1401ھ/1981م، الجزء الحادی عشر ،ص ۱۵۰.

کسی مسئلہ میں معقول وجوہات کی بناء پر عام قواعد ونظائر سے ہٹ کر الگ حکم تجویز کیا جائے یہ استحسان ہے،پھر اس کی ایک قسماستحسان قیاسیہے دوسری قسماستحسان الضرورۃہے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے،مثلاً غریب لوگوں کے معاشرے میں ایک دوسرے سے روٹی قرض لینے کی صورت پیش آتی رہتی ہے،اس کو فقہائے کرام نے حاجت الناس کی وجہ سے درست قرار دیا،جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخبز والخمير يقترضهن الجيران فيردوا أكثر وأقل، قال: ليس بها بأس إنما هي مرافق بين الناس لا يراد فيها الفضل.[31]

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ پڑوسی ایک دوسرے سے روٹی اور آٹے کا خمیر بطور قرض لینے کے بعد کمی بیشی کے ساتھ واپسی کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟حضور ﷺنے جواب میں فرمایا کہ اس میں اس لیے حرج نہیں کہ یہ لوگوں کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی صورتیں ہیں،اس میں زیادہ وصول کرنے اور نفع کمانے کی نیت نہیں ہو تی۔ (لہٰذ ا یہ سود کے حکم میں نہیں ہوگا)

استحسان ضرورت کے تحت فقہاء کرا م نے کپڑوں میں بیع سلم کی اجازت دی ہے،اس طرح مکیلات وموزونات کے سلسلے میں ائمہ احناف میں مشہور اختلاف ہے،اس میں بعد کے فقہاء نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے، اور ساتھ یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ یہ اگرچہ قول ضعیف ہے لیکن لوگوں کی حاجت عامہ اس کے بغیر پو ری نہیں ہو رہی،لہٰذ ا اس پر فتویٰ دیا جائے گا،چناں چہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ برکوی رحمہ اللہ کے حوالے سے فرمایا ہے:

إنه لاحيلة فيه إلا التمسک بالرواية الضعيفه عن أبى يوسف.[32]

(۱۱) عرف:

ماہر ین شریعت کے ہاں لوگوں میں رائج تعامل اورعرف کا بھی شرعی احکام میں اعتبار ہوتاہے، بشرطیکہ وہ عرف کسی نص قطعی کے خلاف نہ ہو،مثلاًفقہاء نے فرمایا ہے کہ جس شرط فاسد کا بیع میں عرف ہو جائے اس سے بیع فاسد نہ ہوگی اس کے علاوہ شریعت کے ہر باب میں لوگوں کے عرف کو ملحوظ رکھنے کی مثالیں موجودہیں،جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

عرف کے بارے میں فقہائےکرام نے بطور ایک ضابطہ یہ طے فرمایا ہے:

إن التعامل يترک به القياس.[33]

---

[30]۔ الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر، البحر المحيط في أصول الفقه، دار الكتب العلمية بيروت، باب الاستحسان،الطبعة: الأولى، 1414هـ /1994م، الجزء الثامن ،ص۱۰۰۔۱۰۱.

[31]۔ الطيوريات،الجزء الثالث الناشر: مكتبة أضواء السلف، الرياض، الطبعة: الأولى، 1425 هـ - 2004 م ، ص،1172 حديث :۱۰۹۷.

[32]۔شامی ، ابن عابدين ، حاشية ابن عابدين ، مطلب في استقراض الدراهم عددا ،الجزء الخامس، الناشر: دار الفكربيروت، للطباعة والنشر، 1421هـ - 2000م. ص177.

[33]۔ علاء الدين الحصكفي ،محمد بن علي بن محمد الحِصْني ،الدر المختار ، كتاب الشركة ،فرع لو بنى فوقه بيتا للإمام ،الجزء الرابع ، الناشر: دار الفكربيروت ، 1386ھ ص364.

کہ لوگوں کے ہاں کسی چیز کے عام معمول بن جانے کی صورت میں قیاس شرعی اگر اس تعامل سے متصادم ہوتو اس قیاس کے تقاضے پر عمل نہیں ہوگابلکہ عرف کے مطابق عمل ہوگا، نیز صاحب مبسوط فرماتے ہیں:

الثابت بالعرف کالثابت بالنص.[34]

عوام الناس کے عرف میں جو چیز رائج ہو وہ نص شرعی کادرجہ پائے گا۔

حاجت اور ضرورت کی صورت میں مجوزہ رخصتوں کی نوعتیں :

ہم یہاں ایک اور اہم بحث کا بھی اجمالاً تذکرہ کرتے ہیں وہ یہ کہ ضرورت وحاجت کی وجہ سے دی جانے والی رخصتوں کی نوعیتیں کیا ہوسکتی ہیں؟فقہاء کرام نے اس سے بھی تفصیل کے ساتھ بحث فرمائی ہے۔ یہ صورتیں سات میں جمع کی جاسکتی ہیں:

(۱) تخفیف اسقاطمثلاً اعذار کے وقت عبادات کاسقوط مسافر سے اضحیہ کاسقوط وغیرہ۔

(۲) تخفیف تنقیص جیسا کہ سفر میں قصر کی رخصت۔

(۳) تخفیف ابدال جیسا کہ وضو اورغسل کامتبادل تیمم قراردیا گیا، اس طرح عذر کے وقت نماز میں کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اورکفارہ میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیاہے۔

(۴) تخفیف تقدیممثلاً عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کی صورت کی اجازت ہے، اس طرح سال گذرنے سے پہلے زکٰوۃ کی ادائیگی درست اور رمضان میں صدقہ فطرکی پیشگی ادائیگی کرنے کاجواز وغیرہ۔

(۵) تخفیف تاخیرجیسا کے مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کا حکم، مسافر اور مریض کے لیے روزوں اورنمازوں کااپنے وقت سے موخر کرنا وغیرہ۔

(۶) تخفیف ترخیصمثلاًپتھر اورڈھیلوں سے استنجاء کی صورت میں نجاست اگرچہ بالکلیہ زائل نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجودپانی سے استنجاء کیے بغیر نماز درست ہے۔

(۷) تخفیف تغییرجیسا کہ صلوۃ خوف کی صورت میں نماز کے نظم اور طریقہ کار میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں۔

تخفیف کی مذکورہ بالا انواع و اقسام صرف مذکورہ مثالوں کے ساتھ خاص نہیں، ان کے علاوہ ضرورت و حاجت کے دوسرے مواقع میں جاری ہو سکتی ہیں۔

شرعی رخصتوں کے استعمال کے ضوابط :

ضروت وحاجت وغیرہ کی یہ بحث اگرچہ بہت طویل الذیل ہے لیکن اختصار کرتے ہوئے ہم آخر میں ضرورت وحاجت کے استعمل کی شرائط پراس بحث کاخاتمہ کرتے ہیں یہ شرائط تقریباً چھ ہیں:

ایک یہ کہ معتمد اورصاحب بصیرت علما کرام اس حاجت کو مفید رخصت قرار دیں، دوسرا یہ کہ حاجت فوری ہوصرف مستقبل کے تخیلات وخدشات نہ ہوں،تیسرایہ کہ مقصد تک رسائی کاکوئی جائزراستہ نہ ہو، چوتھا یہ کہ رخصت پر عمل بقدرِحاجت وضرورت ہو اس سے زائدنہ ہو، پانچواں یہ کہ اگر ضرورت کی بجائے حاجت کی صورت ہو تو ضروری ہے کہ جس ممنوع کا ارتکاب کیا جارہا ہو وہ حرام لعینہ (بذات خود حرام) نہ ہو،بلکہ حرام لغیرہ (کسی دوسرے

[34] السرخسي،محمد بن أحمد بن أبي سهل، المبسوط، كتاب الأيمان ،باب الكسوة،الجزء العاشر،ص۳۹۲،المكتبة الشاملة.

حرام کا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام ہو) چھٹا یہ کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی صورت میں تلفیق ممنوع کاارتکاب نہ کیا جائے، تلفیق ممنوع کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں مختلف مذاہب کواس طرح جمع کیا جائے کہ وہ مسئلہ کسی بھی مذہب کے مطابق درست نہ بنے۔

أقول قولی ھذا وأستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین وأخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین.

محمد حسین خلیل خیل

استاذ ورفیق دار الافتاء جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

خلاصہ بحث

پہلا باب

مقالہ کے پہلے باب میں قیام پاکستان کی سیاسی و مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا گیا کہ برصغیر میں اسلام کا آغاز کب سے ہوا۔مؤرخین کے مطابق نبی کریم ﷺ کی بعثت کےبعد چند سال کے اندر ہی برصغیر میں اسلام داخل ہو گیا تھا ۔ قائد اعظم کے بقول وہیں سے پاکستان کی بنیاد پڑی۔ چوں کہ ہندوستانی ساحل پر پہلے سے ہی عربوں کی نو آبادیاں قائم تھیں۔اور عرب یہاں تجارت کیا کرتے تھے۔اسی لیے وہ آبادیاں اسلام کی آمد سےتبلیغِ اسلام کا مرکز بن گئیں۔اس کے بعد اس باب میں ایک واقعہ کا حوالہ دیا گیا جو حجاج کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کا سبب بنا۔اور بالآخر محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا اور یہاں پر عربوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور سندھ پر عربوں کی حکومت تقریباً ۲۸۳ سال قائم رہی۔ ان کا دورِ حکومت سنہری تھا۔اس کے بعد سندھ (ہندوستان) پر مقامی مسلم حکمرانوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ ان حکمرانوں میں اکبر، جہانگیر،شاہجہاں اور عالمگیر نمایاں حکمران رہے۔اس کے بعد ہند میں مسلمانوں کی حکمرانی کے بارے میں مختصراً تجزیہ پیش کیا گیا کہ کس طرح ہند میں مسلمانوں کا زوال ہوااور اس کے اسباب کیا تھے۔اس میں ظاہر ہے مسلمانوں کا طرزِ حکمرانی تھا جس میں مسلمان روبہ زوال ہوئے۔ اس دوران شاہ ولی اللہ کی جانب سے اصلاحِ احوال کی کیا کیا کوششیں کی گئی ان کا تجزیہ پیش کیا گیا۔ اس دوران ۱۷۵۷ء میں ایک سازش کے ذریعے انگریزوں نے ہندوستان کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔اور میر جعفر کو بنگال کا نواب بنا دیا۔ اس کے بعد آہستہ

آہستہ انگیریزوں نے پورے ہندوستا ن پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں پورا ہندوستان انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔اس دوران اصلاحِ احوال کے لیے کوششیں جاری رہیں،شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز اور اس کے بعد سید احمد شہید کی ''تحریک شہیدین '' نمایاں کوششیں تھیں،بہرحال ان کاوشوں کو زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔اس صورتِ حال میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے سر سید احمد خان نے مسلمانوں کے لیے علاحدہ وطن کا مطالبہ پیش کیا اور مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا جو دراصل انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ کاوش تھی اور اس کا مقصد مسلمانوں کو علیحدہ وطن کے مطالبے سے دستبرار کرانا تھا۔ چناں چہ مسلما ن زعماء نے جب اس سازش کوبھانپا اور۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ یہ جماعت شروع سے ہی بحرانوں کا شکار رہی۔لیکن ۱۹۳۴ء میں قائد اعظم کی شمولیت سے یہ عوامی جماعت بن کر ابھری۔قائداعظم کو اس طرف راغب کرنے میں علامہ اقبال کا کردار بہت اہم رہا۔نیز علامہ اقبال کے تصور پاکستان کا جائزہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد تحریک ِپاکستان میں نمایاں علما کے کردارکا جائزہ پیش کیا گیا جس میں مولانا مظہر الدین مالک،مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا شرف علی تھانوی، مولانا ظفر احمدتھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا اکرام خان بنگالی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالحمید بدایونی اور مولانا مودودی شامل ہیں۔آخر میں بانی پاکستان کے ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۸ء تک کی مختلف جگہوں میں کی جانے والی تقریروں اور بیانات کے اقتباسات پیش کر کے ان کے نظریہِ پاکستان کا جائزہ پیش کیا گیا،جس کا حاصل یہ ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواہاں تھے جس میں اللہ کے احکام کی عملداری ہو اور ایک ماڈل اسلامی ریاست بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کی جائے۔تا کہ وہ احکام خداوندی کو دورِ حاضر میں قابل عمل ہونے اور دورِ حاضر کے مصائب و مشکلات سے نجات کا ذریعہ سمجھیں۔

دوسرا باب

جب تاریخی طور پر یہ با ت ثابت ہوگئی کہ پاکستان کا قیام اسلامی نظام کےنفاذ کے لیےہوا تو دوسرے باب میں پاکستان کے فقہی مذاہب کا تعارف پیش کیا گیا۔اس ضمن میں سب سے پہلے فقہ اسلامی کے آغاز و ارتقاء کا جائزہ پیش کیا گیا۔ جس میں اولاً عہد رسالتﷺ اور عہدِ صحابہ میں تدوینِ فقہ کا جائزہ لیا گیا۔ ان ادوار میں فقہ اسلامی کی تدوین کیسے ہوئی،فقہا کے مابین اختلاف کن وجوہات کی بنا پر تھے،ان کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد تابعین کے دور میں فقہ کی تدوین کیسے ہوئی،اور ان کے مابین اختلافات کی وجوہات کا جائزہ پیش کیا گیا ،جس کا حاصل یہ ہے

کہ جو وجوہات صحابہ کے مابین اختلافات کی تھیں ،وہی وجوہات تابعین اور اس کے بعد کے فقہاء کے مابین تھیں۔چوں کہ تابعین صحابہِ کرام کے شاگر د رہے۔اور جن صحابہِ کرام سے استفادہ کیا انہی کی آراء اور اسلوبِ اجتہاد کے مطابق فقہ کی تدوین کی۔بعد ازاں اس بات کا جائز ہ پیش کیا گیا کہ باقاعدہ فقہی مذاہب کا ظہور کب سے ہوا،اور اس دوران فقہا کرام نے کن اسالیب پر فقہ کی تدوین کی۔مختلف مذاہب کی ترویج کا عمل کیسے ہوا۔اس کے بعد یہ بات بیان کی گئی کی طریق تخریج اور طریق تتبع حدیث کی کیا اہمیت ہے اور ان کے مابین مطابقت کیوں کر پیدا کی جا سکتی ہے۔بعد ازاں پاکستان میں رائج فقہی مذاہب کا مختصر جائز ہ پیش کیا ،جس میں فقہ حنفی، اہل حدیث اور شیعہ شامل ہیں۔

فقہا کے مابین مختلف مسائل میں اختلاف کے ضمن یہ بات سامنے آئی کہ ان کے درمیان اختلاف ان مضبوط اصولوں کی بنا پر ہے جو صدر اول سے چلے آ رہے ہیں۔اور یہ اختلاف دینِ اسلام کا حسن ہیں اور علم فقہ کی وسعتوں اور زمانے کے ساتھ اس کے امتزاج کا ذریعہ ہیں۔ان میں سے بیشتر کا تعلق فروعی نوعیت کے ساتھ ہے۔ جس میں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔اور بنیادی مسائل میں سے اکثر متفق علیہ ہیں۔ دور حاضر میں ہمارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم متفق علیہ مسائل پر زیادہ توجہ دیں اور دعوت و تبلیغ میں انہی کو موضوع بحث بنائیں۔اور جہاں اختلافی آراء ہوں ان میں ایک دوسرے کا احترام اور وسعت قلبی کا مظاہر ہ کرنا چاہیے۔

جہاں تک پاکستان کے فقہی مذاہب کا تعلق ہے،تو فقہ حنفی اور اہل حدیث کے مابین آئین سازی کے بنیادی اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح اہل تشیع کے ساتھ کچھ بنیادی نوعیت کا اختلاف ضرور ہے لیکن یہ اختلاف اسلامی قانون سازی میں کبھی حائل نہیں ہو گا۔اس کی کئی مثالیں ہمیں اسلاف سے بھی ملتی ہیں۔اور عصر رواں میں شریعتِ اسلامی کی تنفیذ میں ان کے متفقہ لائحہ عمل سے بھی اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے۔

تیسرا باب

پاکستان کے متفرق فقہی مذاہب کے تعارف کے بعد تیسرے باب میں ۲/فروری ۱۹۷۳ء سے ۹/اپریل ۱۹۷۳ء تک آئینِ پاکستان کے لیے بننے والے مسودۂ دستور پر قومی اسمبلی میں ہونے والی مباحث میں متفرق مکاتبِ فکر کے علما کرام کی جانب سے دی جانی والی تجاویز و ترامیم کا جائز ہ پیش کیا ہے۔ ممبران اسمبلی علما کرام کی طرف سے پیش کردہ اہم ترامیم و تجاویزدرج ذیل ہیں :

- اسلام مملکت کا سرکاری مذہب کی دفعہ کاتحفظ
- غلامی اور بیگار کی ممانعت دفعہ ۱۵ میں ملوث عناصر کے لیے سزا

- دستور نظریاتی ہو نہ کہ آمرانہ،معیشت کی بنیاد اسلام ہے نہ کہ سوشلزم دفعہ ۲
- تعلیم کا محکمہ مرکز کے پاس ہو تا کہ فکری یکجہتی ہو،دفعہ ۲۲۷کا تحفظ ضروری ہے صدر حدود و قصاص کی سزا معاف نہیں کر سکتا
- قرار داد مقاصد کو دستور کے قابل عمل حصے میں رکھا جائے
- نظریہ پاکستان مخالف جماعتوں پر پابندی لگائی جائے
- دستور کو ۱۹۵۱ء میں علما کے متفقہ بائیس نکات کے مطابق بنایا جائے
- دستور توڑنے کی سزا دفعہ ۵
- بنیادی حقوق وہ ہیں جو دینِ اسلام نے بتائے ہیں دفعہ۷
- شہریوں کو روزگار کی فراہمی دفعہ۸
- امتناعی نظری بندی دفعہ۹
- انسداد غلامی دفعہ ۱۰
- قرآن و اسلامی تعلیمات کی لازمی تعلیم دفعہ۳۱
- اوقاف،زکوٰۃ اور مساجد اور اسلامی قانون سازی کی ضمانت
- عربی زبان کی ترویج
- قرآن مجید کی اغلاط سے پاک طباعت
- نشہ آور مشروبات کی روک تھام دفعہ ۳۹
- شراب کی روک تھام کے لیے معینہ مدت
- ربٰو (سود) پر پابندی
- صدر مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے دفعہ۴۳
- صدر حدود و قصاص کی سزا کو معاف نہیں کر سکتا دفعہ ۴۸
- حلف کی خلاف ورزی پر صدر کا نااہل ہو جانا
- قومی اسمبلی کے اسپیکر،چیئر مین سینٹ کا مسلمان ہونا دفعہ ۵۲
- ارکانِ اسمبلی کی اہلیت کی شرائط دفعہ ۶۵
- آرڈی ننس قرآن و سنت سے مشروط نافذ کیا جائے دفعہ۹۲
- اردو زبان کو رائج کیا جائے دفعہ ۲۵۱
- متنازعہ مسلم عائلی قوانین کو ختم کیا جائے
- ارکان اسمبلی میں مردوں اور عورتوں کی علاحدہ نشستیں مختص ہوں دفعہ۵۴

یہ وہ نمایاں ترامیم و تجاویز ہیں جو متفرق مکاتب فکر کے علما کی جانب سے ایوان میں پیش کی گئیں۔بیشتر ترمیمات کا تعلق اسلامی دفعات کے حوالے سے ہے۔ہم نے اپنے مقالے کے باب چہارم میں ان میں سے منتخب اسلامی دفعات کا تجزیہ پیش کریں گے جو آئین ِ پاکستان میں موجود ہیں۔اس سے یہ بھی اندازہ ہو ا کہ مسودۂ دستور میں علما کی ترامیم و تجاویز کو کس حد تک منظور کیا گیا ہے ۔بہر حال یہ علما کرام کی

کوششوں کا سنہری باب ہے،اور اس دوران جب کہ حزب اقتدار پارٹی کی کو ئی اسلامی سوچ نہیں تھی ،اس کے باوجود کافی حد تک اسلامی دفعات کو دستور میں جگہ دی گئی۔ اگرچہ ان میں سقم ضرور ہے لیکن ان کا اس حالت میں بھی آئین میں موجود ہونا بلا شبہ انہی علما کرام کا مرہون منت ہے۔اس سلسلے میں مباحث آئین کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ علما کی طرف سے ترامیم پیش کرتے ہوئے تمام دینی جماعتوں سے مشاورت کے بعد متفقہ ترمیم پیش کرنے کے لیے منظم کام میں فقدان پایا گیا،اگر یہ کام منظم کیا جاتا اور مختلف دفعات میں ترامیم دینی جماعتوں کی جانب سے متفقہ طور پر پیش کی جاتیں تو اس سے بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی تھی۔

چوتھا باب

آئین پاکستان کی تدوین میں علما کی کاوشوں کا جائزہ لینے کے بعد چوتھے باب میں آئین پاکستان کی اہم اسلامی دفعات کا تجزیہ پیش کیا گیا۔اس ضمن میں اسلامی دفعات کا موازنہ وتجزیہ ۱۹۵۱ ء میں دینی مسالک کے ۳۱ علما کی طرف سے پیش کردہ ۲۲نکات،۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے دستوری مسودے پر متفقہ ترامیم و تجاویز،۱۹۵٦ءاور ۱۹٦۲ء کے دساتیر اور ۲۰۱۱ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے پیش کردہ ۱۵ متفقہ نکات کے ساتھ موازنہ پیش کیا گیا۔اس کے بعد آئین پاکستان میں ہونے والی اہم اسلامی ترامیم کا جائزہ پیش کیا گیا۔ جس میں مسلمان کی تعریف، وفاقی شرعی عدالت، شریعت اپیلیٹ بنچ اور عہدوں کے حلوف نمایاں ہیں۔مزید ۱۹۷۳ء سے اب تک ملک کو اسلامائز کرنے کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کا اجمالی جائزہ لیا گیا، جن میں نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء، نویں ترمیم ۱۹۸۵ء ، نفاذ شریعت آرڈیننس۱۹۸۸ء، شریعت بل ۱۹۹۱ء، پندرھویں ترمیم ایکٹ ۱۹۹۸ء نمایاں ہیں۔آخر میں بطورِ مثال اسلامی دفعات کی مؤثریت کے حوالے سے،انسدادِ ربٰو(سود) کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل ،وفاقی شرعی عدالت ، شریعت اپیلٹ بنچ اور حکومت کے کردار کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا جس سے ان اداروں کی مؤثریت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کا حاصل یہی ہے کہ مختلف ادوار میں آئین ِ پاکستان میں اسلامی دفعات شامل کرنے میں مقتدر حکمرانوں نے اپنے لیے چور دروازےرکھے ہو ئے ہیں۔خاص طور پر انسدار ربٰو(سود) کے حوالے سے جس طرح کی سفارشات اور فیصلے ان اداروں کی جانب سے کیے گئے بلاشبہ وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔لیکن حکومت نے آئین کی ان دفعات کے سقم سے فائدہ اٹھاتے ہو ئے اس معاملہ کو ابھی تک لٹکا کر رکھا ہوا ہے۔بلاشبہ اگر اسلامی دفعات کے ان سقم کو دور کر لیا جائے تو اسلامائزیشن کے حوالےسے اس کے دیر پا نتائج مرتب ہوں گے۔

پانچواں باب

اس باب کے آغاز میں آئین و قانون کے مابین فرق واضح کیا گیا ہے ۔نیز یہ بتایا گیا کہ ہم نےمقالہ میں قانون کے دونوں گوشوں دستور اور ملکی قوانین کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس دوران بحث کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا گیا:

- قیام پاکستان سے اب تک دستور و قانون سازی میں ان مکاتب فکر کا کیا کردار رہا ۔
- قرارداد مقاصد کی منظوری ۔
- ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علما کے ۲۲ متفقہ اسلامی ریاست کے رہنمائے اصول ۔
- ۱۹۵۳ء میں انہی علما کی طرف سے دستورساز کمیٹی کی رپورٹ میں اصلاحات و ترمیمات پیش کرنا۔
- ۱۹۷۰ء میں ۱۱۸ علما کی طرف سے متفقہ ۲۲نکاتی معاشی اصلاحات کا پیش کرنا ۔
- قادیانی گروہ کی تکفیر میں متفرق مکاتب فکر کی کاوشوں کا جائزہ
- ۱۹۸۳ ءمیں اسلامی نظریاتی کونسل میں متفرق مکاتب فکر کے علما کی جانب سے ۱۹نکاتی رہنما اصول جو اسلامی حکومت میں دستور سازی کے لیے پیش کیے۔
- ۱۹۹۵ میں ملی یکجہتی کونسل کی جانب سے متفقہ ۱۷نکات ۔
- ۲۰۱۱ء میں متفرق مکاتب فکر کی جا نب سے ۱۹۵۱ء کے ۲۲نکات کی توثیق اور انہی کی تشریح پر مشتمل ۱۵ متفقہ نکات ۔
- ۲۰۱۳ء میں ملی مجلس شرعی کی جانب سے ''دینی مسالک میں تقارب اور رواداری کا فروغ'' کے لیے ۲۳ علما کے ۱۸ نکات پر اتفاق کیا گیا۔ جس سے واضح ہو ا کہ پاکستان کے مکاتب فکر کے مابین اختلافات کسی موقع پر بھی اسلامی دستورو قانون سازی میں رکاوٹ نہیں بنے۔

اس کے بعد ''اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت ''اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا سوالنامہ اور موصول ہونے والے مقالات اور ان کے تجزیے کے نتیجے میں سات متفقہ نکات پیش کیے گئے۔ اور چند مقالہ نگاروں کی آراء کے اقتباسات بھی پیش کیے گئے۔اس کی فصل دوم میں نتائج البحث پیش کیے گئے جس میں فقہی اختلافات کا حل اور اسلامی قانون سازی کے حوالے سے متفرق اداروں کے لیے مجوزہ کردار پیش کیا گیا۔ان اداروں میں حکومت ، عوام الناس، ممبران اسمبلی علما، علمائے مدارس دینیہ شامل ہیں۔اس دوران ایک فقہ اکیڈمی کا تصور اور اس کے خدوخال پیش کیے گئے جو اس وقت اداروں کی خلا کو پر کر سکتا ہے۔ بعد ازاں پاکستان میں اسلامی قوانین کے منہج پر روشنی ڈالی گئی اور اس سلسلے میں مختلف اہل علم کی آراء کا جائزہ لیا گیا۔اس کے بعد مشترکہ فقہی مسائل کی قانون سازی کا مجوزہ حل چند

مثالوں کے ذریعے پیش کیا گیا اس ضمن میں شخصی قوانین سے متعلق نکاح (الفاظِ نکاح اور اختلافِ فقہاء کا جائزہ، زوجۃ المفقود کے احکام اور اختلافِ فقہاء کا جائزہ، شوہر کی عدم رضا پر اگر قاضی نکاح فسخ کردے تو کیا وہ فیصلہ نافذہوجائے گا یا نہیں؟)مثالوں کے ذریعے متفرق فقہا کی آراء کا تجزیہ پیش کیا گیا،اور عصر حاضر میں شخصی قوانین کی تشکیل کی مجوزہ صورتوں کا تجزیہ پاکستان کے عائلی قوانین کی روشنی میں پیش کیا گیا۔اس کے بعد ملکی قوانین سے متعلق حدود(حدود کی تعریف، اقسام ِ حدود،حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، اقرار سے رجوع حد کو ساقط کر دیتا ہے،رجم کی سزا، قتل عمد میں کفارہ ہے یا نہیں؟) مثالوں کے ذریعے متفرق مذاہب کی آراء و افکار کا تجزیہ پیش کیا گیا۔اس ضمن میں پاکستان کے قوانینِ حدود کے ساتھ موازنہ اور اصلاحات کے لیے تجاویز پیش کی گئیں۔بعد ازاں مالیاتی و تجارتی قوانین کے سلسلے میں بیع سلم اوروعد ملزم کو بطور مثال لے کر مالیاتی و تجارتی قوانین کے سلسلے میں متفرق فقہی مذاہب کی آراء کا تجزیہ اور عصر رواں میں مالیاتی و تجارتی قوانین کا مجوزہ خاکہ پیش کیا گیا ۔ آخر میں ضرورت و حاجت اور دفع حرج کے عنوان کے تحت خصوصاً مالیاتی قوانین کے سلسلے میں یسر(آسانی) پیدا کرنے کی تجاویز اسلامی بنکنگ اور امور اطاعت پر معاوضہ کی مثالوں سے پیش کی گئیں۔

آخر میں دستور پاکستان کے حوالے سے چند ترمیمی سفارشات پیش کی گئیں جو بنیادی طورپر پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ اور آئین ِپاکستان کی دفعات کے تجزیہ کے ضمن میں بعض سقم کے مجوزہ حل کے طور پر سامنے آئیں۔ اللہ تعالیٰ اس مساعی کو قبول فرمائے۔ اور پاکستان میں نفاذ ِ اسلام کی رکاوٹوں کو دور فرمائے۔امین !

religious scholars. The structure and features of a suggested Fiqh academy have also been presented.

After this, the patterns adopted for the Islamic laws in Pakistan have been discussed, taking into view opinions of various scholars.

A solution to the legislation of Fiqh-based issues has been highlighted with the help of examples. Some of the issues discussed in this context include Nikah, words for Nikah, Sharia ruling for the wife of a missing man, and Sharia status of the cancellation of Nikah by the judge despite disagreement by the husband. Suggestion legislation of personal issues has also been analyzed in the light of the family laws already existing in Pakistan. Then, punishments for going against the state laws (including definition of Hadd, its types, Shubah nullifying a Hadd, Nullification of Hadd by taking back one's words, rajam (stoning a fornicator to death) Shariah status of Kaffarah in Qatal Amad (murder) have been illustrated with examples and analyzed in the light of various schools of Fiqh. Suggestions for improvement and compliance of the laws of Pakistan with Hudood have also been given.

After this, Bai Salam and compulsory promise have been discussed to analyze the rulings propounded by various schools of Fiqh with regards to finance and trade. An outline of the Islamization of commercial and financial laws as required in the modern era has also been presented.

The Islamic laws "Az-Zaroorah" "Al- Haajah" and "Daf-ul-Haraj" have been briefly discussed with a view to find out some relaxation, especially in the financial laws. In this regard, Islamic banking and taking salary against act of worship have been quoted as examples of relaxation.

At the end, some amendments to be made in the constitution of Pakistan have been recommended. These amendments have emerged as a result of an analysis of the constitutional history of Pakistan and the various clauses of the constitution.

May Allay accept this humble effort and remove the hindrances to the implementation of Islamic laws in Pakistan, Ameen!

Chapter 5

In the beginning, the difference between constitution and law has been highlighted, encompassing the two in the thesis. The discussion leads to the following aspects:

- Role of various schools of Fiqh in legislation since the emergence of Pakistan;
- Approval of the Objectives Resolution;
- 22 guidelines for an Islamic state presented by 31 religious scholars in 1951;
- Amendments recommended by the same scholars in the constitution committee;
- 22 economic reforms presented by 118 religious scholars in 1970;
- Overview of efforts by various schools of thought for the refutation (Takfeer) of Qadiani group.
- 19 guidelines for legislation in an Islamic state presented in 1983 by religious scholars of various schools of thought at the forum of the Islamic Ideology Council;
- 17 points presented in 1995 by Milli Yakjehti Council;
- Endorsement of the 22 points presented in 1951 and the 15 points containing the interpretation of the former forwarded by scholars of various schools of Fiqh in 2011;
- 18 points presented by 23 scholars and agreed to by Milli Majlis Sharee in 2013 for promoting coordination and tolerance between all the Islamic schools of Fiqh. It shows that the differences between these schools of Fiqh existing in Pakistan have never been a hindrance to the Islamization of the constitution and the laws.

Thereafter, a book titled “The Shariah Status of the Differences among the Islamic Jurists’, a questionnaire from the Islamic Fiqh Academy (India), papers received by this

academy, and the 07 points deduced from these papers have been discussed. Excerpts from some of these papers have also been quoted.

Conclusion of the discussion presents a solution to the differences among schools of Fiqh and a suggested role to be played by various bodies in the Islamization of laws. These bodies include the government, community, members of the parliament, and

- Claus 54: Separate seats be allocated to male and female MPs;

These are the most prominent suggestions presented by religious scholars in the legislative bodies. Most of them are related to Islamic clauses. In chapter 4 of the thesis, an analysis of the selected Islamic clauses present in the constitution will be discussed. It will show how many amendments suggested by religious scholars have been incorporated into the constitution. Despite some flaws, inclusion of the Islamic clauses was indeed a great achievement of religious scholars at a time when the ruling party was not so much inclined to the islamization of the constitution and laws. However, had there been a consensus and unanimity among the scholars in the formulation of these amendments, better results would have been achieved.

Chapter 4

This chapter presents an analysis of the most important Islamic clauses of the constitution of Pakistan. These clauses have also been compared with the famous 22 points presented by 31 scholars of all the schools of thought in 1951, unanimous amendments presented by the same scholars in 1953, constitution of 1956, constitution of 1962, and the 15 points presented by Mili Majlis Sharee in 2011.

Then, the most prominent Islamic amendments in the constitution have been discussed. These include the definition of a Muslim, Federal Sharia Court, Sharia Appellate Bench and oaths for various designations. Moreover, the efforts for the Islamization carried on since 1973 have been briefly discussed. These include Nifaz Shariah Act 1990, Ninth Amendment 1985, Nifaz Sharia Ordinance 1988, Sharia Bill 1991, and 15th Amendment Act 1998.

At the end, with a view to assess the effectiveness of the Islamic clauses, the role played by the Islamic Ideology Council, Federal Sharia Court, Sharia Appellate Bench,

and the government has been briefly discussed. It shows that the ruling governments have been using loopholes in the constitution and have been reluctant in implementing these Islamic clauses. For example, recommendations and decisions aimed abolishing Riba are marvelous, but the governments have not implemented them truly so far. So, if the loopholes are removed, it will have a lasting impact on the Islamization of the constitution and laws.

- Education should be controlled by the federal government so as to promote unity of thought;
- Clause No. 227 should be protected;
- The head of the state cannot forgive the punishment given in Hudood and Qisaas;
- The Objectives Resolution (Qaradad-e Maqaasid) should be part of the applicable section of the constitution;
- Parties hostile to the Ideology of Pakistan should be banned;
- The Constitution should be devised in the light of the 22 suggestions unanimously put forward by the religious scholars;
- Clause no. 5 which declares punishment for the breach of this constitution;
- Clause 07 which declares that the fundamental rights are those given by Islam;
- Clause 08 which emphasizes giving employment to the citizens;
- Clause 9 which prohibits detention;
- Clause 10 which prohibits slavery;
- Clause 31: Compulsory education of the Holy Quran and Islamic studies;
- protection of Auqaf, Zakat, Mosques;
- Islamization of laws;
- promotion of Arabic;
- error-proof publication of the Holy Quran;
- prohibition of intoxicating drinks, and deadline for completely abolishing wine from the country;
- Clause 44: it is a condition for the president to be a Muslim male;
- Clause 48: The president cannot forgive the punishment as a Qisaas;
- President's being ineligible due to non-obsrvance of the oath;

- Clause 52: the speaker of the national Assembly and the chairman of the senate must be Muslims;
- Clause 65: eligibility criteria for MPs;
- Clause 92: Ordinance must be in compliance with the Quran and Sunnah;
- Clause 251: Urdu should be promotes as an official language;
- Disputed family laws should be called null and void; and

methods of deduction, ways to scrutinize a hadith, ways to reconcile the two different opinions, and so on. Thereafter, the schools of Fiqh existing in Pakistan have been discussed briefly. They include Hanafi Fiqh, Ahl-ul Hadith, and Shias.

Difference of opinion among the Jurists, it is proved, is based on rules existing since the very initial stages of the evolution of Fiqh. This difference of opinion reflects the beauty of the Islamic Shariah, the depth of the Islamic Fiqh and the compatibility of the Islamic Shariah with the demands of changing eras. Most of the differences are related to minor details _ not the fundamentals _ mostly reflecting what is better and what not. Most of the fundamentals are unanimously agreed upon. In the present age, we should focus on the agreed upon teachings and to preach them, and in case of controversies, we should respect our opponents and be broad-minded.

So far as the approach of schools of Fiqh existing in Pakistan towards constitution and legislation are concerned, there is no fundamental difference between the Hanafi Fiqh and Ahl-ul Hadith. But there is some difference with the Shias. However, this difference has never been a hindrance to the Islamization of laws in the country. We find some examples of this phenomenon in the classical jurists as well.

Chapter 3

In this chapter, the constitutional amendments presented by the religious scholars of various schools of Fiqh during the Assembly sessions that took place between February 02, 1973 and April 09, 1973 have been analyzed. Special focus has been on the following:

- the clause declaring Islam to be the state and official religion of Pakistan should be protected from any amendment;

- Slavery and forced labor should be prohibited;
- Those found guilty against the clause no.15 should be punished as recommended;
- The constitution should be ideological and not dictatorial;
- The economic system should be Islamic and not socialistic;

to face various crises. But in 1934, when the Quaid –e- Azam joined it, it emerged as a popular party. It was Allama Iqbal who played an important role in convincing the Quaid to join the league.

The idea of Pakistan put forward by Allama Iqbal has also been analyzed in the chapter. The role played by the Muslim religious scholars in the Pakistan Movement has also been discussed. The most prominent among such scholars were Molana Mazharuddin Malik, Molana Shabeer Ahmad Usmani, Molana Ashraf Ali Thanvi, Molana Zafar Ahmad Ansari, Mufti Muhammad Shafee, Molana Ikram Khan Bengali, Molana Ahmad Raza Khan Brailvi, Molana Naeem Uddin Muradabadi, Molana Azad Subhani, Molana Abdul Hamid Badauni, and Molana Abul Ala Maududi.

At the end, an analysis of the ideology of Pakistan has been presented in the light of the excerpts taken from various speeches and statements made by the Quaid during 1938 and 1948. It shows that the Quaid wanted to make Pakistan an Islamic state governed by the teachings of Allah Taala. He wanted to make it a model Islamic state to convince others to realize that the commandments of Allah are practicable and are a means of salvation from hurdles and hardships.

Chapter 2

Given the fact that historically Pakistan came into being for the implementation of the Islamic system, the 2nd chapter introduces the schools of Fiqh prevailing in Pakistan. The origin and evolution of the Islamic Fiqh has been analyzed, with its compilation in the days of the Holy prophet and the Sahabah being on the top of the list. This analysis also includes methods of compiling Fiqh, reasons for the controversies among the Fiqh jurists, etc.

Thereafter, the discussion revolves around the evolution of Fiqh in the days Taabeen and the controversies among them. We come to know that the very reasons

that caused the difference of opinion among the Sahabah were also responsible for the same among the Taabeen and their successors. The reason for this similarity is that the taabeen were the pupils of Sahabah, and hence each followed his teachers in the field.

After this, the emergence of regular schools of Fiqh has been analyzed, including the methods followed by the Fiqh jurists, expansion of the schools of Fiqh, importance of

Summary

Chapter 1

This chapter focuses on an analysis of the political and religious history of the Indo-Pak subcontinent which led to the emergence of Pakistan. It deals with the advent of Islam in the area. According to the historians, Islam reached this land within a few years of the Holy Prophet's declaration of his prophet hood. It was, according the Quaid-e-Azam, the very foundation of Pakistan. The Arabs had already settled in the coastal areas for trade. Hence, these regions soon became preaching centers of Islam.

The discussion is followed by an incident which served as a cause for Hajjaj Bin Yusuf's attack on India and its conquest by Muhammad Bin Qasim, resulting in the establishment of an Arab government in the region. This Arab rule continued for about 283 years. It was indeed a golden era, which was followed by the reign of the local Muslim rulers, Akbar, Jehangir, Shah Jahan, and Alamgir being the most prominent.

After this, the chapter presents an analysis of the Muslim rule in India and reasons for its decline. It was indeed the way the rulers opted to run their government which served as the main reason for this heavy loss.

Efforts to reform this alarming situation done by Shah Wali Ullah have also been analyzed in this chapter. In 1757, the English took control of India through conspiracies and put Mir Jafar as the head of Bengal. Thereafter, they continued occupying other parts of the country and soon took control of the whole India. Efforts for reformation also continued side by side, and the most prominent was "Tahreek Shaheedain" led by Shah Abdul Aziz and then by Syed Ahmad Shaheed. However, these efforts could not yield the required results. Under this critical situation, Sir Syed Ahmad Khan was the first Muslim leader to demand a separate homeland for the Muslims. He also asked the Muslims to get modern education.

کتابیات/مصاد ر و مراجع

عربی کتب

القرآن الكريم

1. ابن رشد،أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد القرطبي، بداية المجتهد ونهاية المقتصد دار الحديث القاهرة، 1425ھ/2004م،الجزء الرابع، كتاب الديات في النفوس.
2. ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، إعلام الموقعين عن رب العالمين، دراسة وتحقيق: طه عبد الرؤوف سعد، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية، مصر، القاهرة1388ھ/1968م، الجزء الثالث.
3. ابن نجيم، العالم العلامه زين الدين بن ابراهيم، الأشباه والنظائر في فقه الحنفي، قديمی کتب خانه کراچی.
4. البابرتي، محمد بن محمد، العناية شرح الهداية،باب الربا، الجزء التاسع،المكتبة الشاملة.
5. البخاري،محمدبن سماعيل بن إبراهيم بن المغيرة، أبو عبد الله، صحيح البخاري،مطبوعه: الطاف اینڈ سنز،كراتشي باكستان،الجز الثالث،٢٠٠٨ء.
6. البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة،أبو عبد الله، صحيح البخاري،مطبوعه : الطاف اینڈ سنز،كراتشي باكستان، الجز الرابع ،٢٠٠٨ء.
7. أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السجستاني، سنن أبي داود، كتاب الصوم،باب من رأى عليه القضاء،دارالسلام للنشروالتوزيع،الرياض،الطبعةالأولىٰ 1420ھـ1999م.
8. الترمذي،أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك،سنن ترمذی، الطاف اینڈ سنز، کراتشی باکستان،2009ء، الجزء الاول.
9. الجزيری، عبدالرحمن، الفقه على مذاهب الأربعة، الجزء الخامس، المكتبة العصرية،بيروت، ٢٠١٠م.
10. الحداد اليمنى، الامام العلام شيخ الاسلام أبي بكرعلي بن محمد،الجوهرة النيرة، الجز ء الاول، قديمی کتب خانه كراتشي.
11. الحسيني،محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق، تاج العروس من جواهر القاموس، الناشر دار الهداية،جلد12.
12. الحموي، أحمد بن محمد الحنفي، غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر،الجزء الثاني، ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها، المكتبة الشاملة.
13. حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد،مسند الإ مام أحمد بن حنبل،الناشر : مؤسسة الرسالة،الطبعة : الثانية 1420ھ/ 1999م.
14. الدارقطني، علي بن عمر أبو الحسن،سنن الدارقطني، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان، الطبعة: الأولى، 1424ھ/2004 م،الجز ء الأول
15. الدارقطني، علي بن عمر أبو الحسن،سنن الدارقطني، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان، الطبعة: الأولى، 1424ھ/2004 م،الجز ء الرابع
16. الدهلوى، ولى الله،الانصاف فى بيان اسباب الاختلاف،الطبعة الثالثه1406ھ/ 1986م،دارا لنفائس،بيروت
17. الذهبي،أبو عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان ، الحافظ،الإمام،مناقب الإمام ابي حنيفة و صاحبيه أبي يوسف و محمد بن الحسن،لجنة إحيا ء المعارف النعمانية بحيدر آباد الدكن بالهند.

18. الرازي، الإمام فخر الدين محمد بن عمر بن الحسين بن الحسن ابن على التيمي البكرى،التفسير الكبير،المجلد السابع، دارلكتب العلمية بيروت-لبنا ن، الطبعة الثانيه 2004م-1425ھ.
19. الزحيلي،الأستاذ، الدكتور،وهبة، الفقه الإسلامي و أدلته،مكتبه رشيديه سركى روڈ-كوئٹه،بلوچستان،الجزء التاسع.
20. الزحيلى،وهبة،الدكتور، أصول الفقه الإسلامي،جلد أول، كتب خانه رشيديه پشاور.
21. الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر، البحر المحيط في أصول الفقه، دار الكتب العلمية بيروت،الطبعة: الأولى، 1414ھ /1994م، الجزء الثامن.
22. الزركشي،محمد بن بهادر بن عبد الله،المنثور في القواعد، الناشر: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت الطبعة الثانية، 1405، تحقيق : د. تيسير فائق أحمد محمود،الجزء الثانى.
23. زيدان، الدكتور،عبدالكريم، الوجيز فى شرح الواعد الفقهية فى الشريعة الاسلامية،مؤسسة الرسالة ناشرون، بيروت-لبنان، ٢٠٠٣م.
24. السرخسي، شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل، المبسوط للسرخسي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 1421ھ/ 2000م،الجزء السابع والعشرون.
25. السرخسي،محمد بن أحمد بن أبي سهل، المبسوط، كتاب الأيمان،باب الكسوة،الجزء العاشر،المكتبة الشاملة.
26. الشاطبي، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي، الموافقات، المحقق : أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، الناشر : دار ابن عفان، الطبعة الأولى 1417ھ/ 1997م،الجزء الاول.
27. الشافعي، أبو الحسين يحيى بن أبي الخير بن سالم العمراني اليمني، البيان في مذهب الإمام الشافعي، دار المنهاج جدة،الطبعة: الأولى، 1421 ھ/2000 م، كتاب النفقات، باب الإعسار بالنفقة واختلاف الزوجين فيها،جلد ١١.
28. شامي،ابن عابدين،العلامه المحقق المدقق السيد محمد أمين آفندى،مجموعه رسائل ابن عابدين،الجزء الثاني.
29. شامى،ابن عابدين،العلامه المحقق المدقق السيد محمد أمين آفندى ،حاشية ابن عابدين، الجزء الأول، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. بيروت. 1421ھ /2000م.
30. شامي،ابن عابدين،العلامه المحقق المدقق السيد محمد امين افندى، حاشيه ابن عابدين، الجزء الثالث، الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. بيروت. 1421ھ /2000م.
31. شامي،ابن عابدين،حاشية ابن عابدين،مطلب في استقراض الدراهم عددا،الجزء الخامس،الناشر دار الفكربيروت، للطباعة والنشر، 1421ھ/2000م.
32. الشحود، علي بن نايف،موسوعة الرد على المذاهب الفكرية المعاصرة، الباب الثامن والعشرون، الحروب الصليبية على العراق ،المكتبة الشاملة.
33. الصالحي، علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي،الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام أحمد بن حنبل، دار إحياء التراث العربي بيروت – لبنان، الطبعة الأولى 1419ھ،كتاب الديات،باب كفارة القتل،جلد ١٠.
34. الطبراني،حافظ أبي القاسم سليمان بن أحمد،المعجم الكبيرللطبراني، باب الصاد، صدي بن العجلان أبو أمامة الباهلي نزل الشام ومات بها ومن أخباره،مكتبة العلوم والحكم ، الموصل، الطبعة الثانية، 1404 ھ/1983م،تحقيق : حمدي بن عبدالمجيد السلفي،جلد8.
35. الطيوريات،الجزء الثالث الناشر: مكتبة أضواء السلف، الرياض، الطبعة: الأولى، 1425 ھ/2004م.
36. العثماني، محمد تقي، تكملة فتح الملهم، مكتبه دارالعلوم كراتشي،الجزء الأول.
37. العثماني، محمد تقي، تكملة فتح الملهم، مكتبه دارالعلوم كراتشي، الجز ء الثاني.
38. عز الدين، أبو محمد، عبد العزيز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن الحسن السلمي الدمشقي، قواعد الأحكام في مصالح الأنام، قاعدة في الجوابر والزواجر، راجعه وعلق عليه: طه عبد الرؤوف سعد، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية،القاهرة، طبعة: جديدة مضبوطة منقحة، 1414ھ/ 1991 م،الجزء الأول.
39. العسقلاني،للامام الحافظ شيخ الاسلام شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر، تهذيب التهذيب، الطبعة الاولى 1404ھ/1984 م، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع،جزء١٠.
40. علاء الدين البخاري، عبد العزيز بن أحمد بن محمد، كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي، دار الكتب العلمية –بيروت، الطبعة الأولى 1418ھ/1997م،جلد٣.
41. علاء الدين الحصكفي ،محمد بن علي بن محمد الحِصْني،الدر المختار، كتاب الشركة،فرع لو بنى فوقه بيتا للإمام،الجزء الرابع، الناشر دار الفكربيروت، 1386ھ.

42. علاء الدين،عبد العزيز بن أحمد بن محمد، كشف الأسرار شرح أصول البزدوي،دار الكتاب الإسلامي،الجلد الثالث.
43. القدوري،الإمام أبو الحسين أحمد بن محمد بن أحمد البغدادي،مختصرالقدوري، مكتبة البشرىٰ كراتشي باكستان،2008م.
44. القرطبي، أبو عبد الله،محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح،الجامع لأحكام القرآن(تفيسر قرطبى)،الجزءالثاني عشر،دار إحيا التراث العربي،بيروت،لبنان،الطبعة الأولىٰ 1422ھ/٢٠٠٢ء.
45. الكملائي،محمد حفظ الرحمن ،مكانة أبي حنيفة في الفقه و الحديث،،مكتبه شيخ الإسلام ،داكا،طبع ثانيه،نومبر 2007م.
46. الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي،الحاوي في فقه الشافعي، دار الكتب العلمية، الطبعة : الأولى 1414ھ/1994، كتاب القسامة، باب كفارة القتل جلد ١٣.
47. المتقي،علاء الدين علي بن حسام الدين،كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، الناشر: مؤسسة الرسالةالطبعة: الخامسة،1401ھ/1981م، الجزء الحادى عشر.
48. مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة، تصدر عن منظمة المؤتمر الاسلامي بجدة، المكتبة الشاملة.
49. المرغيناني،الامام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي، المجلد الاول، مكتبة البشرى كراتشى باكستان،2008م.
50. المرغيناني،اللإمام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي، المرغيناني،الامام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر،الهدايةشرح بداية المبتدي المجلد السادس،مكتبة البشرى كراتشى باكستان، 2008م.
51. المرغيناني،اللإمام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر، الهداية شرح بداية المبتدي،المجلدالخامس، مكتبة البشرىٰ كراتشى باكستان،2008م.
52. مغنية،محمد جواد،الفقه على المذاهب الخمسةالطبعة الأُولى،مؤسسة الصادق للطباعة والنشرتهران.
53. الموسوعة الفقهية، الطبعة الثالثه،1433ھ/٢٠١٢م، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت.

اردو کتب

54. ابن کثیر، ابو الفداعماد الدین، حافظ ، علامہ، البدایہ و النہایہ،، مترجم :حافظ عبد الرشید ندوی ایم اے۔مولانا اختر فتح پوری :تاریخ ابن کثیر،جون ١٩٨٨ء، جلد دہم، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔
55. اتحاد بین العلما والمسالک کے بارے میں ٢٣ علما کرام کے متفقہ ١٨ نکات (٢٠١٣ء)، ملی مجلس شرعی،لاہور،نومبر ٢٠١٥ء ۔
56. احمد، اسرار،ڈاکٹر، پاکستان میں نظام خلافت کیا ، کیوں اور کیسے ؟،مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور،دسمبر٢٠٠٥ء۔
57. اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت،ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی،فروری ٢٠١١ء۔
58. اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل،فاران فاؤنڈیشن،لاہور،١٩٩٨ء۔
59. اصلاحی،امین احسن، مولانا، اسلامی قانون کی تدوین ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور،جون ١٩٧٦ء۔
60. اکرام،شیخ محمد ، موج کوثر،جون ٢٠٠٣ء ۔
61. اکرام، شیخ محمد، آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، جون ٢٠٠٢ء،مطبع مکتبہ جدید پریس لاہور۔
62. انصاری، ظفر احمد،ہمارے دستوری مسائل کا نظریاتی پہلو، آفاق پبلیکیشنز بندر روڈ کراچی۔

63. بین المسالک ہم آہنگی اور افہام و تفہیم کی حکمت ِ عملی، مرتبین : ڈاکٹر معصوم زئی،طالب حسین سیال و غیرہ،بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد،اپریل ۲۰۱۵ء۔
64. بھٹی،محمد اسحاق ،برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، مکتبہ قدوسیہ،،اردو بازار لاہور،2004ء ۔
65. بھٹی،محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور،،۱۹۹۰ء۔
66. بھٹہ، ذوالفقار علی اظہر (ایڈووکیٹ ہائیکورٹ،)، مسلم عائلی قوانین بمعہ تشریح شرح اور حوالہ جات و تحریر مقدمات، پاپولر لاء بک ہاؤس،2013ء،2014ء۔
67. بھٹہ ، ایڈووکیٹ۔میاں مسعود احمد ، قوانین الحدود و تعزیرات، آہن ادارہٗ اشاعت و تحقیق (پاکستان)، 2005ء۔
68. پیرزادہ، سید شریف الدین، پاکستان منزل بمنزل،،گلڈ اشاعت گھر کراچی،1965ء۔
69. پیرزادہ، سید شریف الدین، مسلم لیگ کا قیام پسِ منظر اور جدو جہد، مترجم :شمیم شاہ آبادی، نظریہ پاکستان فاونڈیشن ،لاہور، اگست۲۰۰٦ء۔
70. ترمذی، سید عبد الشکور ،، مولانا ،تذکرہ الظفر (سوانح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی)،،بار اول ۱۹۷۷ء،طابع و ناشر،المطبع الاسلامی السعودی مزنگ چونگی لاہور۔
71. تقی عثمانی، محمد، مفتی ، مولانا، سود پر تاریخی فیصلہ (مترجم : ڈاکٹر مولانا محمد عمران اشرف عثمانی)، مکتبہ معارف القرآن کراچی، اپریل ۲۰۰۸ء۔
72. تنزیل الرحمن ،، ڈاکٹر، جسٹس (چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت)،سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا تاریخی فیصلہ،[اردو ترجمہ] صدیقی ٹرسٹ کراچی۔
73. تھانوی، احتشام الحق،مولانا، ماہنامہ چراغ راہ۔کراچی ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول''جلد ۳،شمارہ ۳،مارچ ۱۹۵۱ء،مرتب : نعیم صدیقی،ناشر،دفتر چراغ راہ کراچی ۔
74. تھانوی، اشرف علی، امداد الفتاویٰ، جلد ۳، مکتبہ دارلعلوم کراچی، اگست ۲۰۱۵ء۔
75. تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی، امداد لفتاویٰ، (مرتب: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)، جلد ۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی، 2010ء ۔
76. تھانوی، حکیم الامت، مولانا، اشرف علی،حیلہٗ ناجزہ یعنی عورتوں کا حقِ تنسیخِ نکاح،دارالاشاعت کراچی،۱۹۸۷ء۔
77. خلیل الدمشقی،شمس الدین یوسف بن خلیل و یوسف بن عبدالھادی،الحافظان،دارلفوردمشق، طبع الاولی،۲۰۰۱ء۔
78. خیل، محمد حسین خلیل، شرعی احکام میں ضرورت و حاجت کی رعایت اور حرج و مشقت کی صورت میں تخفیف کے شرعی اُصول و ضوابط، محاضرہ (مذکورہ محاضرہ مؤلف نے جامعۃ الرشید میں حلال فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام حلال فقھی سیمنارمورخہ ۲،۳ ذولحجہ 1433ھ بمطابق 26،27 مارچ 2012ءکو پاکستان بھر کے مفتیانِ کرام کے سامنے پیش کیا۔ مذکورہ محاضرہ غیر مطبوعہ ہے۔اور اسے مؤلف کی اجازت سے بطور اقتباس حوالہ دیا گیا،مزید اس محاضرہ کی اہمیت کے پیشِ نظرراقم کی طرف سے عربی عبارات کے حوالہ جات کے اضافہ کے ساتھ اسے ضمیمہ میں شامل کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار)

79. دریا آبادی،عبدالماجد ،نقوش و اثرات حکیم الامت،، مکتبہ مدنیہ اردو بازا ر لاہور، جون ۱۹۶۳ء۔
80. دہلوی، شاہ ولی اللہ ،اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، مترجم : مولانا صدر الدین اصلاحی، اسلامی پبلیکشنز لاہور،طبع اگست ۲۰۰۰ء۔
81. ذولفقار،غلام حسین، ڈاکٹر، پروفیسر، پاکستان تصور سے حقیقت تک،بزم قبال ۲۔کلب روڈ لاہور ۔
82. ریاض،سید حسن، پاکستان ناگزیر تھا، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ،جامعہ کراچی،۲۰۱۰ء۔
83. الزھیلی،وھبۃ،الدکتور، الاستاذ، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، ۲۰۱۲ء (مترجم :مفتی ارشاد احمد اعجازو مفتی ابرار حسین)،جلد ۱، دارالاشاعت کراچی پاکستان۔
84. سعید الخن،مصطفیٰ، ڈاکٹر، فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر،(مترجم :حافظ حبیب الرحمن)،شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد،جون ۲۰۰۲ء۔
85. سعید، احمد، پروفیسر،مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی،،مجلس صیانۃ المسلمین لاہور، ۱۹۸۳ء۔
86. سمیع الحق ، مولانا ، اقتدار کے ایوانوں میں شریعت بل کا معرکہ، مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک ،جنوری ۱۹۹۱ء۔
87. شام، شہزاد اقبال،ڈاکٹر، دساتیر پاکستان کی اسلامی دفعات ایک تجزیاتی مطالعہ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۱ء۔
88. شام،شہزادا قبال ، ڈاکٹر، دستور پاکستان کی اسلامئی دفعات ایک تجزیاتی مطالعہ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد،۲۰۱۱ء۔
89. شیر کوٹی، محمد انوار الحسن ، پروفیسر،خطبات عثمانی ،اشاعت اول ۱۹۷۲ء،مطبع ،تعلیمی پریس لاہور،،ناشر ،نذر سنز لاہور۔
90. صدیقی،اقبال احمد(مترجم)، قائد اعظم :تقاریر و بیانات،جلد چہارم،بزمِ اقبال، لاہور،۱۹۹۸ء۔
91. صدیقی،اقبال احمد(مترجم)، قائد اعظم :تقاریر و بیانات،جلد دوم،بزمِ اقبال، لاہور، نومبر ۱۹۹۸ء۔
92. صدیقی،اقبال احمد(مترجم)، قائد اعظم :تقاریر و بیانات،جلد سوم ،بزمِ اقبال، لاہور، اپریل ۱۹۹۸ء۔
93. صدیقی، اقبال احمد (مترجم)، علامہ اقبال تقریریں ،تحریریں اور بیانات،،اقبال اکیڈمی (لاہور)پاکستان،طبع دوم ۲۰۱۵ء۔
94. الصنعانی،سید محمد بن اسماعیل، علامہ، سبل السلام (شرح بلوغ المرام)، مترجم : مولانا عبدالقیوم، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد،2004ء۔
95. طباطبائی ،محمد حسین، علامہ،پاسدارانِ اسلام، مترجم :محمد فضل حق،مطبع :شاہین پیکجز کراچی،جامعہ تعیمات ِاسلامی پاکستان۔
96. عثمانی، تقی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی،جولائی ۲۰۱۰ء۔
97. عثمانی،حضرت مولانا ظفر احمد صاحب،امداد الاحکام، جلد ۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی،2009ء۔
98. عثمانی،محمد تقی،مفتی،اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف کراچی،نومبر ۲۰۱۰ء۔

99. عثمانی،محمدتقی،نِفاذِ شریعت اور اُس کےمسائل،،مکتبہ دارالعلوم کراچی،۲۰۰۲ء۔
100. عثمانی،محمدتقی،نِفاذِ شریعت اور اُس کےمسائل،،مکتبہ دارالعلوم کراچی،۱۴۳۰ھ۔
101. علوی ،مسعود احسن (مرحوم)، پروفیسر ، ارشاداتِ حکیم الامت،،طبع ثانی : جنوری ۱۹۸۳ء، ادارہ اسلامیات لا ہو ر۔
102. غازی، محمود احمد، ڈاکٹر،پروفیسر،پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل،شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد، جنوری،۲۰۱۱ء۔
103. غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات شریعت، الفیصل ناشران و تاجران کتب،لاہور، ۲۰۰۹ء۔
104. غازی،محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۔
105. غازی، محمود احمد ،ڈاکٹر،محاضرات فقہ،الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۔
106. الغطاء،شیخ محمد حسین آلِ کاشف،آیۃ اللہ،ادارہ تمدنِ اسلام،۱۹۸۶ء،مترجم :حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید ابن حسن نجفی، اصل و اصول شیعہ۔
107. فرموداتِ قائد،قائد اعظم اکیڈمی،۲۰۰۶ء۔
108. قریشی ،اشتیاق حسین، ڈاکٹر،علما میدان سیاست میں،مترجم :ہلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ،کراچی یونیورسٹی،جولائی ۱۹۹۴ء۔
109. قریشی، اشتیاق حسین، برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، (مترجم : ہلال احمد زبیری)، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی،کراچی،۱۹۸۹ء۔
110. ماہنامہ الشریعہ،جلد۲۳،شمارہ ۲،فروری ۲۰۱۲ء،الشریعہ اکیڈمی گوجر نوالہ،ناشر :حافظ محمد عبدالمتین خان زاہد ۔
111. المجاہد، شریف، پروفیسر،تحریک پاکستان پس منظر و تجزیہ، قائد اعظم اکادمی کراچی،۱۹۸۷ء ۔
112. مجددی،حافظ ، مکان۔۳۔ڈی،بلاک آئی، شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳،مشہور آفسٹ لیتھو پریس،کراچی ۔
113. محمد امین ، ڈاکٹر، عصر حاضر اور اسلام کا نظام ِ قانون،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،نومبر ۱۹۸۹ء۔
114. محمود، صفدر، ڈاکٹر،پاکستان تاریخ و سیاست ، جہا نگیر بکس لاہور۔
115. محمود، صفڈر، ڈاکٹر، آئین پاکستان تجزیہ و موازنہ،جہانگیر بکس لاہور۔
116. مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن جلد اول، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، مارچ ۲۰۰۳ء۔
117. مودودی،ابو الاعلیٰ،سید،اسلامی ریاست،اسلامک پیبلیکیشنز(پرائیویٹ)لمیٹڈ،ستمبر ۲۰۰۸
118. نجیب آبادی،اکبر شاہ خان،مولانا،آئینہ حقیقت نما، جلداول،درہمدرد پریس واقع کوچہ چیلان طبع یافت ۔
119. ندوی، سید ابو ظفر، مولانا، تاریخ ِسندھ،مطبع :معارف اعظم گڑھ،۱۹۴۷ء۔

سرکاری دستاویزات و کتب

120. Al Mujahid, Sharif, Ideological foundations of Pakistan, Shari'ah Academy International Islamic University Islamabad, 2nd edition2012, P .144-45.

121. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Friday, February 2, 1973.
122. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making)Wednesday, February 21,1973.
123. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday February 26,1973 .
124. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Tuesday, February 27, 1973.
125. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Wednesday February 28,1973.
126. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday, March 5, 1973.
127. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Tuesday, March 6, 1973.
128. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Thursday march 22, 1973.
129. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday, march 26, 1973.
130. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Wednesday, march 28, 1973.
131. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Thursday, march 29, 1973.
132. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Saturday, April 7, 1973.
133. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Monday, April 9, 1973.
134. Assembly Debates, National Assembly of Pakistan, Sunday, June 30, 1974.
135. National Assembly of Pakistan, Official Report, No. 21, the manager, printing corporation of Pakistan press, Islamabad ,Saturday, Sep, 1974.
136. National assembly Of Pakistan Debates , Official Report Friday, 28th August,1998,Vol.IV,No.3,The Manager Of Publication, Karachi:1998.
137. National assembly Of Pakistan Debates , Official Report Monday ,The 17th April,1972,The Manager Of Publication, Karachi:1972.
138. Sham, Shahzad Iqbal (2007) *(Urdu) Dustoor Pakistan 1973 Ki Islami Difat Tutbeeq Kay Tees Sal Intizami Aur Adalati Decisions (1973-2003 Kay Tanazir Ma).* PhD thesis, Allama Iqbal Open University, Islamabad.p.105-107, http://eprints.hec.gov.pk/4098/1/3339H.htm,Visited:Feb.09,2016.
139. Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. II.
140. Ten Years Reports 1962 to 1972, Advisory Council of Islamic Ideology , Government of Pakistan Islamabad , Vol. I.
141. The Constituent Assembly of Pakistan Debates, Official Report, Volume V, 1949, Monday March 07,1949.
142. The Constituent Assembly of Pakistan Debates, Official Report, Volume V, 1949, Wednesday, March 09,1949.

143. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.17, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 9.1973.
144. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.18, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 12,1973.
145. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.19, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 13.1973.
146. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.21, The Manager of Publication, Karachi, Thursday, March 15.1973.
147. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.22, The Manager of Publication, Karachi, Friday, March 16.1973.
148. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.23, The Manager of Publication, Karachi, Monday, March 19.1973.
149. The National Assembly of Pakistan (Constitution-Making) Debates, Vol. II, No.24, The Manager of Publication, Karachi, Tuesday, March 20.1973.
150. اسلامی نظریاتی کونسل کی بارہویں رپورٹ اسلامی نظام مالیات و قوانین مالی، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد،پاکستان،مارچ ۱۹۸۴ء۔
151. اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان اسلام آباد، اسلامی نظام حکومت کے بارے میں دستوری سفارشات،،جون ۱۹۸۳ء،پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس،اسلام آباد۔
152. اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، وزارتِ قانون و انصاف و انسانی حقوق اسلام آباد، ۲۰۱۲ء۔
153. سالانہ رپورٹ جنوری ۱۹۸۰ تا مئی ۱۹۸۱ء، اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان، اسلام آباد،مئی ۲۰۱۲۔
154. سالانہ رپورٹ ۱۹۸۲-۸۳ء،اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اسلام آباد،جولائی ۱۹۹۳ء، پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس،اسلام آباد۔
155. سالانہ رپورٹ ۱۹۸۱-۸۲ء،اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان اسلام آباد۔
156. سالانہ رپورٹ ۱۹۷۸-۷۹ء،اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اسلام آباد،جولائی ۱۹۹۳ء، مطبع : پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس،اسلام آباد۔

رسائل و جرائد

157. ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی، جولائی و اگست ۲۰۰۹ء،دستور پاکستان نمبر،جلد نمبر ۱۱،شمارہ :۷،۸،سلسلہ نمبر ۱۰۸،۱۰۹، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی۔
158. ماہنامہ چراغ راہ،کراچی ''دستوری رپورٹ پر علمائے پاکستان کا تبصرہ اور ترمیمی تجاویز ''جلد 6،شمارہ 2،فروری 1953ء، مرتب: نعیم صدیقی،ناشر،دفتر چراغ راہ کراچی۔
159. ماہنامہ چراغ راہ،کراچی، تھانوی، احتشام الحق،مولانا، ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول''جلد ۴،شمارہ ۳،مارچ ۱۹۵۱ء، مرتب : نعیم صدیقی،ناشر،دفتر چراغ راہ کراچی۔
160. ماہنامہ میثاق لاہور،نومبر ۲۰۱۵ء۔

161. ماہنامہ الشریعہ،جلد۲۳،شمارہ ۲،فروری ۲۰۱۲ء،الشریعہ اکیڈمی گوجر نوالہ،ناشر :حافظ محمد عبدالمتین خان زاہد ۔
162. ماہنامہ چراغِ راہ۔ کراچی،نظریہ پاکستان نمبر،جلد ۱۴،شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹۶۰ء،مرتبہِ خورشید احمد، محمود فاروقی،پبلشر، سید کاظم علی، مطبوعہ : مشہور پریس کراچی ۔

انسائیکلو پیڈیا

163. اردو دائرہ معارف اسلامیہ،جلد ۱۱، ناشر دانش گاہ پنجاب لاہور،پنجاب یونی ورسٹی لاہور،طبع اول ۱۹۷۵ء ۔
164. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مئی ۱۹۸۵ء، بار دوم۔

WEBSITES

165. National Assembly of Pakistan , NATIONAL ASSEMBLY DEBATES, http://www.na.gov.pk/en/debates.php,visited:02feb-01june,2016.
166. National Assembly of Pakistan, 5TH NATIONAL ASSEMBLY FROM 1972-10TH JANUARY 1977 LIST OF MEMBERS & ADDRESSES: http://www.na.gov.pk/uploads/formermembers/5th%20National%20Assembly.pdf: visited: April, 15, 2016.
167. Pew Research Center, Countries with More Than 100,000 Shia Muslims,http://www.pewforum.org/2009/10/07/mapping-the-global-muslim-population/:visited:March12,2016.